زن، زر اور زمین کے تنازعوں میں جنم لینے والے مقدمات
پسِ آئینہ
مرزا امجد بیگ
(ایڈووکیٹ)
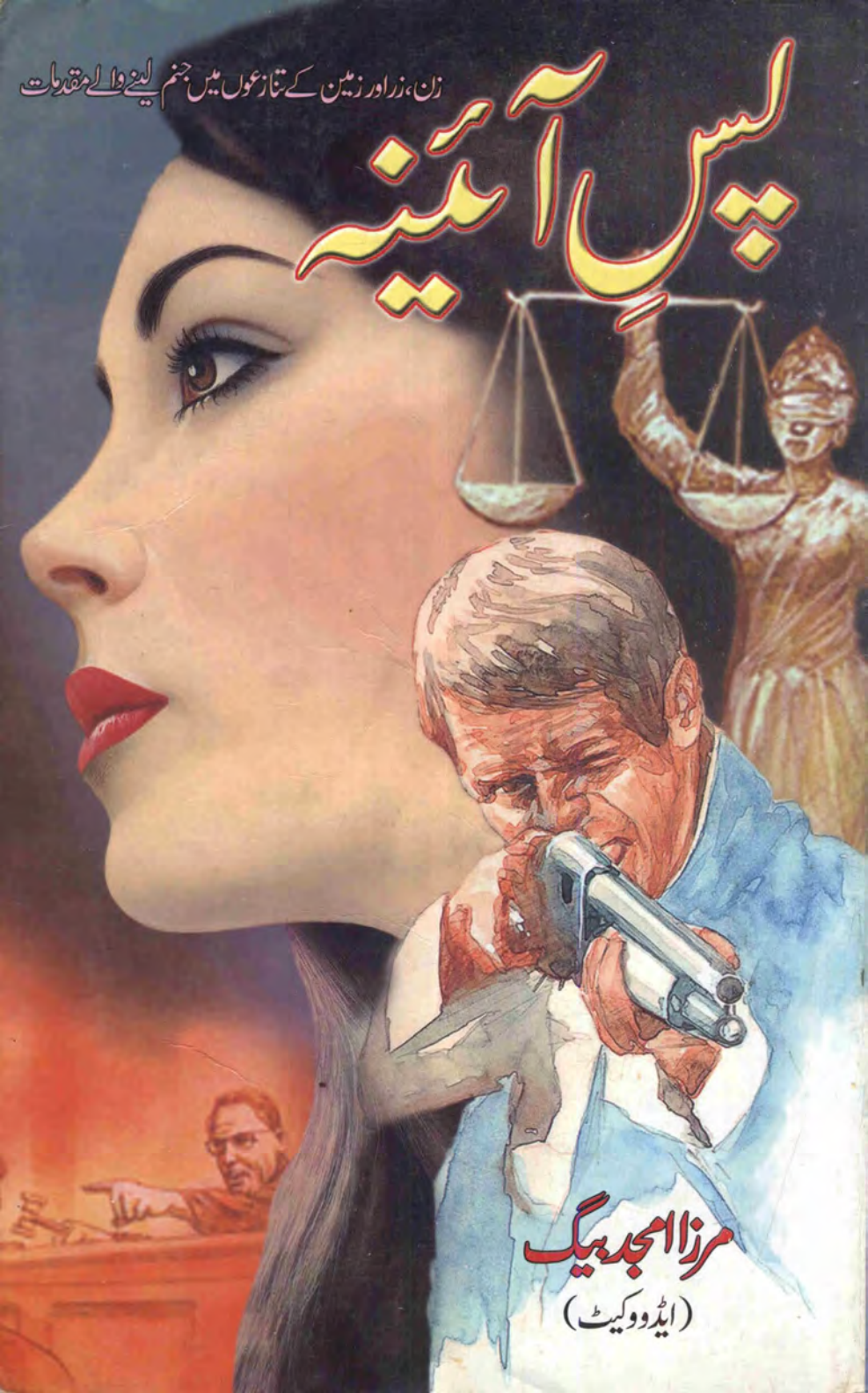
فہرست

پس آئینہ

میں رات نو بجے دفتر سے فارغ ہوا تو آفس بوائے میرے لیے ٹیکسی پکڑ لایا۔ میری گاڑی میں کچھ کام نکل آیا تھا لہٰذا ایک دو روز کیلئے میں ٹیکسی کا سہارا لینے پر مجبور تھا۔ گاڑی میں نے گزشتہ روز موٹر میکینک کے پاس چھوڑ دی تھی۔

ایم اے جناح روڈ المعروف بہ بندر روڈ کراچی کی ایک ایسی سڑک ہے جہاں ٹریفک کسی طوفان بدتمیزی کی طرح رواں دواں رہتا ہے، خصوصاً شام پانچ بجے سے رات دس بجے تک تو اس طوفان میں طغیانی دکھائی دیتی ہے۔ اس روڈ پر ڈرائیونگ کرنے کیلئے فنی مہارت کے ساتھ ساتھ مضبوط اعصاب بھی ضروری ہیں ورنہ آپ قدم قدم پر دوسروں سے الجھتے پھریں گے اور نوبت سر پھٹول تک بھی پہنچ سکتی ہے۔ کسی بھی ڈرائیور کی قوت برداشت کا اصل امتحان اسی سڑک پر ہوتا ہے۔

میں جس ٹیکسی میں سوار تھا اس نے ڈرائیونگ کے دوران میں چھوٹی موٹی قانون شکنیاں بھی کیں۔ میں ڈرائیور کی مجبوریوں کو سمجھتا تھا تاہم میں نے اس کے دل کی بھڑاس کے اخراج کی خاطر اس سے کہا۔

''انکل! اگر آپ اسی طرح ٹریفک کے قانون توڑتے رہے تو کوئی ٹریفک پولیس والا گھیر لے گا پھر اس کی مٹھی گرم کیے بغیر جان نہیں چھوٹے گی۔''

انکل کا صیغہ میں نے اس لیے استعمال کیا تھا کہ ٹیکسی ڈرائیور ساٹھ کے پیٹے میں نظر آتا تھا۔ اس عمر میں بھی اگر اسے ٹیکسی چلا کر روزی روٹی کمانا پڑ رہی تھی تو اس کے کندھوں پر لدے ہوئے معاشی اور معاشرتی بوجھ کا اندازہ لگایا جا سکتا تھا۔

ٹیکسی ڈرائیور نے بڑی رسان سے جواب دیا۔ ''بابو جی! اگر میں ٹریفک کے قوانین کی پابندی میں لگ گیا تو یقیناً ایکسیڈنٹ کر بیٹھوں گا کیوں کہ لوگوں کی اکثریت قانون شکنی کی مرتکب ہو رہی ہے۔'' ایک لمحے کو رک کر اس نے گہری سانس لی اور بات جاری رکھتے ہوئے بولا۔ ''میرے نزدیک ایکسیڈنٹ کرنے کے بجائے ٹریفک پولیس والے کے ہتھے چڑھ جانا زیادہ سودمند ہے۔''

''یہ بہت عجیب بات کہہ دی آپ نے؟'' میں نے حیرت بھرے لہجے میں کہا۔

وہ بولا۔ ''بات اگرچہ عجیب ہے مگر حقیقت یہی ہے۔''

''ذرا وضاحت کریں۔'' میں نے کہا۔

وہ چند لمحے خاموش رہنے کے بعد بولا۔ ''اگر ٹریفک قوانین کی خلاف ورزی پر مجھے کسی ٹریفک پولیس والے نے روک لیا تو دس بیس دے کر جان چھڑا لوں گا لیکن حادثے کی صورت میں ٹیکسی میں سو پچاس یا اس سے بھی زیادہ کا کام نکل سکتا ہے۔''

بات تو اس نے بڑی معقول کی تھی۔ یہ حقیقت ہے کہ جہاں آوے کا آوا ہی بگڑا ہوا ہو وہاں مہذب شہری بھی چھوٹی موٹی بے اعتدالی پر مجبور ہو جاتے ہیں۔ کسی بھی نوعیت کے قوانین بنانا اتنا اہم نہیں جتنا ان پر عمل کرانا اور کرنا۔ یہ کام قوانین نافذ کرنے والے اداروں اور عوام کے باہمی تعاون ہی سے ممکن ہے۔ کسی ایک فریق کو الزام دینا درست نہیں۔

ٹیکسی ڈرائیور خاصا خاموش طبع لگتا تھا کیوں کہ اس کے بعد اس نے مزید کوئی بات نہیں کی ورنہ اکثر ٹیکسی ڈرائیور بہت باتونی واقع ہوتے ہیں۔ مسافر ہوں ہاں کر کے گفتگو سے بچنا بھی چاہے تو وہ پٹرول کی قیمت اور مہنگائی کا رونا رونے بیٹھ جاتے ہیں۔ ان میں بعض تو اس قدر سنکی ہوتے ہیں کہ کوفت میں مبتلا کر دیتے ہیں مگر یہ ٹیکسی ڈرائیور قدرے مختلف تھا۔ اس کے چہرے پر طاری سنجیدگی میں مجھے واضح طور پر پریشانی جھلکتی نظر آئی۔ معلوم نہیں کیوں' میں اس میں دلچسپی محسوس کرنے لگا تھا۔ میں اس احساس کو کوئی نام نہ دے سکا۔

میں نے اس سے پوچھا۔ ''انکل یہ ٹیکسی آپ کی اپنی ہے یا کرائے پر چلا رہے ہیں؟''

اس نے جواب دینے سے پہلے ٹھنڈی آہ بھری اور بتایا۔ ''کرائے کی ہے۔''

اس کا مطلب تھا' ٹیکسی کا مالک کوئی اور شخص تھا اور یہ ڈرائیور روزانہ اسے ایک طے شدہ رقم دینے کا پابند تھا چاہے اس کا دھندا ہو یا نہ ہو۔ یہ سب اس کی قسمت پر منحصر ہے۔

میں نے پوچھا۔ ''آپ کتنے عرصے سے ٹیکسی چلا رہے ہیں؟''

''اسی دھندے میں عمر گزر گئی۔''

''اور ابھی تک آپ بھاڑے پر ٹیکسی چلا رہے ہیں۔''

میں نے کہا۔ ''اب تک تو آپ کو کم از کم ایک ٹیکسی کا مالک ہونا چاہیے تھا۔ کیا میں غلط کہہ رہا ہوں۔''

وہ چونک کر عقب نما آئینے میں مجھے دیکھتے ہوئے بولا۔ ''آپ بالکل ٹھیک کہہ رہے ہیں بابو جی۔'' پھر اس نے بددلی سے کہا۔ ''بس کیا بتاؤں' وقت وقت کی بات ہے۔''

''وقت وقت کی کیا بات ہے؟'' میں نے کرید جاری رکھی۔

میں عام طور پر کسی سے زیادہ فری نہیں ہوتا خصوصاً ناشناسا افراد سے تو میں بس کام کی ضروری بات ہی کرتا ہوں مگر اس ڈرائیور کے چہرے پر مجسم کرب مجھے اس سے بات چیت پر اکسا رہا تھا۔ اس کے چہرے کے تاثرات میں کوئی ایسی بات موجود تھی جو اس میں دلچسپی لینے پر مجبور کر رہی تھی۔

اس نے میرے سوال کا جواب دیتے ہوئے بتایا۔ ''تین سال پہلے میرے پاس اپنی ٹیکسی تھی۔ اچھی خاصی آمدنی ہو جاتی تھی۔ کسی کو پائی پیسا نہیں دینا پڑتا تھا پھر سب کچھ ختم ہو گیا۔'' یہاں تک پہنچ کر وہ خاموش ہو گیا۔ اس کی خاموشی بڑی گھمبیر تھی۔

میں نے پوچھا۔ ''کیا آپ کی ٹیکسی چوری ہو گئی تھی؟''

''نہیں۔'' وہ نفی میں سر ہلاتے ہوئے بولا۔ ''میں نے وہ ٹیکسی فروخت کر دی تھی۔''

''اچانک ایک بڑی رقم کی ضرورت پیش آ گئی ہو گی۔'' میں نے اپنا...... خیال ظاہر کیا۔

''ہاں' کچھ ایسی ہی بات تھی۔'' اس نے مبہم جواب دیا۔

میں نے کہا۔ ''انسان کی زندگی میں ہر قسم کے حالات و واقعات رونما ہوتے رہتے ہیں۔''

''میں نے جس نیک مقصد کی خاطر ٹیکسی فروخت کی تھی اگر اس کے نتائج اچھے برآمد ہوتے تو مجھے کوئی دکھ نہیں تھا لیکن یہاں تو کہانی ہی الٹی ہو گئی۔ رابعہ نے سکھ سے ایک دن نہیں گزارا اور اب وہ جیل میں ہے۔'' ٹیکسی ڈرائیور جذباتی لہجے میں بولتا چلا گیا۔ ''میری سمجھ میں نہیں آتا کہ رابعہ کی رہائی کیلئے گھر کو فروخت کروں یا کسی اور چیز کو...... ٹیکسی تو گئی گھر میں زیادہ قیمتی چیز کوئی بچی بھی نہیں۔''

اس کی بات نے میری دلچسپی کو کئی گنا بڑھا دیا۔ میں نے پوچھا۔ ''یہ رابعہ کون ہے؟''

''میری بیٹی ہے۔'' اس نے جواب دیا۔

''وہ کس سلسلے میں جیل گئی ہے؟''

''قتل کے جھوٹے الزام میں۔''

''رابعہ پر کس کو قتل کرنے کا الزام ہے؟'' میں نے سوال کیا۔

اس نے بتایا۔ ''اس پر اس کے دیور امتیاز کے قتل کا الزام ہے۔''

''وہ کب سے جیل میں بند ہے؟''

''چھ ماہ سے زیادہ ہو گئے۔'' اس نے بتایا۔

''آپ نے اس کی رہائی کیلئے کوشش نہیں کی؟''

''دن رات کوشش کر رہا ہوں۔'' وہ ٹوٹے ہوئے لہجے میں بولا۔ ''صبح چھ بجے ٹیکسی لے کر نکلتا ہوں اور رات بارہ بجے تک شہر کی سڑکیں ناپتا رہتا ہوں۔ یہ میں کس لیے کر رہا ہوں رابعہ کیلئے ہی

تو میں نے اپنا آرام وسکون تج دیا ہے۔ جو کچھ کماتا ہوں اس کا ایک بڑا حصہ رابعہ کے وکیل کی جیب میں چلا جاتا ہے۔ وہ ہر ملاقات پر مجھے یقین دلاتا ہے کہ وہ رابعہ کو باعزت بری کروانے میں کامیاب ہو جائے گا لیکن ابھی تک کسی قسم کی پیش رفت نہیں ہوئی۔ اس سے زیادہ میں رابعہ کیلئے کیا کر سکتا ہوں؟ ٹیکسی بیچ کر ساڑھے تین سال پہلے میں نے اس کی شادی کی تھی۔ گزشتہ چھ ماہ میں گھر کی ہر قیمتی شے بھی فروخت ہو چکی ہے۔ بس ایک گھر ہی بچا ہے۔ اچھے وقتوں میں رہنے کا ٹھکانا اپنا کر لیا تھا مگر لگتا ہے' اس گھر کو بھی بیچنا ہی پڑے گا۔''

ٹیکسی ڈرائیور کا دکھ اس کی زبان پر آیا تو میری دلچسپی مزید بڑھ گئی۔ میں نے ہمدردانہ انداز میں پوچھا۔''انکل! نام کیا ہے آپ کا؟''

اس نے اپنا نام اختر حسین بتایا۔

میں نے پوچھا۔''آپ کے علاوہ گھر میں اور کوئی کمانے والا نہیں ہے؟''

''رابعہ کے علاوہ میرا ایک بیٹا ہے' طارق۔'' اس نے جواب دیا۔''وہ میٹرک میں پڑھ رہا ہے۔ مجھے اس کی تعلیم کا بڑا خیال ہے اس لیے کام دھندے سے اسے الگ رکھا ہوا ہے۔ میں نہیں چاہتا کہ وہ بھی بڑا ہو کر ٹیکسی ڈرائیور ہی بنے۔ میں اسے ڈاکٹر بنانے کا ارادہ رکھتا ہوں۔''

ایک ٹیکسی ڈرائیور کے' اپنے بیٹے کے مستقبل کے لیے یہ عزائم قابل قدر تھے۔ میں نے اس کے ارادے کو سراہا اور کہا۔''اس کا مطلب ہے' آپ اپنے گھر کے واحد کفیل ہیں اسی لیے اس عمر میں بھی آپ کو رات دن ٹیکسی چلانا پڑ رہی ہے۔''

''میں کام سے نہیں گھبراتا۔'' وہ ٹھہرے ہوئے لہجے میں بولا۔''میں نے ساری زندگی بہت مصروف اور سخت گزاری ہے۔ مجھے یقین ہے' میں طارق کو ضرور ایک دن ڈاکٹر بناؤں گا۔ اصل مسئلہ رابعہ کا ہے۔ اس کی وجہ سے میں بہت پریشان بلکہ بے بس ہو کر رہ گیا ہوں۔ مجھے واضح طور پر محسوس ہو رہا ہے کہ وکیل صرف پیسے کھانے کے چکر میں ہے۔ بہت بڑے بڑے اور قابل وکیلوں کی فیس ادا کرنے کا میں متحمل نہیں ہو سکتا۔ بس اپنی چادر کو دیکھ کر پاؤں پھیلایا تھا لیکن اس وکیل نے ابھی تک کوئی کارکردگی نہیں دکھائی۔''

میں نے کہا۔''ایک بہت اچھے وکیل صاحب میرے جاننے والے ہیں۔ میں آپ کو ان کا کارڈ دے دیتا ہوں۔ آپ کسی وقت دوپہر کے بعد ان سے دفتر میں مل لیں۔ ممکن ہے' وہ بہتر طور پر آپ کی مدد کر سکیں۔''

''اگر وہ بہت اچھے وکیل ہیں تو ان کی فیس بھی بہت ''اچھی'' ہو گی۔''

بہت اچھی کے الفاظ اس نے خاصے کھینچ کر ادا کیے تھے۔ میں نے اپنا وزیٹنگ کارڈ جیب سے نکال کر اختر حسین کی جانب بڑھاتے ہوئے کہا۔

''ہاں' فیس تو ان کی خاصی زیادہ ہے کیوں کہ وہ سٹی کورٹ کے بہت نامور وکیل ہیں لیکن مجبور' ضرورت مند سے وہ کچھ رعایت کر لیتے ہیں۔''

اس نے شکریہ ادا کرتے ہوئے میرا وزیٹنگ کارڈ اپنے پاس رکھ لیا۔

آئندہ روز وہ میرے دفتر میں موجود تھا۔ اپنی باری پر جب وہ میرے چیمبر میں پہنچا تو مجھ پر نگاہ پڑتے ہی اس کا منہ حیرت سے کھل گیا۔ کچھ دیر وہ پُر استعجاب نظر سے مجھے دیکھتا رہا پھر لکنت زدہ آواز میں بولا۔

''تت...... تو آپ ہی ہیں...... مرزا امجد بیگ ایڈووکیٹ؟''

میں نے مسکرا کر اثبات میں سر ہلانے پر اکتفا کیا پھر میں نے اسے اپنے سامنے کرسی پر بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ تھوڑے تامل کے بعد وہ بیٹھ چکا تو میں نے کہا۔

''اختر صاحب! اب آپ مجھے تفصیلاً اپنی بیٹی رابعہ کے کیس کے بارے میں بتائیں۔''

وہ چند لمحے خاموش ہو کر کچھ سوچتا رہا پھر غمناک انداز میں مجھے اپنی بیٹی پر گزرنے والے حالات سے آگاہ کرنے لگا۔

اختر حسین کی بیان کردہ کہانی میں سے غیر ضروری باتوں کو حذف کر کے میں یہاں واقعات کا خلاصہ بیان کر رہا ہوں تاکہ آپ اس کیس کے پس منظر سے بہ خوبی واقفیت حاصل کر لیں۔

☆......☆......☆

اختر حسین کراچی کے ایک متوسط علاقے پاپوش نگر کا رہنے والا تھا۔ ساڑھے تین سال پیشتر اس نے اپنی بیٹی کی شادی ایک دیرینہ دوست قمر علی کے بیٹے افتخار سے کر دی۔ قمر علی ایک چھوٹی گارمنٹ فیکٹری چلاتا تھا اور افتخار اس کام میں باپ کا مددگار تھا۔ افتخار کی رہائش گلشن اقبال میں تھی۔

اختر نے شادی کی تقریب کو پُر رونق بنانے اور رابعہ کے روشن مستقبل کی خاطر اپنی ٹیکسی بیچ دی کیوں کہ اس دنیا کا ہر کام پیسے سے ہوتا ہے۔ فی الوقت پیسا ہر مشین کا ایندھن بن کر رہ گیا ہے۔ آپ پیسے کے بغیر محض دھکے سے گاڑی کو گھسیٹ تو سکتے ہیں لیکن اس ایندھن کی غیر موجودگی میں آپ کی گاڑی چند قدم سے زیادہ نہیں چل سکتی۔ پیسا سب کچھ تو نہیں تاہم بہت کچھ ہے۔ یہ ایک تلخ حقیقت ہے' کوئی یقین کرے یا نہ کرے۔

دکھ سکھ نصیب سے ہوتے ہیں۔ اختر حسین نے بیٹی کو سکھی دیکھنے اور شاد آباد دیکھنے کیلئے اپنی آمدنی کا ذریعہ بھی فروخت کر دیا کیوں کہ وہ اس سے زیادہ اور کچھ کر بھی نہیں سکتا تھا مگر رابعہ بڑا دکھی نصیب لے کر پیدا ہوئی تھی۔ باپ کی قربانی اس کے کسی کام نہ آئی۔

یہ شادی افتخار کی مرضی کے خلاف اس کے باپ کے دباؤ سے ہوئی تھی اس لیے افتخار کا رابعہ کے ساتھ وہ رویہ نہیں تھا جو خوش گوار ازدواجی زندگی میں کسی شوہر کا اپنی بیوی کے ساتھ ہوتا ہے۔ قمر علی

اس شادی کے تھوڑے عرصے بعد ہی چل بسا اور گارمنٹ فیکٹری کا انتظام و انصرام کلی طور پر افتخار کے حصے میں آ گیا۔ افتخار سے چھوٹا ایک بھائی امتیاز تھا۔ وہ کسی کام کے قابل نہیں تھا اور گھر پر ہی رہتا تھا۔ امتیاز دراصل مرگی کا مریض تھا۔ ایک مستند ماہر امراض دماغ سے اس کا علاج ہو رہا تھا۔

جب تک رابعہ کا سسر قمر علی زندہ رہا' رابعہ کو زیادہ دشواری کا سامنا نہیں کرنا پڑا...... وہ شادی چوں کہ قمر علی کے ایما پر ہوئی تھی اس لیے اس گھر میں وہ رابعہ کا سب سے بڑا بلکہ اکلوتا سپورٹر تھا۔ قمر علی کی آنکھ بند ہوتے ہی رابعہ پر مصیبتوں کے پہاڑ ٹوٹ پڑے' چند روز ہی میں اس نے محسوس کیا کہ اس گھر میں اس کی حیثیت کسی نوکرانی سے زیادہ نہیں۔ خاص طور پر افتخار اپنے رویے سے اسے اٹھتے بیٹھتے یہ باور کراتا رہتا کہ اسے محض امتیاز اور ان کی بوڑھی والدہ کی دیکھ بھال کیلئے اس گھر میں رکھا گیا ہے۔ کوئی عورت اپنے گھر میں جب اس قسم کی صورتحال سے دوچار ہو جائے تو اس کے دکھ کا بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

رابعہ جن حالات میں بیاہ کر گئی تھی وہ اس کے پیش نظر تھے۔ وہ جانتی تھی' باپ نے اپنا ذریعہ روزگار فروخت کر کے اس کی شادی کی تھی اس لیے بھی وہ سسرال میں پیش آنے والی ناگوار صورتحال کو برداشت کرتی رہی۔ اگر معاملات اس کی خدمات اور شوہر کی بے اعتنائی تک محدود رہتے تو بھی وہ زہر کے گھونٹ پی کر گزارہ کرتی رہتی مگر جب بات اس کی عزت تک جا پہنچی تو وہ پھٹ پڑی۔ یہ پہلا موقع تھا جب اس نے صدائے احتجاج بلند کی لیکن افتخار نے اس کی فریاد اس کے احتجاج کو ایک کان سے سن کر دوسرے کان سے نکال دیا۔

''تم جھوٹ بولتی ہو۔'' افتخار نے ٹھوس لہجے میں کہا۔ ''امتیاز اس قسم کی حرکت نہیں کر سکتا۔''

''یہ نیچ حرکت اس نے کی ہے۔'' رابعہ چیخ اٹھی۔ ''جب میں نے اس کی بات ماننے سے انکار کیا تو اس نے میرا بازو پکڑ لیا تھا۔ میں بہ مشکل خود کو اس کی گرفت سے نکالنے میں کامیاب ہوئی ہوں۔''

رابعہ کے مطابق اس کا دیور اور مرگی کا مریض امتیاز گاہے بہ گاہے تنہا پا کر اسے حریصانہ نظر سے دیکھتا رہتا تھا۔ پہلے پہل اس نے امتیاز کی اس حرکت کو نظر انداز کیا لیکن اس بے شرم کو ذرا خیال نہ آیا اور ایک روز اس نے رابعہ کو کمرے میں اکیلے پا کر اپنی نیت اس پر آشکار کر دی۔ وہ اپنے تئیں رابعہ سے محبت کرنے لگا تھا اور اس کی خواہش تھی کہ رابعہ بھی افتخار سے چوری چھپے اس سے ملاقاتیں کرے۔ رابعہ نے بڑی خوبصورتی سے بہانہ بنا کر اسے ٹالنے کی کوشش کی تھی۔ اس کے ذہن میں یہ بات بھی تھی کہ امتیاز مرگی کا مریض تھا اس لیے بھی اس نے امتیاز کی باتوں کا زیادہ اثر نہیں لیا تھا۔ دماغی مریض سے کسی بھی قسم کی حرکت کی توقع کی جاسکتی ہے۔ تھوڑے ہی عرصے میں رابعہ کو یقین ہو گیا کہ اس کا دیور ہاتھ دھو کر اس کے پیچھے پڑ گیا تھا اور تنہائی کا کوئی بھی موقع ضائع نہیں جانے دیتا

تھا۔ رابعہ اس کی بیہودگی سے تنگ آ گئی تو اس نے بہت سخت الفاظ میں اسے ڈانٹ دیا۔ اسی وقت امتیاز نے جنونی انداز میں رابعہ کی کلائی کو اپنی گرفت میں لے لیا تھا۔

رابعہ نے مختصر الفاظ میں اپنے شوہر کو امتیاز کے رویے کے بارے میں بتایا لیکن وہ کسی بھی صورت یقین کرنے کو تیار نہیں تھا۔ ''رابعہ! تم یہ جانتی ہو نا امتیاز کی طبیعت خراب رہتی ہے۔ ممکن ہے اس کی ذہنی رو بہک گئی ہو اس کی باتوں کو سنجیدگی سے لینے کی ضرورت نہیں۔ وہ تو قابل رحم ہے' معصوم ہے۔''

''میں مانتی ہوں' وہ ذہنی مریض ہے۔'' وہ چڑ کر بولی۔ ''لیکن مرگی ایسا مرض نہیں کہ اس میں اس قسم کی حرکتیں کی جائیں۔ تم اس مرض کی آڑ میں اپنے بھائی کا دفاع نہ کرو وہ مجھے تنہا دیکھتے ہی بالکل ہوش مندوں کی طرح اظہار عشق شروع کر دیتا ہے۔ انتہائی بازاری انداز میں مجھے اشارے کرتا ہے اور تم سے چھپ کر ملنے کی فرمائش کرتا ہے۔ اس کی یہ کارستانیاں مرگی کے کھاتے میں نہیں ڈالی جا سکتیں۔ مرگی کے مریض کو تو دورہ پڑتا ہے اور اس دورے کی کیفیت میں وہ اپنا ہی نقصان کرتا ہے۔''

''میں ایک مرتبہ پھر یہ کہوں گا تم غلط فہمی کا شکار ہو رہی ہو۔ امتیاز ایسا نہیں ہے جیسا تم بیان کر رہی ہو۔'' افتخار نے جان چھڑانے والے انداز میں کہا۔

رابعہ بولی۔ ''مجھے کوئی غلط فہمی نہیں ہوئی۔ میں تمہیں واضح طور پر بتا رہی ہوں کہ آئندہ امتیاز نے کوئی گھٹیا حرکت کی تو میں اسے سخت جواب دوں گی۔''

''کیا سخت جواب دو گی تم؟'' افتخار نے گھور کر اسے دیکھا۔

''میں جواباً اس کا منہ توڑ سکتی ہوں۔''

''تم کچھ زیادہ ہی نہیں پھیل رہیں؟''

''جب تک اس گھر کی فضا میری برداشت میں تھی' میں نے زبان سے اف تک نہیں کی۔'' رابعہ نے کہا۔ ''یہ مجھے کسی بھی طور پر گوارا نہیں کہ کوئی میری عزت پر حملہ کرے۔ میں نے تو تمہیں اس لیے ساری بات بتائی ہے کہ تم میرے شوہر ہو۔ یہ بات جان کر تمہاری غیرت کو جاگنا چاہیے اور تمہیں فوری طور پر اپنے بھائی سے باز پرس کرنا چاہیے۔''

رابعہ کو طیش میں دیکھ کر افتخار نے کہا۔ ''امتیاز سے میں اس سلسلے میں ضرور پوچھوں گا اور اگر تمہاری بات غلط ثابت ہوئی تو یاد رکھنا مجھ سے برا کوئی نہیں ہوگا۔''

رابعہ بے یقینی سے اپنے شوہر کو دیکھنے لگی۔ اسے حیرت اس بات پر ہو رہی تھی کہ اس کی عزت کا رکھوالا اس کے خلاف اپنے ذہنی مریض بھائی کا ساتھ دینے پر تلا ہوا تھا۔ افتخار کا یہ رویہ اس کے دل پر ایک چرکا لگا گیا۔ وہ شوہر کی بے اعتنائی اور بدمزاجی سے پہلے ہی بھری بیٹھی تھی' اس بے عزتی نے اسے غم زدہ کر دیا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ زندگی میں اس سے ایسی کون سی خطا ہو گئی

تھی جس کی سزا اسے مل رہی ہے۔

افتخار نے اپنے چھوٹے بھائی امتیاز سے پتا نہیں' کیا بات کی اور بات کی بھی تو کس انداز میں کی' بہرحال دوسرے روز گھر میں ایک بھونچال سا آ گیا۔ یہ بھونچال خاص طور پر رابعہ کیلئے تھا۔

اس رات افتخار نے بیڈ روم میں پہنچتے ہی بڑے برے انداز میں اسے مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

''میں نے امتیاز سے پوچھ تاچھ کی ہے۔''

وہ جملہ ختم کر کے رابعہ کو گھورنے لگا۔ رابعہ نے کہا۔ ''تم مجھے اس طرح کیوں دیکھ رہے ہو؟''

''پھر کس طرح دیکھوں؟'' وہ اکھڑے ہوئے لہجے میں بولا۔

''بات آرام سے بھی کی جا سکتی ہے۔'' رابعہ نے کہا۔ ''تم تو مجھے غصیلی نظر سے ایسے دیکھ رہے ہو جیسے میں نے کوئی بہت بڑا جرم کر دیا ہو۔''

''تم نے جرم نہیں بلکہ جرائم کیے ہیں۔'' وہ معنی خیز انداز میں بولا۔

رابعہ ٹپٹا گئی۔ ''کیا مطلب ہے تمہارا؟''

''مطلب تم بخوبی سمجھ رہی ہو رابعہ!'' وہ بدستور اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے بولا۔

رابعہ نے کہا۔ ''تمہاری باتیں میری سمجھ سے بالاتر ہیں۔ اگر تم نے واقعی امتیاز سے پوچھ گچھ کی ہے تو مجھے اس بارے میں بتاؤ۔ تم یہ کیا جرم اور جرائم کی فضول باتیں لے کر بیٹھ گئے ہو۔''

''جرائم کی باتیں مجھے امتیاز سے ہی معلوم ہوئی ہیں۔'' افتخار نے ناگواری سے کہا۔ ''رابعہ میں تو تمہیں ایسا نہیں سمجھتا تھا۔ کیا تم اس حد تک بھی گر سکتی ہو؟''

رابعہ کا ذہن کھول کر رہ گیا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اس کا شوہر کس قسم کی باتیں کر رہا تھا۔ وہ جھنجلاہٹ آمیز لہجے میں بولی۔ ''امتیاز نے تمہیں میرے کون سے جرائم سے آگاہ کیا ہے' ذرا مجھے بھی تو بتاؤ؟''

''ضرور بتاؤں گا...... ابھی بتاتا ہوں۔'' وہ ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے بولا۔ ''جب بات کھل ہی گئی ہے تو پھر پردہ کیسا۔ مجھے تو تمہاری بات سن کر پہلے ہی یقین نہیں آیا تھا۔ امتیاز سے میں اس قسم کی اوچھی حرکت کی توقع نہیں کر سکتا تھا۔ امتیاز بالکل ٹھیک کہہ رہا ہے' تم نے اپنے کرتوتوں کی پردہ پوشی کیلئے اس پر جھوٹا الزام لگایا ہے۔''

رابعہ نے محسوس کیا جیسے کسی نے اسے دہکتے ہوئے تنور میں پھینک دیا ہو۔ شوہر کی جانب سے یہ الزام تراشیاں اسے زندہ درگور کر رہی تھیں۔ وہ چیخ سے مشابہ آواز میں گویا ہوئی۔

''افتخار! تمہیں فوراً یہ بتانا ہوگا کہ میں نے اپنے کون سے کرتوتوں کی پردہ پوشی کی ہے؟ امتیاز نے تمہیں میرے کون سے جرائم سے آگاہ کیا ہے؟''

افتخار نہایت سفاکی سے بولا۔ ''رابعہ! امتیاز نے مجھے بتایا ہے کہ سامنے والے گھر کے مالک قیصر سے تمہارا کوئی معاملہ چل رہا ہے۔ امتیاز نے تمہیں اس سے اشارے کنایے کرتے ہوئے کئی مرتبہ دیکھا ہے۔ اس نے تمہیں سمجھانے کی کوشش کی تو تم صاف مکر گئیں۔ اس نے کہا اگر تم نے دوبارہ وہ غلطی کی تو وہ مجھے بتا دے گا۔ تم اپنی حرکت پر شرمندہ ہونے کے بجائے الٹا امتیاز کو برا بھلا کہنے لگی اور دھمکی آمیز لہجے میں تم نے اس سے کہا کہ اگر اس نے اس سلسلے میں مجھ سے کوئی بات کی تو تم اس کو مزہ چکھا دو گی۔'' افتخار نے نفرت آمیز نظر سے بیوی کی طرف دیکھا اور بات جاری رکھتے ہوئے بولا۔ ''تم نے امتیاز کو مزہ چکھانے کیلئے ہی مجھے اپنی مظلومیت اور امتیاز کی زیادتی والی کہانی سنائی ہے نا؟''

رابعہ ان جھوٹے الزامات کی بھرمار سے تڑپ کر رہ گئی۔ اس نے خونخواہ لہجے میں کہا۔ ''امتیاز بکواس کرتا ہے' جھوٹ بولتا ہے۔ اپنی غلیظ حرکت کو چھپانے کیلئے اس نے تمہارے کان بھرے ہیں۔ جی چاہتا ہے' میں اس کا منہ نوچ لوں۔''

''کھسیانی بلی تو کھمبا نوچتی ہے۔'' افتخار نے بدستور سنگ دلی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا۔

''امتیاز کا منہ نوچنے کا خیال تم دل سے نکال دو۔ اس نے حقیقت بیان کر کے کوئی جرم نہیں کیا۔ مجرم تم ہو تم نے مجھ سے بے وفائی کی' اپنے اس جرم کی پردہ پوشی کیلئے تم نے معصوم امتیاز پر دست درازی کا الزام لگایا۔ تمہارے جرائم بہت سنگین ہیں رابعہ۔ مجھے تم سے ایسی حرکت کی توقع نہیں تھی۔''

رابعہ نے سلگتے ہوئے انداز میں کہا۔ ''افتخار! تم ایک شوہر ہونے کے ناتے مجھ سے جس قسم کا سلوک کر رہے ہو' مجھے اس پر افسوس ہو رہا ہے۔ خیر' اگر تم مجھے یک سر جھوٹا اور اپنے ذہنی مریض بھائی کو سچا سمجھتے ہو تو تمہیں اس سلسلے میں تصدیق ضرور کرنا چاہیے۔ تمہاری نظر میں گر کر میں تمہارے ساتھ رہنا پسند نہیں کروں گی۔''

''مجھ پر سامنے والے قیصر سے راہ و رسم کا الزام ہے نا۔'' رابعہ نے شوہر کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے نہایت ہی مضبوط لہجے میں کہا۔ ''تم اس سلسلے میں قیصر سے بات کر سکتے ہو۔''

وہ تمسخرانہ انداز میں بولا۔ ''چور بھی کبھی خود اپنی زبان سے چوری کا اعتراف کرتا ہے؟ کیا تم یہ تسلیم کرتی ہو کہ قیصر سے تمہارا کوئی معاملہ ہے؟ نہیں نا! بالکل اسی طرح وہ بھی مکر جائے گا۔ کوئی فائدہ نہیں کسی تصدیق یا تفتیش میں پڑنے گا۔ خواہ مخواہ جگ ہنسائی ہو گی۔ ابھی تک بات گھر میں ہے' یہ اس چار دیواری کے اندر ہی ختم ہو جائے تو اچھا ہے۔ اگر تم مجھ سے وعدہ کرو کہ آئندہ اس نوعیت کی شکایت کا موقع نہیں دو گی تو میں تمہاری طرف سے اپنا دل صاف کر لوں گا۔'' بات ختم کر کے اس نے سوالیہ نظر سے رابعہ کو دیکھا۔

''اس کا مطلب ہے' تم اپنے بھائی کی بات پر آنکھیں بند کر کے ایمان لا چکے ہو۔'' رابعہ

نے زخمی لہجے میں کہا۔ ''امتیاز کے مقابلے میں تمہاری نظر میں سب جھوٹے ہیں اس لیے تم کسی تصدیق کی ضرورت محسوس نہیں کرتے۔ تم مجھے دروغ گو سمجھتے ہو اور میری پہلی ''بھول'' کو درگزر کر کے مجھ پر احسانِ عظیم کرنا چاہتے ہو۔''

''میں نے احسان والی کوئی بات نہیں کی۔'' افتخار نے کہا۔ ''میں تو اس تلخ معاملے کو ختم کرنا چاہتا ہوں۔''

رابعہ نے دوٹوک الفاظ میں کہا۔ ''افتخار! کان کھول کر میری بات سن لو۔ اگر تم یہ سمجھتے ہو کہ میں قصوروار ہوں تو یہ تمہاری غلط فہمی ہے۔ میں کسی بھی نوعیت کی بے وفائی کی مرتکب نہیں ہوئی بلکہ میں نے تمہاری عزت کی حفاظت کی خاطر ہی امتیاز کا ہاتھ جھٹکا ہے اور تمہیں اس کی نازیبا حرکت کے بارے میں آگاہ کیا ہے۔ اگر میں تمہارے ساتھ رہوں گی تو صرف ایک شرط پر...... اور وہ یہ کہ تم مجھے بے وفا نہیں' باوفا سمجھو گے۔ میں اپنی نظر میں گر کر تمہاری بیوی کے طور پر زندگی نہیں گزار سکتی۔'' رابعہ کے چہرے پر اس وقت بلا کی سنجیدگی تھی۔ وہ بات کو جاری رکھتے ہوئے بولی۔ ''عورت ہر قسم کے سخت حالات اور ناروا سلوک میں تو نبھا کر سکتی ہے مگر وہ اپنے پندار پر حرف برداشت نہیں کر سکتی۔''

رابعہ حق بہ جانب تھی کوئی بھی عورت خصوصاً بیوی اپنے شوہر کی طرف سے اپنے پاکیزہ کردار پر جملہ برداشت نہیں کر سکتی اور اسے کرنا بھی نہیں چاہیے۔ اگر وہ انتہائی بے بس اور لاچار ہو' حالات کی ماری ہو پھر بھی اسے اپنا احتجاج ضرور ریکارڈ کروانا چاہیے۔ کردار اور عزت نفس کی ہمیشہ حفاظت کرنی چاہیے۔

اس رات گھر کی فضا میں خاصی کشیدگی رہی۔ رابعہ کی ساس صدیقہ بیگم اگر دانشمندی کا مظاہرہ کرتی تو اپنے بیٹوں کو سمجھا سکتی تھی مگر اس نے بھی روایتی ساس ہی کا کردار ادا کیا اور امتیاز کے حق میں بڑھ چڑھ کر بولتی رہی۔ نتیجے کے طور پر رابعہ دوسری صبح اپنے میکے چلی آئی۔

رابعہ کی والدہ نے ساری کتھا سنی تو اس کا دل بھر آیا۔ بیٹیوں کا درد ماؤں سے زیادہ اور کوئی نہیں محسوس کر سکتا۔ زیب النسا نے رات کو اختر سے بات کی اور اسے خوب کھری کھری بھی سنا ڈالیں۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ زیب النسا کی مرضی کے خلاف اختر حسین نے اپنے دوست کے بیٹے سے رابعہ کو بیاہ دیا تھا۔

اختر حسین نے کسی اشتعال یا سخت ردعمل کا مظاہرہ نہیں کیا بلکہ سمجھ داری کا ثبوت دیتے ہوئے اس نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔ ''افتخار نے ہماری بیٹی کے ساتھ بہت زیادتی کی ہے۔ میں خود اس سے بات کروں گا۔''

''تم اس سے کیا بات کرو گے۔'' زیب النسا۔ نے ہاتھ نچاتے ہوئے کہا۔ ''تم پر اپنے مرحوم دوست کے بہت احسانات ہیں جبھی تو تم نے میری پھول جیسی بچی کو اپنی دوستی کی بھینٹ چڑھا

دیا۔''

زیب النساء نے احسانات والی بات طنزاً کہی تھی مگر اس میں حقیقت بھی پوشیدہ تھی۔ یہ سچ ہے کہ ٹیکسی کی خریداری کے سلسلے میں قمر علی نے اختر حسین کی بھرپور مالی مدد کی تھی۔ اب وہ ٹیکسی رہی تھی اور نہ ہی قمر علی۔ بس یادیں باقی تھیں' تلخ اور شیریں ہر قسم کی۔

اختر حسین نے بیوی کی کڑوی کسیلی بات کا جواب دیتے ہوئے کہا۔ ''اس میں کسی شک و شبہے کی گنجائش نہیں کہ قمر علی ہر برے وقت میں میرے کام آتا رہا ہے لیکن اس کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ میں اس کے بیٹے افتخار کو من مانی کرنے دوں گا۔ رابعہ اس وقت تک اپنے سسرال نہیں جائے گی جب تک میں افتخار سے بات نہیں کر لیتا۔ میں اپنی بیٹی اور اس کے کردار سے بخوبی واقف ہوں۔ افتخار نے بہت ہی بے وقوفی کی جو امتیاز کے الزام کا یقین کر لیا۔

چند روز تک رابعہ اپنے میکے میں رہی۔ اس کے سسرال والوں سے کسی نے رابطہ نہیں کیا۔ امتیاز کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا' افتخار اور صدیقہ نے بھی رابعہ کی خبر نہ لی۔ اس رویے نے رابعہ کو مزید دل شکستہ کر دیا۔ اسے اپنی بے عزتی اور کم مائیگی کا احساس ہونے لگا۔ اختر حسین نے بھی کسی قسم کا رابطہ نہ کیا۔ یہ اس کی غلطی تھی حالانکہ اسے اسی روز اپنے داماد سے بات کرنی چاہیے تھی جب رابعہ سسرال سے میکے پہنچی تھی۔

''ان لوگوں نے تو رابعہ کی طرف سے اس طرح آنکھیں پھیری ہیں جیسے یہ ان کی کچھ بھی نہ لگتی ہو۔ اب تو میں اپنی بیٹی کو کبھی بھی وہاں نہیں بھیجوں گی۔''

''تمہاری یہ سوچ منفی ہے۔'' اختر حسین نے کہا۔ ''یہ بیٹی کا گھر بسانے والی نہیں بلکہ اجاڑنے والی باتیں ہیں۔''

''پہلے تمہاری وجہ سے میں مجبور ہو گئی تھی۔'' زیب النساء نے کہا۔ ''اب تو میں رابعہ کو اس جہنم کدے میں نہیں جانے دوں گی۔ دیکھو تو' یہ کیسی بے غیرت اور بے مروتی ہے۔ ان لوگوں نے پلٹ کر رابعہ کی خبر ہی نہیں لی۔''

''میں کل تک دیکھتا ہوں۔'' اختر حسین نے کہا۔ ''اگر افتخار یا صدیقہ نے کوئی رابطہ نہ کیا تو میں خود افتخار سے فون پر بات کروں گا۔ تم زیادہ فکر نہ کرو۔ انشاء اللہ سب ٹھیک ہو جائے گا۔''

اگلے ہی روز افتخار کا فون آ گیا۔ محلے کے جس گھر میں ان کے لیے فون آتا تھا افتخار نے وہاں فون کر کے رابعہ کو بلوایا تھا اور بات کرتے ہوئے اس نے رابعہ سے کہا کہ وہ دوسرے روز اسے لینے آئے گا۔ وہ تیار رہے۔ افتخار نے اپنی ساس سے کوئی بات نہیں کی اس لیے زیب النساء سارے گھر میں ناچی ناچی پھرتی رہی۔ رات جب اختر حسین گھر لوٹا تو وہ پھٹ پڑی۔

''تمہارے داماد نے حکم نامہ جاری کیا ہے۔ وہ کل شام میں رابعہ کو لینے آ رہا ہے۔''

''تو اس میں ایسا پریشان ہونے والی کیا بات ہے۔'' اختر حسین نے کہا۔ ''آنے دو افتخار کو۔ اس سے بات کرلیں گے۔ میں بھی کل جلدی آ جاؤں گا۔ تم میری آمد تک اسے جانے مت دینا۔''

زیب النساء تڑخ کر بولی۔ ''میں کون ہوتی ہوں اسے روکنے والی۔ تم جانو اور تمہارا داماد۔ میں اس چکر میں نہیں پڑوں گی۔''

''اچھی بات ہے' یہ چکر میں خود ہی دیکھ لوں گا۔ تم پریشان نہ ہو خواہ مخواہ۔''

''لیکن ایک بات یاد رکھنا اختر حسین۔'' وہ تنبیہی انداز میں بولی۔ ''رابعہ کسی بھی مخدوش صورت حالات میں اس گھر میں نہیں جائے گی۔ افتخار کو اپنی غلطی تسلیم کرنا ہوگی اور آئندہ کیلئے بھی رابعہ کے تحفظ کی ضمانت دینا ہوگی۔ میں اپنی بچی کو ایسے ہی نہیں جانے دوں گی۔''

آئندہ روز شام میں افتخار رابعہ کو لینے آن پہنچا۔ اب رابعہ کو میکے آئے ہوئے کم و بیش دس دن ہو گئے تھے۔ افتخار کے چہرے سے ندامت اور خجالت کا اظہار ہوتا تھا۔ اختر حسین نے لگ بھگ ایک گھنٹے تک اپنے داماد سے میٹنگ کی جس میں افتخار نے اپنے رویے کی معافی چاہی اور یہ مؤقف اختیار کیا کہ وہ سب کچھ غلط فہمی کی بنا پر ہوا تھا اور وعدہ کیا کہ آئندہ ان لوگوں کی جانب سے ایسی کوئی غلطی نہیں ہوگی۔

اختر حسین بنیادی طور پر ایک شریف النفس اور صلح جو آدمی تھا ورنہ اس موقع پر افتخار کو خوب لتاڑا جا سکتا تھا۔ اختر حسین نے بیٹی کے گھر بسنے کے روشن امکانات دیکھے تو داماد کی خطاؤں کو معاف کر دیا اور سنجیدہ لہجے میں بولا۔

''افتخار! تم جانتے ہو' میں نے اپنی بیٹی کا رشتہ قمر علی کی وجہ سے کیا تھا۔ تم اپنے مرحوم باپ کا ہی کچھ خیال کرلو۔ جو کچھ رابعہ کے ساتھ پیش آیا وہ افسوسناک ہے۔''

''میں مانتا ہوں انکل۔'' افتخار نے گردن جھکا کر کہا۔ ''مجھ سے غلطی ہوگئی جو میں نے امتیاز کی بات کو سنجیدگی سے لے لیا۔ آپ بھی جانتے ہیں' وہ ذہنی مریض ہے۔ اس کو کچھ الاؤنس تو ملنا چاہیے۔''

اختر حسین نے کہا۔ ''امتیاز اب بھی اسی گھر میں ہے۔ وہ آئندہ بھی ایسی حرکت کر سکتا ہے۔''

''آپ فکر نہ کریں انکل۔ اب وہ ہمارے کسی معاملے میں مداخلت نہیں کرے گا۔'' افتخار نے تسلی آمیز لہجے میں کہا۔ ''میں نے اسے اچھی طرح سمجھا دیا ہے اور ویسے بھی میں اب تصدیق کیے بغیر کسی بات کا یقین نہیں کروں گا۔'' ایک لمحے کا توقف کر کے وہ اداس لہجے میں بولا۔ ''انکل! آپ کو معلوم ہے' امتیاز میرا اکلوتا بھائی ہے۔ وہ میرا بازو ہے اس کے ساتھ ایک سیریس میڈیکل پرابلم ہے۔ اس بیماری کی بنا پر میں اسے گھر سے تو نہیں نکال سکتا نا۔ یہ تو ایسے ہی ہوگا جیسے میں اپنا بازو کاٹ کر

باہر پھینک دوں۔''

''امتیاز کو گھر سے نکالنے کو کون کہہ رہا ہے۔'' اختر حسین نے گھمبیر لہجے میں کہا۔ ''میں تو صرف یہ چاہتا ہوں' رابعہ کے ساتھ اس گھر میں کوئی زیادتی نہ ہو۔ مجھے پتا چلا ہے' تمہاری والدہ کا رویہ بھی رابعہ کے ساتھ ٹھیک نہیں۔ ذرا صدیقہ بیگم کو بھی سمجھاؤ۔''

افتخار نے کہا۔ ''ساس اور بہو کی چپقلش تو ازلی ہے اور ابد تک جاری رہے گی۔ میں نے تو آج تک ایسی کوئی بہو نہیں دیکھی جو ساس سے خوش ہو اور نہ ہی ایسی کوئی ساس میری نظر سے گزری جو بہو کی طرف سے مطمئن ہو۔ یہ بات آپ مجھ سے زیادہ اچھی طرح جانتے ہیں۔''

''تم ٹھیک کہتے ہو۔'' اختر حسین نے تائیدی انداز میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔ ''تم اس گھر کے بڑے ہو۔ تمہیں ان دو ہستیوں کے درمیان توازن کا خیال رکھنا چاہیے۔ میں یہ نہیں کہتا کہ رابعہ کی خوشی کے لیے صدیقہ بیگم سے زیادتی کرو اور نہ ہی میں چاہتا ہوں کہ تم اپنی ماں کو مطمئن کرنے کے لیے رابعہ کے ساتھ ناانصافی کرو۔ میں نے توازن کی بات کی ہے نا بس تم اپنے فرائض نبھاتے ہوئے توازن قائم رکھو۔''

''میں اپنی پوری کوشش کروں گا انکل۔'' افتخار نے فرماں برداری سے کہا۔ ''انشاء اللہ آئند آپ کو شکایت کا موقع نہیں ملے گا۔''

الغرض' اس شام افتخار رابعہ کو اپنے ساتھ پاپوش نگر سے گلشن اقبال لے گیا۔ داماد اور سسر کے درمیان ہونے والی اس میٹنگ میں زیب النساء اور رابعہ نے حصہ نہیں لیا تھا تاہم اختر نے اپنی بیوی ک یقین دلا دیا کہ سب ٹھیک ہوگیا ہے اور کوئی فکر کی بات نہیں۔

رابعہ افتخار کے ساتھ گھر پہنچی تو وہاں کی فضا میں کافی تبدیلی محسوس کی۔ صدیقہ بیگم اور امتیاز ک رویہ پرتکلف اور احتیاط آمیز رہا تاہم افتخار کے رویے میں خوشگوار تبدیلی رونما ہو چکی تھی۔ ان کی شاد کو کم و بیش اڑھائی سال کا عرصہ گزر چکا تھا۔ اس دوران میں افتخار نے ہمیشہ اکتاہٹ آمیز اور بیزا کن طرز عمل کا مظاہرہ کیا تھا مگر اب وہ ایک نارمل اور خیال رکھنے والے شوہر جیسا سلوک کر رہا تھا اس سے رابعہ خاصی مطمئن اور خوش ہوگئی۔

اس گھر میں افتخار' امتیاز اور صدیقہ بیگم کے علاوہ ایک کل وقتی ملازمہ نوری بھی رہتی تھی جو ہف میں صرف ایک دن چھٹی کرتی تھی۔ چھٹی کیلئے جمعے کا دن مخصوص تھا۔ نوری جمعرات کی رات کو کام خ کر کے اپنے گھر چلی جاتی پھر وہ ہفتے کی صبح ہی ڈیوٹی پر واپس آتی تھی۔ وہ نزدیک ہی واقع ایک چ آبادی میں رہتی تھی۔

رابعہ کے اچھے دن جس طرح اچانک شروع ہوئے تھے اسی طرح یکا یک ختم بھی ہو گئے اسے اپنی سسرال میں دوبارہ آئے ہوئے چھ ماہ گزرے تھے کہ ایک صبح امتیاز اپنی خواب گاہ میں م

پایا گیا۔ امتیاز کے کمرے میں اس کی لاش کا ملنا رابعہ کیلئے خطرناک نہیں تھا مگر امتیاز کی لاش کے قریب سے جو تحریر ملی اس نے رابعہ کی خوشیوں کا محل چکنا چور کر دیا۔ امتیاز کی اس شکستہ تحریر کے مطابق رابعہ نے اسے دودھ میں زہر ملا کر پلا دیا تھا۔ وہ اطلاعی تحریر اس نے موت کے منہ میں جانے سے پہلے جیسے تیسے رقم کی تھی۔ کاغذ کے اس پرزے نے رابعہ کے سامنے مشکلات کا پہاڑ کھڑا کر دیا۔ افتخار اور صدیقہ بیگم کا رویہ اچانک دشمنانہ ہو گیا اور افتخار نے اس معاملے میں پولیس کو ملوث کر لیا۔

پولیس کیلئے یہ ایک سیدھا سادہ قتل کا کیس تھا۔ رابعہ کو فوراً زیرِ حراست لے لیا گیا۔ کوئی بھی شخص اپنی موت سے قبل جو بیان دیتا ہے یا کوئی تحریر چھوڑتا ہے اس کی بہت اہمیت ہوتی ہے لہٰذا امتیاز کی اس تحریر کی بنا پر اس کی لاش پوسٹ مارٹم کیلئے متعلقہ ہسپتال بھجوا دی گئی۔

پوسٹ مارٹم کی رپورٹ اور کیمیکل ایگزامینر کے تجزیے نے یہ بات ثابت کر دی کہ امتیاز کی موت زہرخورانی سے واقع ہوئی تھی۔ اس رپورٹ میں زہر کی تفصیل بھی درج تھی۔

پولیس نے کیس تیار کر کے رابعہ کو عدالت میں پیش کر دیا اور وہ گزشتہ چھ ماہ سے جوڈیشل ریمانڈ پر جیل میں تھی۔ اختر حسین نے اپنی بیٹی کی بریت کیلئے جو وکیل مقرر کیا تھا اس کی کارکردگی صفر سے آگے نہیں بڑھ سکی تھی اور اب وہ میرے سامنے بیٹھا تھا۔

میں نے مندرجہ بالا جو حالات و واقعات پیش کیے ہیں ان کے علاوہ بھی اختر حسین نے مجھے چند اہم باتیں بتائیں جن کا ذکر سر دست مناسب نہیں۔ موزوں وقت پر عدالتی کارروائی کے دوران میں میں ان نکات کو آپ کے سامنے لاؤں گا۔

میں نے ممکنہ حد تک اپنی فیس میں رعایت کر کے وہ کیس پکڑ لیا۔ آئندہ روز میں نے جیل میں جا کر رابعہ سے ایک مختصر سی ملاقات کر لی۔ وہ ملاقات اگرچہ خاصی طویل نہیں تھی تاہم ہمارے درمیان بہت اہم باتیں ہوئیں۔ میں نے اسی دوران میں رابعہ سے وکالت نامے پر دستخط بھی کروا لیے۔

رابعہ کوئی بہت زیادہ حسین و جمیل عورت نہیں تھی۔ اسے قبول صورت کہا جا سکتا ہے۔ اس کی عمر اس وقت تیس کے قریب تھی۔ اس نے گریجویشن کر رکھا تھا اور بات چیت سے نہایت ہی سمجھ دار اور بردبار لگتی تھی۔ افتخار کے بارے میں اس نے چند اہم باتوں سے آگاہ کیا۔ میں اس کے پاس سے خاصا مطمئن ہو کر آیا تھا۔

آئندہ پیشی پندرہ روز بعد تھی اس لیے میرے پاس ہوم ورک کیلئے کافی وقت تھا۔ اختر حسین کی زبانی مجھے یہ تو معلوم ہو چکا تھا کہ ابھی تک باقاعدہ عدالتی کارروائی کا آغاز نہیں ہوا تھا۔ بس ابتدائی ایک دو پیشیوں کے بعد کیس لٹک کر رہ گیا تھا اور اس کی بنیادی وجہ وکیل صفائی کی سستی تھی۔ گزشتہ پیشی پر عدالت نے رابعہ پر فردِ جرم عائد کر دی تھی اور رابعہ نے صحت جرم سے انکار کرتے

ہوئے واضح الفاظ میں معزز عدالت کو بتایا تھا کہ امتیاز کی موت میں اس کا کوئی ہاتھ نہیں۔ اسے کسی گہری سازش کے تحت اس جرم میں ملوث کیا جا رہا ہے۔

اس پیشی پر وکیل صفائی نے ملزم کی درخواست ضمانت بھی دائر کی تھی لیکن اس کی بودی اور غیر مدلل پیروی کے سبب جج نے ضمانت کی درخواست کو مسترد کرتے ہوئے وکیل استغاثہ کو ہدایت کی تھی کہ آئندہ پیشی پر وہ اپنے گواہوں کو عدالت میں پیش کرے۔

اس کے بعد وکیل صفائی کے ''رویئے'' نے آئندہ پیشی کی نوبت ہی نہیں آنے دی اور معاملہ مزید آئندہ پر ٹلتا رہا۔ مجھے اس کیس کو اسٹڈی کرنے کیلئے اچھا خاصا وقت مل گیا تھا۔ مجھے امید تھی کہ آئندہ پیشی سے پہلے میں بھرپور تیاری کر لوں گا۔

عدالتی کارروائی کا احوال بیان کرنے سے قبل پوسٹ مارٹم کی رپورٹ اور پولیس کے موقف یعنی استغاثہ کی رپورٹ کے بارے میں بتانا ضروری سمجھتا ہوں۔

جیسا کہ میں پہلے ہی بتا چکا ہوں کیمیکل ایگزامینر کے تفصیلی تجزیے کے مطابق امتیاز کی موت زہرخورانی سے واقع ہوئی تھی۔ پوسٹ مارٹم کی رپورٹ میں مقتول کی موت کا وقت بارہ سے دو بجے کے درمیان بتایا گیا تھا۔ یہ جمعہ اور ہفتہ کی درمیانی شب تھی۔

استغاثہ نے میری موکل رابعہ کو ملزم ٹھہرانے کیلئے نہایت ہی افسوسناک موقف اختیار کیا تھا۔ پولیس کی رپورٹ کے مطابق رابعہ اور مقتول امتیاز کے درمیان خاصی کشیدگی پائی جاتی تھی اور اس کشیدگی کی وجہ یہ تھی کہ مقتول نے رابعہ کی کچھ غیر نصابی سرگرمیاں نوٹ کی تھیں۔ ان سرگرمیوں سے استغاثہ کی مراد رابعہ اور قیصر کے تعلقات تھے۔ ان تعلقات کے حوالے سے استغاثہ میں شمولیت سے یہ بات ظاہر ہوتی تھی کہ افتخار پوری طرح اپنی بیوی کی دشمنی پر اتر آیا تھا ورنہ وہ معاملہ تو رفع دفع ہو چکا تھا۔ استغاثہ نے بیان کیا تھا کہ جب ملزمہ کی ''حرکتیں'' مقتول کے علم میں آئیں تو اس نے ملزمہ کو سمجھانے کی کوشش کی جس پر ملزمہ چراغ پا ہو گئی اور اس نے جواباً مقتول پر الزام لگا دیا کہ اس نے اس سے دست درازی کی تھی۔ مقتول کا بھائی اور رابعہ کا شوہر اپنے چھوٹے بھائی یعنی مقتول کے کردار سے بخوبی آگاہ تھا اس لیے اس نے ملزمہ کے عائد کردہ الزام پر یقین نہیں کیا اور ملزمہ ہی کو ڈانٹ ڈپٹ کی۔ اس ہنگامہ خیز واقعہ کے بعد ملزمہ روٹھ کر اپنے میکے چلی گئی۔

استغاثہ کی تیاری میں پولیس نے نہایت ہی چالاکی اور عیاری سے کام لیتے ہوئے بتایا تھا کہ افتخار اپنی روٹھی ہوئی بیوی کو منانے نہیں گیا بلکہ اس کے سسر اختر حسین نے اس سے درخواست کی تھی کہ وہ اپنی بیوی کو آ کر لے جائے۔ اس موقع پر ملزمہ نے اپنے سابق رویے پر بہت ندامت اور شرم ساری کا مظاہرہ کرتے ہوئے آئندہ اپنا چال چلن درست رکھنے کی یقین دہانی کرائی تھی جب کہ اختر حسین نے مجھے اس سے بالکل متضاد واقعات بتائے تھے۔ استغاثہ کا انداز مبنی بر دروغ تھا جس

سے واضح تھا کہ افتخار رابعہ کو اپنے بھائی کا قاتل ثابت کرنے کیلئے انتہائی گھٹیا اور پست سطح پر اتر آیا تھا۔

رابعہ کی اپنی سسرال میں واپسی کو بھی استغاثہ نے غلط رنگ میں پیش کیا۔ اس کے مطابق ملزمہ ایک سوچی سمجھی سازش کے تحت واپس آئی تھی اور وہ سازش تھی مقتول سے انتقام لینا۔ اس نے پانچ چھ ماہ میں اپنی ساس اور دیور سے خوشگوار تعلقات استوار کر لیے تاکہ اسے اپنے سوچے سمجھے منصوبے پر عمل کرنے میں کامیابی ہو۔ وہ دونوں اس پر اعتبار کرنے لگے۔ مقتول اور اس کا بھائی افتخار رات کو سونے سے پہلے دودھ پینے کے عادی تھے۔ مقتول کی اس عادت نے رابعہ کا کام آسان کر دیا۔ اس نے مقتول والے دودھ کو زہر آلود بنا دیا۔ کچن کا انتظام و انصرام چوں کہ رابعہ کے ہاتھ میں تھا اس لیے اس کام میں اسے کسی قسم کی دشواری کا سامنا نہیں کرنا پڑا۔

مقتول کی آخری کوشش کو استغاثہ نے اپنی رپورٹ میں بہت سراہا تھا کہ اس نے موت سے لڑنے کے دوران میں دودھ کے زہر آلود ہونے کے بارے میں چند لفظی تحریر چھوڑی تھی ورنہ اس عظیم سانحے کو طبعی موت سمجھ کر صبر کر لیا جاتا۔ اگر مقتول تحریری کوشش سے ملزمہ کی سازش کو بے نقاب نہ کرتا تو وہ بہ خوبی اپنے مقصد میں کامیابی حاصل کر لیتی۔

پولیس نے ملزم کے شوہر کی اطلاع پر جائے واردات پر پہنچنے میں کسی تاخیر کا مظاہرہ نہیں کیا۔ لاش کو اپنے قبضے میں کرنے کے بعد انہوں نے پورے گھر کا معائنہ کیا۔ کچن کی تلاشی بڑی شدومد سے لی گئی اور وہیں ایک کیبنٹ میں سے انہیں زہریلی دوا کی خالی شیشی مل گئی۔ اس شیشی پر بڑے واضح حروف میں سرخ روشنائی سے "پائزن" پرنٹ تھا۔ شیشی کی خالی پائے جانے کا مطلب یہی تھا کہ اس میں موجود تمام دوا استعمال کر لی گئی ہے۔ وہ مرگی کے مرض میں استعمال کرائی جانے والی ایک دوا "فینو باربی ٹون" والی شیشی تھی جس میں لگ بھگ سو گولیاں ہوتی ہیں۔ مرگی کے علاوہ دیگر دماغی ڈس آرڈرز میں بھی بعض اوقات یہ دوا تجویز کی جاتی ہے۔ کچن کیبنٹ سے ملنے والی اس خالی شیشی پر جا بہ جا ملزمہ کی انگلیوں کے نشانات پائے گئے تھے۔

یہ تھے وہ حالات جن کی مار نے میری موکل اور اس کے مقدمے کی ملزمہ رابعہ کو جیل کی سلاخوں کے پیچھے پہنچا دیا تھا۔ آئندہ پیشی سے پہلے میں نے کچھ بھاگ دوڑ بھی کی جس کے مثبت نتائج نے مجھے مطمئن کر دیا تھا۔

☆......☆......☆

جج کرسی انصاف پر براجمان ہو چکا تو کارروائی کا آغاز ہوا۔

میں نے اپنے وکالت نامے کے ساتھ ہی ملزم کی درخواست ضمانت بھی دائر کر دی۔ اس سلسلے کی ضروری کارروائی میں تھوڑی دیر پہلے ہی مکمل کر چکا تھا۔ پیش کار سے میری یاد اللہ تھی اس لیے

اس نے ہمارے کیس کا نمبر ابتداء ہی میں لگا دیا تھا۔

جج نے پہلے میرے وکالت نامے کو اور پھر مجھے سوالیہ نظروں سے دیکھا اور بات کی تہ تک پہنچتے ہوئے زیر لب مسکرا کر بولا۔ "اس کا مطلب ہے، وکیل صفائی تبدیل ہو گیا ہے۔"

میں نے اپنی موکل کی درخواست ضمانت کی جانب جج کی توجہ دلاتے ہوئے بولنا شروع کیا۔ وہ پورے انہماک سے میری بات سنتا رہا مگر مجھے اپنے مقصد میں کامیابی نہ ہو سکی۔ میں اس بات کی توقع بھی کر رہا تھا کیوں کہ قتل کے ملزم کی ضمانت بہت مشکل ہوتی ہے۔ میری موکل کے فنگر پرنٹس جس شیشی پر پائے گئے تھے اس کی دوا مقتول کی موت کا سبب بنی تھی پھر مدعی ملزم کا شوہر تھا اس لیے بھی وہ بآسانی ضمانت پر رہا نہیں ہو سکتی تھی۔

اس کے بعد جج کی ہدایت پر استغاثہ کے گواہوں کے بیانات کی باری آئی۔ استغاثہ کی جانب سے کل چھ گواہوں کی فہرست دائر کی گئی تھی۔ میں یہاں پر صرف اہم گواہوں کے بیانات اور ان پر ہونے والی جرح کا احوال بیان کروں گا۔

سب سے پہلے مقتول کی والدہ صدیقہ بیگم کا بیان ہوا۔ اس نے سچ بولنے کا حلف اٹھانے کے بعد اپنا آتش بار بیان ریکارڈ کرایا۔ صدیقہ بیگم کی عمر لگ بھگ ساٹھ سال رہی ہو گی۔ وہ ایک پستہ قامت فربہ اندام عورت تھی۔ اس کے چہرے کے تاثرات سے خرانٹ پن جھلکتا تھا۔ وہ ایک روایتی ساس کا ماڈل دکھائی دیتی تھی۔ اس وقت وہ نہایت ہی سنجیدہ نظر آنے کی کوشش میں تھی۔

وکیل استغاثہ جرح کیلئے گواہ کے کٹہرے کے نزدیک آ گیا۔ اس نے کھنکار کر گلا صاف کیا اور ملزم کے کٹہرے میں کھڑی میری موکل کی جانب اشارہ کرتے ہوئے نیم طنزیہ انداز میں مستفسر ہوا۔

"اس کو تو آپ اچھی طرح جانتی ہوں گی؟"

صدیقہ بیگم نے نفرت بھری ایک نگاہ میری موکل پر ڈالی اور پھنکار سے مشابہ آواز میں بولی۔ "میں اس ڈائن کو نہ صرف پہچانتی ہوں بلکہ اچھی طرح جان بھی گئی ہوں۔ یہ میرے معصوم بیٹے کی قاتل ہے۔"

وکیل استغاثہ نے کہا۔ "صدیقہ صاحبہ! آپ کے لہجے کی ترشی سے لگتا ہے، ملزمہ سے آپ کے تعلقات ٹھیک نہیں تھے؟"

وہ اثبات میں سر ہلاتے ہوئے بولی۔ "میں تو اس شادی کے حق میں ہی نہیں تھی۔ وہ تو مرحوم قمر علی کی ضد سے شادی ہو گئی۔ رابعہ کو تو ہمارا احسان مند ہونا چاہیے تھا مگر یہ کیا جانے احسان کی قدر و قیمت۔ یہ تو اول روز ہی سے مجھ سے کھٹ پٹ رکھے ہوئے تھی۔ نوک جھوک اور تلخ کلامی ہر گھر میں ہوتی ہے۔ میں اپنی حد تک تو برداشت کر رہی تھی لیکن اس نامراد نے تو اپنے شوہر افتخار کے ساتھ بھی

اچھا سلوک نہیں کیا۔ افتخار اس تمام عرصے میں اس سے نالاں اور بیزار ہی رہا۔'' وہ ایک لمحے کو سانس درست کرنے کیلئے رکی پھر نہایت ہی کسیلے لہجے میں بولی۔'' گھر کے افراد سے اس چڑیل کا رویہ جیسا بھی تھا لیکن یہ میرے بیٹے کی جان لے لے گی اس کا تو میں نے کبھی تصور ہی نہیں کیا تھا۔ اس مردود کو سخت سے سخت سزا ملنا چاہیے۔''

گواہ کا طویل بیان ختم ہوا تو وکیل استغاثہ نے کریدنے والے انداز میں پوچھا۔'' صدیقہ صاحبہ! کیا یہ سچ ہے کہ وقوعہ سے کم وبیش چھ ماہ پہلے ملزم اپنے شوہر سے لڑ جھگڑ کر میکے چلی گئی تھی؟''

''ہاں' یہ بات بالکل درست ہے۔''

''اس لڑائی جھگڑے کی وجوہات کیا تھیں؟'' وکیل استغاثہ نے سوال کیا۔

میں وکیل استغاثہ کے مقصد کو سمجھ گیا۔ وہ اس پس منظر کو عیاں کرنا چاہتا تھا جس کی بنا پر میری موکل کو مقتول کی دشمن ثابت کیا جا سکتا تھا۔ یہ تمام تفصیل استغاثہ میں درج تھی لیکن وکیل استغاثہ ان باتوں کو ڈرامائی انداز میں دہرا کر پرتاثر بنانے کی مہم میں لگا ہوا تھا۔ میں خاموشی سے اس کی کارروائی دیکھتا رہا۔

گواہ صدیقہ بیگم نے وکیل استغاثہ کے سوال کا جواب دیتے ہوئے کہا۔'' دامن کو اوپر اٹھائیں گے تو اپنا ہی پیٹ برہنہ ہوتا ہے لیکن مجبوری ہے۔ شرع اور قانون میں شرم کو ملحوظ نہیں رکھا جا سکتا۔ جب یہ معاملہ عدالت میں زیر بحث آ ہی چکا ہے تو میں بھی اپنی زبان بندھ رکھ کر حقائق کو چھپا کر کیا کروں گی۔ دنیا ہنسائی اور جگ رسوائی تو ہو چکی۔ اب باقی کیا بچا ہے۔ میرا جوان جہان بیٹا موت کے منہ میں چلا گیا.....'' وہ جذبات کی رو میں بولتی چلی گئی۔

وکیل استغاثہ نے اسے روکنے یا ٹوکنے کی کوشش نہیں کی تھی تاہم اس موقع پر جج نے مداخلت ضروری سمجھی اور گواہ سے مخاطب ہوتے ہوئے کہا۔'' خاتون! آپ نے وکیل استغاثہ کے سوال کا جواب نہیں دیا۔''

صدیقہ نے اپنی زبان کو بریک لگاتے ہوئے وکیل استغاثہ کی جانب دیکھا۔ اس نے پوچھا۔'' ملزمہ اور اس کے شوہر افتخار کے مابین کس بات پر جھگڑا ہوا تھا جس کے نتیجے میں ملزمہ اپنے میکے جا بیٹھی تھی؟''

''میں اسی طرف تو آ رہی تھی۔'' وہ اثبات میں سر ہلاتے ہوئے بولی۔'' دراصل ملزمہ نے میرے بیٹے امتیاز پر دست درازی کا الزام لگایا تھا۔ افتخار نے اس کی بات کا یقین نہیں کیا اور ان دونوں کے درمیان جھگڑا بڑھتا گیا۔''

''کیا آپ یہ کہنا چاہتی ہیں کہ ملزمہ نے اس سلسلے میں سراسر جھوٹ کا سہارا لیا تھا۔'' وکیل استغاثہ نے کہا۔'' آپ کے خیال میں مقتول نے ملزمہ سے دست درازی نہیں کی تھی؟''

''امتیاز اس قسم کا بچہ نہیں تھا۔'' وہ گلوگیر آواز میں بولی۔'' میں اس کی ماں ہوں اس کی رگ رگ سے واقف ہوں۔ بڑی بھابی ماں کی جگہ ہوتی ہے۔ وہ ملزمہ سے دست درازی کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔ اس نے تو ہمیشہ ملزمہ کا احترام کیا تھا۔''

وکیل استغاثہ نے کرید جاری رکھی اور کہا۔'' آپ کا موقف یہ ہے کہ مقتول ہاتھ دھو کر اس کے پیچھے پڑ گیا تھا۔ آخر ملزمہ کی مقتول سے ایسی کیا دشمنی تھی کہ اس نے اس نازیبا راستے کا انتخاب کیا؟''

''ہائے دشمنی!'' صدیقہ بیگم نے اپنے سینے پر ہاتھ مارتے ہوئے کہا میرے بچے نے اس کلموہی کے کچھ کرتوت دیکھ لیے تھے۔ جب امتیاز نے اس سلسلے میں اسے سمجھانے کی کوشش کی تو وہ الٹا اس کے خلاف ہو گئی۔ اپنے گناہ کی پردہ پوشی کے لیے اس نے امتیاز پر دست درازی کا الزام لگا دیا۔''

وکیل استغاثہ نے پوچھا۔'' صدیقہ صاحبہ! آپ نے ملزمہ کے کرتوت اور گناہ کا ذکر کیا ہے۔ معزز عدالت کو اس بارے میں کچھ بتائیں گی؟''

وہ ایک طویل سانس خارج کرتے ہوئے بولی۔'' میں نے دامن اور پیٹ والی مثال اسی سلسلے میں دی تھی۔ مگر مجبوری ہے وکیل صاحب! آپ کے سوال کا بھی جواب دینا ہی پڑے گا۔'' وہ چند لمحے خاموش رہ کر گویا ہوئی۔'' درحقیقت اس بدذات نے میرے بیٹے اور اپنے شوہر کی عزت کا پاس نہیں کیا۔ ہمارے سامنے والے گھر میں رہنے والے ایک شخص قیصر سے اس نے تعلقات پیدا کر لیے تھے اور اس کی یہ ''حرکت'' امتیاز کی نظر میں آ گئی تھی۔ بس اتنی سی بات ہے۔''

وکیل استغاثہ نے فاتحانہ انداز میں میری جانب دیکھا اور جرح کے سلسلے کو آگے بڑھاتے ہوئے گواہ سے سوال کیا۔'' صدیقہ صاحبہ! وقوعہ سے چھ ماہ پہلے ملزمہ روٹھ کر اپنے میکے چلی گئی تھی مگر اس کی واپسی کیوں کر ہوئی؟''

''ہمارا تو اسے واپس لانے کا کوئی ارادہ نہیں تھا۔'' وہ برا سا منہ بناتے ہوئے بولی۔'' مگر اس کے باپ کی التجاؤں نے افتخار کے پاؤں پکڑ لیے اور وہ اس گناہ کی پوٹ کو اٹھا لایا۔ کاش افتخار نے یہ غلطی نہ کی ہوتی۔''

وکیل استغاثہ نے کہا۔'' آپ کا مطلب ہے' ملزمہ کی واپسی میں اس کے باپ اختر حسین کی منت سماجت کا دخل ہے؟''

''بالکل یہی بات ہے۔'' وہ گردن اٹھا کر اپنے قد میں معمولی سا اضافہ کرتے ہوئے بولی۔'' اختر کے صبح شام فون آنے لگے تھے۔ تنگ آ کر افتخار ان کے گھر چلا گیا۔ پتا نہیں' اختر نے میرے بیٹے کو کیا رام کہانی سنائی کہ وہ اس کی باتوں میں آ گیا تاہم افتخار نے رابعہ سے یہ وعدہ لے لیا کہ

آئندہ اس قسم کی شکایت نہیں ملنا چاہیے۔''
وکیل استغاثہ نے پوچھا۔''کیا ملزمہ نے بعد میں اپنے وعدے کا پاس کیا تھا؟''
صدیقہ بیگم نے تامل کرتے ہوئے جواب دیا۔''اس کے رویے کو دیکھ کر ہم یہی سمجھے تھے کہ وہ راہ راست پر آ گئی ہے۔ وہ ہم سب سے گھل مل کر رہنے کی کوشش کرتی تھی۔ ہمیں نہیں معلوم تھا کہ اس کے شاطر دماغ میں ایک خطرناک منصوبہ پروان چڑھ رہا ہے۔ وہ ہمیں اعتماد میں لے کر مناسب موقع کا انتظار کر رہی تھی پھر اس نے کاری وار کیا۔ میرے بیٹے کے گلاس والے دودھ میں وہ زہریلی گولیاں ملا دیں۔ ہائے میرا بچہ! اس منحوس نے میرے لخت جگر کی جان لے لی۔''
بات ختم کر کے صدیقہ بیگم نے کھا جانے والی نظروں سے ملزمہ کو دیکھا۔ میری موکل اس کی نگاہ کی تپش کو سہنے کے لیے مجبور تھی۔ عدالتی کارروائی کے دوران ملزم کو بہت کچھ دیکھنا' سننا اور برداشت کرنا پڑتا تھا مگر خاموش رہتے ہوئے اس وقت رابعہ کا باپ اختر حسین بھی عدالت میں موجود تھا اور پوری توجہ سے کارروائی کا جائزہ لے رہا تھا۔
وکیل استغاثہ نے گواہ سے پوچھا۔''صدیقہ صاحبہ! جس دوا کی بھاری مقدار سے آپ کے بیٹے کی موت واقع ہوئی' ہے وہ دوا آپ کے خیال میں ملزمہ نے کہاں سے حاصل کی تھی؟''
''وہ دوا حاصل کرنے کیلئے اس بدبخت کو کہیں جانے کی ضرورت نہیں تھی۔'' صدیقہ نے کٹہرے میں خاموش کھڑی رابعہ کی جانب اشارہ کیا۔''کچھ عرصہ پہلے امتیاز کے علاج میں یہ دوا شامل رہی تھی اس نے امتیاز کے کمرے سے وہ شیشی چرا لی ہوگی۔ وہ بے چارہ تو اس دوا کی مخصوص مقدار کھایا کرتا تھا اس قاتل نے پوری شیشی ہی دودھ میں گھول کر میرے بچے کو پلا دی۔ خدا غارت کرے اس منحوس کو۔''
وکیل استغاثہ نے مزید دو چار غیر اہم سوالات کر کے جرح ختم کر دی۔
اس کے بعد جج سے اجازت لے کر میں گواہ صدیقہ بیگم کے کٹہرے کے پاس آ کر کھڑا ہو گیا۔ میں چند لمحے خاموش نظر سے اسے تکتا رہا۔ وہ میری گھورتی ہوئی نظر کی تاب نہ لا کر بے چین ہو گئی۔ میں نے واضح طور پر محسوس کیا کہ اسے زیادہ دیر کھڑے رہنے میں دشواری پیش آ رہی تھی۔ میری معلومات کے مطابق وہ جوڑوں کے درد یعنی گٹھیا کی مریض تھی۔
میں نے جرح کا آغاز کرتے ہوئے گواہ سے سوال کیا۔''صدیقہ صاحبہ! آپ نے وکیل استغاثہ کے سوال کے جواب میں بتایا ہے کہ ملزمہ کی آپ سے نوک جھوک محض اس وجہ سے تھی کہ آپ اس رشتے کیلئے تیار نہیں تھیں۔ آپ کے مرحوم شوہر قمر علی کی ضد پر یہ شادی ہوئی تھی۔''
''ہاں' میں نے یہی بتایا ہے۔'' وہ میرے سوال پر غور کیے بغیر بولی۔
میں نے کہا۔''اس سے تو یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اس بہو کے درمیان پیدا ہونے والی کشیدگی کی

اصل ذمے دار ساس تھی...... یعنی کہ آپ۔''
''یہ آپ کس طرح کہہ رہے ہیں؟'' وہ حیرت بھرے لہجے میں بولی۔
''یہ میں اس بنا پر کہہ رہا ہوں۔'' میں نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔''کہ میری موکل کی آپ کے بیٹے سے شادی آپ کی مرضی کے خلاف ہوئی تھی چنانچہ یہ ایک فطری ردعمل تھا کہ آپ اپنی بہو کو ناپسندیدہ نظر سے دیکھتی ہوں گی۔ اس کے جوابی ردعمل سے آپ لوگوں کے درمیان تلخیاں پیدا ہوتی گئیں۔ کیا میں غلط کہہ رہا ہوں۔''
''آپ بالکل غلط کہہ رہے ہیں۔'' وہ بے مروتی سے بولی۔''سارا قصور رابعہ کا ہے۔ اسی کے رویوں نے میرا دل کھٹا کر دیا تھا۔ میں نے تو مرحوم قمر علی کے فیصلے پر اپنی ناپسندیدگی کو پس پشت ڈال کر سمجھوتے کی راہ اپنائی تھی اور رابعہ کو ہمیشہ اپنی بیٹی ہی سمجھا لیکن یہ مجھے ماں کا درجہ تو کیا دیتی اس نے تو مجھے اپنی خالہ یا ساس بھی نہیں سمجھا۔ اس نے اگر مجھے کچھ سمجھا تو صرف دشمن ہی سمجھا۔''
''کیا آپ میری موکل کی دشمنی کی کوئی مثال پیش کر سکتی ہیں؟'' میں نے پوچھا۔
''اس سے بڑی مثال اور کیا ہوگی کہ اس بے غیرت نے میرے بچے کو زہریلی دوا پلا کر اس کی جان لے لی۔'' وہ کوسنے والے انداز میں بولی۔
میں نے کہا۔''میں نے ملزمہ کی آپ سے، دشمنی کے بارے میں پوچھا ہے؟''
''ہاں' اس نے مجھ سے بھی بڑی دشمنی کی ہے۔'' وہ پرزور انداز میں سر ہلاتے ہوئے بولی۔
''یہ آپ میرے جوڑوں کا درد دیکھ رہے ہیں نا۔'' اس نے جھک کر اپنے گھٹنوں کو چھوتے ہوئے کہا۔
''میں نے کہا۔''کسی بھی قسم کا درد نظر آنے والی شے تو نہیں ہوتا۔''
اس موقع پر وکیل استغاثہ نے اپنے گواہ کی مدد کی۔''گواہ دراصل اپنے جوڑوں کے درد کے بارے میں بتانا چاہ رہی ہے اس لیے اپنے گھٹنے کی جانب اشارہ کر رہی ہیں۔''
''اچھا اچھا یہ بات ہے۔'' میں نے مصنوعی سنجیدگی سے وکیل استغاثہ کو دیکھا۔''میں سمجھا شاید کوئی ایسا درد دریافت ہو گیا ہے جو نظر بھی آ سکتا ہے۔''
وکیل استغاثہ میرے اس انداز پر گھور کر رہ گیا۔ میں دوبارہ صدیقہ بیگم کی طرف متوجہ ہو گیا۔
اس نے بتایا''اٹھتے بیٹھتے میرے جوڑوں سے درد کی جو ٹیسیں اٹھتی ہیں یہ سب کچھ رابعہ ہی کا کیا دھرا ہے۔ کیا اس کا یہ عمل دشمنی میں شمار نہیں ہوتا۔''
میں نے حیرت سے گواہ کو دیکھا اور کہا۔''آپ تو میری معلومات کے مطابق گٹھیا کی مریض ہیں۔ جوڑوں کے اس درد سے میری موکل کا کیا تعلق؟''
''پہلے میں بھی یہی سمجھتی تھی وکیل صاحب!'' وہ معنی خیز انداز میں بولی۔''میرا بھی یہی خیال تھا کہ مجھے گٹھیا ہو گیا ہے لیکن ایسی کوئی بات نہیں۔ یہ سب رابعہ کا چلایا ہوا چکر ہے۔ اس مرض کی

ابتداء اسی وقت ہوئی تھی جب رابعہ بیاہ کر ہمارے گھر آئی تھی۔''

''رابعہ نے ایسا کیا کر دیا تھا؟'' میں نے الجھن زدہ لہجے میں پوچھا۔

وہ بولی۔ ''اس سازشی لڑکی نے مجھے بھی دودھ میں کچھ گھول کر پلا دیا ہوگا۔''

''پلا دیا ہوگا۔'' میں نے کہا۔ ''یعنی یہ آپ کا مفروضہ ہے؟''

''مفروضہ نہیں' اس نے مجھے یقیناً کوئی خطرناک شے پلائی ہے۔'' وہ قطعیت سے بولی۔

میں نے پوچھا۔ ''مثلاً کیا شے؟''

''میرا خیال ہے' اس نے مجھے پارا کھلایا ہے۔ پارا انسان کے جوڑوں میں جا کر بیٹھ جاتا ہے اس نے کسی ماہر امراض کی طرح کہا۔ ''پھر جوڑوں میں درد ہونے لگتا ہے اور بالآخر یہ گٹھیا کی صورت اختیار کر لیتا ہے۔''

میں نے متعجب لہجے میں کہا۔ ''میں نے تو ایسی کوئی بات نہیں سنی کہ پارا کھانے سے گٹھیا کا مرض ہو جاتا ہو۔ حکیم لوگ تو پارے کا کشتہ صرف طاقت وغیرہ کی بحالی اور حصول کیلئے استعمال کرواتے ہیں۔''

''کچے پارے اور پارے کے کشتے میں بہت فرق ہوتا ہے وکیل صاحب!'' وہ ٹھہرے ہوئے لہجے میں بولی۔ ''اور جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ آپ نے پارے اور گٹھیا کے مرض کے بارے میں نہیں سن رکھا تو اس میں آپ کا کوئی قصور نہیں۔ آپ کی ابھی عمر ہی کیا ہے؟ اور جو ہے' وہ قانون کی موٹی موٹی کتابیں چاٹنے میں گزر گئی۔ آہستہ آہستہ سب تجربات ہو جائیں گے آپ کو بھی۔'' ایک لمحے رک کر اس نے مدبرانہ انداز میں کہا۔ ''جو عورت اپنے دیور سے انتقام لینے کی خاطر اس کے گلاس کے دودھ میں زہریلی دوا ملا سکتی ہے' پارے والا کھیل تو اس کے بائیں ہاتھ کا کرشمہ ہے۔ آپ اس مکار کو اتنا سیدھا اور معصوم نہ سمجھیں جتنا یہ اپنی شکل سے نظر آتی ہے۔''

صدیقہ بیگم خاصی باتونی عورت لگتی تھی۔ کوئی عورت ساس ہو' اس پر وہمی اور باتونی بھی ہو تو بہو پر گزرنے والی بپتا کا اندازہ بہ خوبی لگایا جا سکتا ہے۔ میں نے جرح کا زاویہ بدلتے ہوئے صدیقہ بیگم سے پوچھا۔

''صدیقہ صاحبہ! وقوعہ سے لگ بھگ چھ ماہ قبل ملزمہ اور اس کے شوہر یعنی آپ کے بیٹے افتخار کے درمیان اچھا خاصا جھگڑا ہوا تھا اور دوسری صبح ملزمہ روٹھ کر اپنے میکے چلی گئی تھی۔ کیا اس جھگڑے کے موقع پر آپ گھر میں موجود تھیں؟''

وہ عجیب سے لہجے میں بولی۔ ''میں کہاں جاؤں گی۔ میں تو گھر میں ہی رہتی ہوں۔''

''اس کا مطلب ہے' آپ گھر میں موجود تھیں۔'' میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے پوچھا۔ ''کیا آپ کو معلوم تھا کہ ان دونوں کے درمیان کس بات پر جھگڑا ہوا تھا؟''

''یہ بھی کوئی پوچھنے والی بات ہے۔'' وہ خشک لہجے میں بولی۔ ''امتیاز مجھے بتا چکا تھا کہ اس کے اور رابعہ کے درمیان کیا باتیں ہوئی تھیں اور رابعہ نے امتیاز کے بارے میں افتخار سے کیا کہا تھا۔''

''اس کا مطلب ہے' آپ میاں بیوی کے درمیان ہونے والے جھگڑے کی وجوہات سے اچھی طرح آگاہ تھیں۔'' میں نے جرح کے سلسلے کو آگے بڑھاتے ہوئے کہا۔ ''استغاثہ میں میری موکل کے حوالے سے کسی قیصر سے جس قسم کے تعلقات کا ذکر کیا گیا ہے' کیا آپ اس جھگڑے سے پہلے اس بارے میں کچھ جانتی تھیں؟''

وہ ایک لمحے کیلئے تذبذب کا شکار نظر آئی پھر فیصلہ کن لہجے میں بولی۔ ''ہاں مجھے رابعہ کی ان نازیبا حرکات کے بارے میں پتا چلا تھا۔''

''پتا چلا تھا اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ اس بارے میں کسی دوسرے شخص نے آپ کو بتایا تھا۔'' میں نے بدستور اس کے چہرے پر نگاہ جماتے ہوئے کہا۔ ''آپ نے اپنی آنکھوں سے ملزمہ کو وہ نازیبا حرکات کرتے نہیں دیکھا تھا؟''

اس کے چہرے پر ایسے تاثرات نمودار ہوئے جیسے وہ چکرا کر رہ گئی ہو تاہم اس نے میرے سوال کے جواب میں بتایا۔ ''ہاں مجھے اس بارے میں کسی اور سے معلوم ہوا تھا۔''

''اور...... کس سے؟''

''نوری سے۔''

نوری اس گھر کی کل وقتی ملازمہ تھی جو ہفتے میں صرف ایک روز یعنی جمعہ کے دن چھٹی کرتی تھی۔ میں نے گواہ صدیقہ بیگم سے استفسار کیا۔

''کیا آپ کی ملازمہ نوری نے میری موکل پر قیصر کے حوالے سے عائد کردہ الزامات کی عملی تصویر دیکھی تھی؟'' میں نے بال کی کھال اتارتے ہوئے پوچھا۔ ''میرا مطلب ہے' کیا نوری نے رابعہ اور قیصر کو کسی قسم کی حرکات کرتے دیکھا جس سے ثابت ہو کہ ان کے درمیان کوئی سنجیدہ تعلق پل رہا ہے۔''

''ہاں' نوری نے اپنی آنکھوں سے چند مناظر دیکھے تھے۔'' گواہ نے جواب دیا۔

میری موکل رابعہ پر اپنے دیور امتیاز کے قتل کا الزام تھا اور اسی سلسلے میں سماعت ہو رہی تھی لیکن اس الزام کی بنیادوں میں میری موکل کی بے وفائی کو چنا گیا تھا۔ میں اسی لیے رابعہ اور قیصر کے تعلق کے حوالے سے زیادہ سوالات کر رہا تھا۔ اگر میں یہ ثابت کرنے میں کامیاب ہو جاتا کہ رابعہ اور قیصر نامی فرد کے درمیان بیان کردہ معاملات کی کوئی حقیقت نہیں تو پھر میری موکل کے اس بیان کو تقویت ملتی تھی کہ مقتول نے اس سے دست درازی کی تھی اور اپنی اس مذموم حرکت کے افشا ہونے پر اس نے الٹا رابعہ کے کردار پر کیچڑ اچھالنے کی کوشش کی تھی۔ اگر اس کیس میں سے قیصر اور رابعہ کے

''تعلقات'' کا قصہ صاف ہو جاتا تو پھر استغاثہ کی فلک بوس عمارت کا انہدام قدرے آسان ہو جاتا۔

میں نے وٹنس باکس میں موجود صدیقہ بیگم کی جانب متوجہ ہوتے ہوئے پوچھا۔ ''جب آپ کو اپنی ملازمہ کی زبانی میری موکل کی سرگرمیوں کی خبر ہوئی تو آپ نے اپنی بہو سے تو ضرور بات کی ہوگی؟''

''نہیں۔'' وہ نفی میں گردن ہلاتے ہوئے بولی۔

میں نے پوچھا۔ ''کیوں نہیں؟''

''بس ایسے ہی۔'' وہ سادگی سے بولی۔ ''میں گھر میں کوئی تنازع کھڑا ہوتے ہوئے نہیں دیکھنا چاہتی تھی۔''

میں نے کہا۔ ''اس کا مطلب ہے' آپ نے اپنے بیٹے افتخار سے بھی بات نہیں کی ہوگی؟''

''آپ کا خیال درست ہے۔'' اس نے کہا۔

میں نے قدرے ترش لہجے میں کہا۔ ''آپ کے بیان کے مطابق آپ نے میری موکل کو ہمیشہ اپنی بیٹی کی طرح سمجھا تھا۔ اگر آپ کے اس بیان کو درست مان لیا جائے تو آپ کا یہ فرض بنتا تھا کہ آپ میری موکل کو پیار سے سمجھاتیں۔ اس سے منسوب بیان کردہ ''حرکات'' کسی بھی مہذب اور شریف گھرانے کیلئے انتہائی مہلک ثابت ہو سکتی ہیں۔ آپ نے اپنے فرائض سے غفلت کیوں برتی؟''

''میں نے صرف یہی نہیں کہا کہ میں رابعہ کو اپنی بیٹی سمجھتی تھی بلکہ یہ بھی بتایا ہے کہ اس نے کبھی مجھے اپنی ماں تو کیا' خیر خواہ اور ہمدرد بھی نہیں سمجھا۔'' وہ خفگی آمیز انداز میں بولی۔ ''میں نے رابعہ سے اس سلسلے میں صرف اس لیے بات نہیں کی تھی کہ وہ بات کا بتنگڑ بنا کر مجھے ہی لپیٹ دیتی۔''

ایک لمحے کا توقف کر کے اس نے اضافہ کیا ''جیسا کہ میرے بے قصور بیٹے امتیاز کے ساتھ ہوا۔ امتیاز نے بھی اس بدذات کو سمجھانے کی کوشش کی تھی نا۔'' اس نے کتنا مکروہ اور بھیانک الزام لگایا تھا اس معصوم پر۔''

بات ختم کر کے وہ معاندانہ نگاہ سے رابعہ کو دیکھنے لگی۔ میں نے اس سے سوال کیا۔

''صدیقہ صاحبہ! کیا اس سلسلے میں مرد مذکورہ قیصر سے بھی کوئی بات کی گئی تھی؟''

''قطعی نہیں۔'' وہ نفی میں سر ہلاتے ہوئے بولی۔

''کیا ایسا نہ کرنے میں کوئی مصلحت پوشیدہ تھی؟'' میں نے پوچھا۔

اس نے جان چھڑانے والے انداز میں گول مول جواب دیا۔ ''جب اپنی مرغی ہی بری ہو تو دوسرے سے کیا شکوہ کیا جائے۔''

میں صدیقہ بیگم سے سوال و جواب کے ذریعے بڑی حد تک معزز عدالت کو یہ باور کرا چکا تھا

کہ میری موکل کو اپنی سسرال میں کس قسم کے رویوں اور حالات کا سامنا تھا۔

میں دوبارہ استغاثہ کی گواہ کی جانب متوجہ ہو گیا۔ ''صدیقہ صاحبہ! وقوعہ سے تقریباً چھ ماہ قبل ملزمہ اور اس کے شوہر کے درمیان اچھا خاصا جھگڑا ہوا تھا۔ کیا اس موقع پر آپ نے بیچ بچاؤ کی کوشش کی تھی؟''

''میں نے دونوں کو سمجھانے کی کوشش کی تھی۔'' اس نے بتایا۔ ''میری ہی وجہ سے وہ جھگڑا ختم ہوا تھا لیکن دوسری صبح رابعہ ناراض ہو کر اپنے میکے چلی گئی۔'' ایک لمحے کا وقفہ کر کے اس نے مزید کہا۔ ''آپ میری سمجھ داری اور بردباری کا اندازہ لگائیں۔ تمام حالات سے واقف ہونے کے باوجود بھی میں نے رابعہ کے بجائے افتخار ہی کو ڈانٹا تھا۔ اگر میں رابعہ کی دشمن ہوتی تو ایک کی چار چار بنا کر بتاتی اور اس آگ کو اتنی ہوا دیتی کہ سب کچھ بھسم ہو کر رہ جاتا مگر میں تباہی اور تخریب کاری نہیں چاہتی تھی اس لیے افتخار کو ڈانٹ ڈپٹ کر معاملہ رفع دفع کر دیا۔''

میں نے کہا۔ ''آپ اپنے جس رویے کو معاملہ فہمی اور سمجھ داری کا نام دے رہی ہیں وہ درحقیقت آپ کی غلطی تھی۔ اگر ایک لمحے کیلئے یہ فرض کر لیا جائے کہ میری موکل قیصر نامی کسی شخص سے ملوث تھی تو علم میں آنے کے بعد آپ کو خاموش تماشائی بن کر نہیں بیٹھ جانا چاہیے تھا۔ آپ کا فرض تھا کہ اس مسئلے کا کوئی حل نکالتیں' آپ نے میری موکل کو اس کے حال پر چھوڑ کر اس سے تاریخی دشمنی کا ثبوت دیا تھا کیوں کہ کسی بھی برائی کو یا تو ابتدائی مرحلے پر ہی روکا جا سکتا ہے یا پھر کبھی نہیں روکا جا سکتا۔''

وہ کھسیانی ہو کر بغلیں جھانکنے لگی۔ میں نے جرح کے سلسلے کو سمیٹتے ہوئے سوالات کا سلسلہ جاری رکھا۔

''صدیقہ صاحبہ! آپ نے وکیل استغاثہ کے ایک سوال کے جواب میں بتایا ہے کہ جب میری موکل روٹھ کر میکے جا بیٹھی تھی تو آپ اسے واپس لانے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتی تھیں۔ اگر اختر حسین گڑگڑا کر افتخار سے التجائیں نہ کرتا تو میری موکل دوبارہ آپ کے گھر میں قدم نہیں رکھ سکتی تھیں۔''

وہ اثبات میں جواب دیتے ہوئے بولی۔ ''ہاں' میں نے ایسا ہی کہا تھا۔''

''آپ کے اس رویے سے تو یہ ظاہر ہوتا ہے کہ آپ کو میری موکل سے شمہ برابر ہمدردی بھی نہیں تھی۔'' میں نے چبھتے ہوئے انداز میں کہا۔ ''جب کہ آپ تو اس کی خیر خواہی کے بلند و بانگ دعوے کرتی ہیں۔ آپ کے قول و فعل کا یہ تضاد کیا معنی رکھتا ہے؟''

''مم...... میں......'' وہ الجھن زدہ لہجے میں ہکلائی۔ ''میں نے ایسا وقتی طور پر غصے کی حالت میں سوچا تھا۔'' وہ بات کو بنانے کی کوشش کر رہی تھی۔ ''رابعہ کے روٹھ کر میکے چلے جانے سے مجھے

گہرا دلی صدمہ پہنچا تھا اور میں نے اسی ناراضی میں افتخار سے کہہ دیا تھا کہ کوئی ضرورت نہیں ہے وہاں جانے کی۔ اسے میکے میں بیٹھا رہنے دو۔ چار دن باپ گھر میں بٹھا کر بیٹی کو کھلائے گا تو اسے آٹے دال کا بھاؤ معلوم ہو جائے گا۔''

وہ بڑی خوبصورتی سے بات کو نبھانے میں کامیاب ہو گئی تھی۔ میں نے طنزیہ لہجے میں کہا۔ ''اور پھر واقعی چند روز میں اختر حسین کو آٹے دال کا بھاؤ معلوم ہو گیا۔ اس نے فون پر فون کر کے افتخار سے درخواستیں کیں کہ وہ آ کر رابعہ کو لے جائے کیوں ایسا ہی ہوا تھا نا؟''

''بالکل ایسا ہی ہوا تھا۔'' وہ فخریہ لہجے میں بولی۔ ''اور آپ کو یہ بھی بتا دوں کہ افتخار رابعہ کو لانے میں دلچسپی نہیں لے رہا تھا۔ میں نے ہی اسے مجبور کر کے پاپوش نگر بھیجا تھا۔ کاش مجھے اس وقت انداز ہو جاتا کہ اختر حسین کی التجائیں اور رابعہ کا اقرار جرم کسی سوچی سمجھی سازش کا حصہ ہے۔ وہ دوبارہ اس گھر میں قدم رکھ کر میرے بیٹے کی جان لینے کا منصوبہ بنائے بیٹھی ہے۔''

میں نے کہا۔ ''آپ کا دعویٰ ہے کہ اختر حسین نے اپنی بیٹی کی واپسی کیلئے آپ لوگوں کی منت سماجت کی تھی مگر اختر حسین کا بیان ہے کہ پہل آپ کے بیٹے کی طرف سے ہوئی تھی۔ افتخار نے ایک روز فون کر کے میری موکل سے کہا تھا کہ وہ دوسرے روز شام میں تیار رہے۔ وہ اسے لینے آئے گا پھر دوسری شام افتخار واقعی وہاں پہنچا۔ اس نے اختر حسین کے سامنے اپنی غلطی اور رابعہ کے ساتھ ہونے والی زیادتی کیلئے دست بستہ معذرت کی تھی۔ اس کے بعد ہی رابعہ کو افتخار کے ساتھ روانہ کیا گیا تھا۔ آپ اس سلسلے میں کیا کہتی ہیں؟''

''میں اس سلسلے میں صرف اتنا کہوں گی کہ اختر حسین اول درجے کا جھوٹا اور احسان فراموش ہے۔'' وہ سلگتے ہوئے لہجے میں بولی پھر اس نے نفرت آمیز نظر سے عدالت کے کمرے میں موجود اختر حسین ٹیکسی ڈرائیور کی طرف دیکھا۔

میں نے پوچھا۔ ''اس نے کون سی غلط بیانی اور احسان فراموشی کی ہے؟'

''غلط بیانی تو یہ کی ہے کہ افتخار خود چل کر اس کے گھر پہنچا تھا حالانکہ حقیقت اس کے برعکس ہے۔'' وہ ٹھہرے ہوئے لہجے میں بولی۔ ''اور احسان فراموشی کا ذکر کر کے میں کم ظرفی کا مظاہرہ نہیں کرنا چاہتی۔ یہ شخص اچھی طرح جانتا ہے کہ میرے مرحوم شوہر قمر علی نے اس پر کتنے اور کون کون سے احسانات کیے تھے۔''

ایک احسان کے بارے میں اختر حسین نے مجھے خود بتایا تھا۔ ٹیکسی کی خریداری کیلئے اس کے مرحوم دوست قمر علی نے اسے اچھی خاصی رقم دی تھی تاہم وہی ٹیکسی بیچ کر اس نے رابعہ کو بیاہا تھا۔

میں نے گواہ صدیقہ بیگم سے مزید چند سوالات کیے پھر عدالت کا مقررہ وقت ختم ہو گیا۔ جج نے اگلی تاریخ دے کر عدالت برخاست کر دی۔

☆......☆......☆

عدالتی کارروائی کو من وعن بیان کرنا انتہائی غیر دلچسپ اور بور تجربہ ہے اس لیے میں کسی بھی کیس کو کہانی کے رنگ میں بیان کرنے سے پہلے اس میں اچھی خاصی کانٹ چھانٹ کر لیتا ہوں تاکہ قارئین کا انہماک اور دلچسپی برقرار رہے۔ عام طور پر لوگ تفریح کی غرض سے ڈائجسٹ پڑھتے ہیں۔ تفریح کے ساتھ ساتھ انہیں معلومات بھی ملتی ہیں چنانچہ کسی بھی ڈائجسٹ میں چھپنے والی تحریروں کو ڈائجسٹیوں (Digestive) یعنی ہاضم ہونا چاہیے۔ میں نے قارئین کی اس ڈیمانڈ اور ضرورت کا ہمیشہ خیال رکھا ہے۔

کیس کی سماعت کے دوران میں واقعات اتنی تیزی سے آگے نہیں بڑھتے جیسا کہ کہانی میں بتایا جاتا ہے۔ یہ بھی ضروری نہیں کہ ہر مقررہ پیشی پر سماعت بھی ہو ہی جائے۔ بعض اوقات دو پیشیوں کے درمیان کئی ماہ کا وقفہ حائل ہو جاتا ہے۔ اس تعطل کی ٹھوس وجوہات ہوتی ہیں۔ کبھی جج غیر حاضر ہے تو کبھی وکیل استغاثہ نے ناسازی طبع کا سرٹیفکیٹ بھیج دیا' کبھی پیش کار غائب ہے۔ بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ آپ کے کیس کی باری تو ہے مگر اس کا نمبر مقررہ تاریخ میں اتنا نیچے لگا ہوا ہے کہ آپ کے کیس کی آواز پڑنے سے پہلے ہی عدالت کا مخصوص وقت ختم ہو جاتا ہے پھر اس تعطل کو برقرار رکھنے کیلئے منفی حربے بھی استعمال کیے جاتے ہیں۔ پیش کار کی مٹھی گرم کر کے آپ اپنے کیس کی تاریخ کو آگے بڑھوا سکتے ہیں۔

الغرض' عدالتی چکر ایک بہت وسیع بھنور ہے جس میں پھنسنے والا اپنے ہوش و حواس کھو بیٹھتا ہے۔ میں نے موجودہ کیس کی کہانی بیان کرتے ہوئے بہت سی غیر ضروری باتیں اس میں سے حذف کر دی ہیں تاکہ قارئین کو بوریت سے بچایا جا سکے۔ جو لوگ عدالتوں سے متعلق ہیں یا کسی بھی طور قانون اور عدالت سے ان کا واسطہ ہے یا پھر وہ عدالتی کارروائیوں کے چشم دید گواہ ہیں' انہیں ان کہانیوں میں فکشن کا سا تاثر ملتا ہے اور اس بات پر وہ حیرانی کا اظہار کرتے ہیں کہ ایسے وکیل کا وجود کس طرح ممکن ہے جو ہر مقدمہ جیت جاتا ہو۔ اس نے کبھی شکست کا مزہ نہیں چکھا ہو۔ وہ وکیل استغاثہ کے روپ میں عدالت میں نظر آئے یا وکیل صفائی کا کردار ادا کرے یا پھر محض لیگل ایڈوائزر ہی کی حیثیت سے نمودار کیوں نہ ہو' ہر صورت کامیابی اس کے قدم چومتی ہے۔ وہ تین چار پیشیوں میں بڑے سے بڑے مقدمے کو چٹکی بجاتے ہوئے حل کر کے فتح حاصل کر لیتا ہے۔

یہ تمام باتیں واقعی باعث حیرت ہیں لیکن اس سلسلے میں قارئین پر میں واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ اول تو مقدمے کی مکمل کارروائی کو پیش نہیں کیا جاتا۔ وجوہات میں اوپر بیان کر چکا ہوں۔ اس میں مزید ایک وجہ کا اضافہ کر لیں کہ تفصیلی بیان کیلئے کم از کم ڈائجسٹ کے سو صفحات کی ضرورت ہو گی۔ ناول کے قیمتی صفحات ضائع کر کے قارئین کیلئے بوریت کا سامان پیدا کرنا دانش مندی کے

زمرے میں نہیں آتا۔ مناسب ایڈیٹنگ اور واقعات کی ترتیب میں تبدیلی سے کہانی کا ٹیمپو تیز ہو جاتا ہے جو پڑھنے والوں کو محظوظ کرتا ہے اور جہاں تک بیگ صاحب کی کامیابیوں کا سوال ہے تو یہ بات ذہن میں نقش کر لیں کہ مسلسل جیت کسی بھی شعبے میں ممکن نہیں۔ مرزا امجد بیگ کو بھی بعض مقدمات میں جزوی یا مکمل ناکامیابی ہوئی ہوگی مگر ہم ان کے انتہائی کامیاب اور معرکہ آراء مقدمات کو ہی سسپنس کے صفحات کی زینت بناتے ہیں۔

اس مختصر سی وضاحت کے بعد راقم الحروف' بیگ صاحب کا لبادہ اوڑھ کر آپ کو دوبارہ اسی مقام پر لے چلتا ہے جہاں سے رابطہ ٹوٹا تھا۔

جیسا کہ میں پہلے بتا چکا ہوں' اس کیس میں استغاثہ کی جانب سے کل چھ گواہوں کی فہرست دائر کی گئی تھی مگر میں یہاں صرف تین گواہوں کے بیانات اور ان پر ہونے والی جرح کا احوال بیان کروں گا۔ صدیقہ بیگم کی گواہی مکمل ہو چکی ہے۔ نوری اور ملزمہ کا شوہر افتخار بھی باقی ہیں۔

گواہوں کے بیانات شروع ہونے سے پبلک میڈیکولیگل آفیسر' کیمیکل ایگزامینر اور واقعاتی شہادتوں کا سلسلہ نمٹا لیا گیا تھا۔ انکوائری آفیسر سے متعلقہ تمام امور کا بھی جائزہ لے لیا گیا تاہم انکوائری آفیسر اس بات کا پابند ہوتا ہے کہ ہر پیشی پر وہ عدالت میں موجود رہے۔ پوسٹ مارٹم کی رپورٹ بتاتی تھی کہ مقتول امتیاز کی موت جمعہ اور ہفتہ کی درمیانی شب بارہ بجے سے دو بجے کے درمیان واقع ہوئی تھی۔ کیمیکل ایگزامینر نے اس بات کی تصدیق کی تھی کہ مقتول کی موت کا سبب ''فینوباربی ٹون'' کی بھاری مقدار کا اس کے معدے میں پہنچنا تھا۔ ڈاکٹر کی تجویز کردہ خوراک سے زیادہ یا مرض کی عدم موجودگی میں اس دوا کی بھاری مقدار کا استعمال موت کا پیغام بر تھا اس لیے اس کی بوتل پر ''پائزن'' کا لفظ سرخ روشنائی میں چھپا ہوا تھا۔

آئندہ پیشی پر کوئی قابل ذکر کارروائی نہ ہو سکی۔ اسی شام اختر حسین میرے دفتر میں مجھ سے ملنے آ گیا۔ اس روز وہ عدالت میں نہیں آ سکا تھا تاہم اس کا بیٹا اس کی جگہ عدالت میں موجود رہا تھا۔

اختر حسین نے مجھ سے دریافت کیا۔ ''بیگ صاحب! آپ کا کیا خیال ہے' عدالت کی کارروائی کچھ سست نہیں جا رہی؟''

''میں ایسا نہیں سمجھتا۔'' میں نے کہا۔

وہ قدرے مایوسی سے بولا۔ ''ابھی تک رابعہ کی رہائی یا بریت کی کوئی صورت نظر نہیں آئی۔''

میں نے اس سے پوچھا۔ ''محترم! آپ کا پہلے کبھی کسی عدالت سے واسطہ پڑا ہے؟''

''نہیں۔'' اس نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔ ''ٹریفک کی چھوٹی موٹی بے قاعدگی پر ٹریفک پولیس والوں ہی سے معاملہ پٹ جاتا ہے۔ اللہ کا شکر ہے' مجھے زندگی میں کبھی عدالت کا منہ نہیں دیکھنا پڑا۔'' پھر وہ اچانک اداس ہو گیا اور افسردہ لہجے میں بولا۔ ''رابعہ کی وجہ سے عدالت سے

سابقہ پڑا ہے' اللہ خیر ہی کرے۔''

میں نے مناسب الفاظ میں اس کی دلجوئی کی۔ میرے تسلی آمیز جملوں نے اس کی افسردگی خاصی حد تک کم کر دی۔ وہ بولا۔ ''بیگ صاحب! آپ کی باتوں سے حوصلہ ملتا ہے ورنہ میں تو بعض اوقات بالکل ہی مایوس ہو جاتا ہوں۔''

''محترم! عدالتی کارروائی کی مثال ٹریفک جیم میں پھنسی ہوئی کسی گاڑی کی سی ہے۔ وہ اگرچہ باقاعدہ چلتی ہوئی نظر آتی ہے مگر دھیرے دھیرے رینگتی رہتی ہے۔ اگر ڈرائیور خود کو بچانے پر توجہ مرکوز رکھے اور کوئی سنگین غلطی نہ کرے تو بالآخر اپنی منزل پر پہنچ جاتا ہے۔''

یہ مثال اختر حسین کے پیشے سے لگا کھاتی تھی اس لیے پسند آنے کے ساتھ ساتھ یہ فوری طور پر اس کی سمجھ میں بھی اتر گئی۔ وہ مجھے دعائیں دیتے ہوئے رخصت ہو گیا۔

☆......☆......☆

منظر اسی عدالت کا تھا اور گواہوں کے کٹہرے میں افتخار کی گھریلو ملازمہ نوری کھڑی تھی۔ نوری اگرچہ ایک ماسی تھی' اس کی حیثیت ملازمہ جیسی تھی مگر اس نے اپنے قبیل کی دوسری عورتوں کی بہ نسبت خود کو خاصا سنبھال کر رکھا ہوا تھا۔ اس کا پہناوا اور رنگ ڈھنگ بھی عام ملازموں جیسے نہیں تھے۔ میں نے اس کی عمر کا اندازہ پینتیس کے قریب لگایا۔ وہ متناسب جسم کی مالک نک سک سے درست ایک معقول صورت اور پرکشش عورت تھی۔

نوری اپنا حلفیہ بیان ریکارڈ کروا چکی تو وکیل صفائی سوالات کیلئے اس کے قریب پہنچ گیا۔ اس نے کھنکار کر گلا صاف کیا اور اپنے کام میں مصروف ہو گیا۔

''نوری!'' اس نے استغاثہ کے گواہ کو مخاطب کرتے ہوئے پوچھا۔ ''تم کسی دباؤ کے تحت تو گواہی دینے نہیں آئی ہو؟''

''نہیں جی' مجھ پر کسی قسم کا کوئی دباؤ نہیں ہے۔''

وکیل استغاثہ نے معنی خیز انداز میں میری جانب دیکھتے ہوئے کہا۔ ''عام طور پر یہ خیال کیا جاتا ہے کہ گھریلو ملازمین کو ان کے مالکان دباؤ میں لا کر اپنی مرضی کا بیان دینے کیلئے مجبور کر دیتے ہیں۔ اس مقدمے کے مدعی تمہارے مالک یعنی افتخار صاحب ہیں اس لیے میں نے پوچھا تھا کہ تم اپنی مرضی سے گواہی دے رہی ہو یا اس سلسلے میں تمہاری کسی مجبوری کا ہاتھ ہے۔ تمہارے جواب نے مجھے مطمئن کر دیا ہے۔''

نوری خاموشی سے وکیل استغاثہ کے اگلے سوال کا انتظار کر رہی تھی۔ وکیل استغاثہ نے پوچھا۔ ''نوری! تمہاری بڑی مالکن یعنی صدیقہ بیگم نے تمہارے حوالے سے جس انکشاف انگیز حقیقت کا ذکر کیا ہے کیا تم اس کی تصدیق کرتی ہو؟''

نوری نے الجھن زدہ نظر سے وکیل استغاثہ کو دیکھا۔ ''میں آپ کے سوال کو سمجھ نہیں سکی وکیل صاحب۔''

وہ وضاحت کرتے ہوئے بولا۔ ''نوری! تمہاری بڑی مالکن نے معزز عدالت کو بتایا کہ ملزمہ اور قیصر کے تعلقات کے بارے میں تم نے انہیں اطلاع فراہم کی تھی؟''

''صدیقہ بیگم بالکل ٹھیک کہتی ہیں وکیل صاحب۔''

''تم نے ایسی کیا بات دیکھی تھی؟''

''میں نے چھوٹی مالکن یعنی ملزمہ کو چھپ چھپ کر سامنے والے قیصر سے اشارے کنایے کرتے دیکھا تھا۔'' نوری نے جواب دیا۔

''کس قسم کے اشارے کنایے؟''

''وہی جناب جو باہمی تعلق رکھنے والے مرد اور عورت ایک دوسرے کو کرتے ہیں۔''

اس کا مطلب ہے' قیصر بھی ملزم کے اشاروں کا جواب دیتا تھا؟''

''بالکل یہی بات تھی جناب۔''

''گویا ان کے درمیان بڑی پکی سیٹنگ تھی؟''

''آپ درست کہہ رہے ہیں۔'' نوری نے تصدیق کی۔

وکیل استغاثہ نے پوچھا۔ ''نوری! تم نے ان دونوں کی سیٹنگ کے بارے میں صدیقہ بیگم کو بتانے کے بعد کیا کیا تھا؟''

''میں نے اس گھر میں ہونے والی عجیب وغریب سرگرمی کے بارے میں اپنی بڑی مالکن کو بتا دیا' بس میرا فرض پورا ہو گیا۔'' نوری نے کہا۔ ''اس کے بعد جو کچھ بھی کرنا تھا' صدیقہ بیگم کو کرنا تھا۔''

وکیل استغاثہ نے زاویہ سوالات تبدیل کرتے ہوئے پوچھا۔ ''مقتول تمہاری نظر میں کیسا آدمی تھا؟''

''امتیاز صاحب بہت اچھے انسان تھے۔'' وہ بھرائی ہوئی آواز میں بولی۔ ''مرگی کے ظالم مرض نے انہیں بے بس کر کے رکھ دیا تھا ورنہ وہ بڑے ہنس مکھ اور زندہ دل آدمی تھے۔''

''ملزمہ کے ساتھ مقتول کا رویہ کیسا تھا؟'' وکیل استغاثہ نے سوال کیا۔

''مقتول' ملزمہ کا بہت احترام کرتے تھے۔''

''اور ملزمہ کا رویہ مقتول کے ساتھ کیسا تھا؟'' اس نے پوچھا۔

''بس ٹھیک ہی تھا۔'' نوری نے جواب دیا۔ ''جیسا کہ گھر کے باقی افراد کے ساتھ تھا ویسا ہی مقتول کے ساتھ بھی تھا۔''

وکیل استغاثہ نے کہا۔ ''نوری! تمہارے جواب سے تو اندازہ ہوتا ہے' ملزمہ کا رویہ اس گھر کے افراد کے ساتھ کچھ زیادہ اچھا اور قابل ذکر نہیں تھا۔''

''بس یوں ہی سمجھ لیں۔'' وہ مبہم سے لہجے میں بولی۔ ''دراصل ملزمہ اپنے آپ کو کوئی توپ قسم کی چیز سمجھتی تھی اس لیے دوسروں کے ساتھ وہ زیادہ گھل مل کر رہنا پسند نہیں کرتی تھی۔''

وکیل استغاثہ نے کہا۔ ''اور اس کا اپنے شوہر افتخار کے ساتھ بھی اسی قسم کا رویہ تھا۔''

''جی ہاں' کچھ ایسی ہی بات تھی۔'' اس نے ایک مرتبہ پھر گول مول سا جواب دیا۔

جب آغاز ہی میں وکیل استغاثہ نے گواہ سے یہ سوال کیا تھا کہ آیا وہ کسی دباؤ کے زیر اثر تو گواہی دینے نہیں آئی' میں فوراً سمجھ گیا تھا کہ گواہ نوری کو اس کا سبق بہت اچھی طرح رٹوایا گیا ہوگا اور اب وکیل استغاثہ کے سوالات کی نوعیت میرے اس خیال کی تصدیق بھی کر رہی تھی۔

وکیل استغاثہ نے گواہ کو مخاطب کرتے ہوئے سوال کیا۔ ''نوری! تمہیں یاد ہوگا ملزمہ وقوعہ سے کچھ عرصہ پہلے روٹھ کر اپنے میکے چلی گئی تھی۔''

''ہاں' مجھے اچھی طرح یاد ہے۔''

''اس کی ناراضی کی کیا وجوہات تھیں؟''

نوری نے جواب دیا۔ ''ملزمہ اور قیصر کے تعلقات مقتول کے علم میں آ گئے تھے اور پھر بات افتخار صاحب تک جا پہنچی تھی۔ افتخار صاحب کی باز پرس کے جواب میں ملزمہ ناراض ہو کر اپنے میکے چلی گئی تھی۔

''واقعات و حالات کی تفصیل بتاتی ہے کہ اس موقع پر ملزمہ نے اپنے دیور کی کردار کشی کرتے ہوئے اس پر دست درازی کا الزام بھی لگایا تھا۔'' وکیل استغاثہ نے ٹٹولنے والے انداز میں کہا۔ ''لیکن افتخار نے اس کی بات کا یقین نہیں کیا تھا۔''

وہ ٹھہری ہوئی آواز میں بولی۔ ''افتخار صاحب بہت سمجھ دار اور پڑھے لکھے انسان ہیں۔ غلط اور صحیح کا فرق کر سکتے ہیں۔ اگر انہوں نے ملزمہ کی بے بنیاد بات پر یقین نہیں کیا تو اس سے ان کی ذہانت کا اندازہ ہوتا ہے۔''

''اس کا مطلب ہے' تمہارے نزدیک بھی ملزمہ کا الزام بے بنیاد اور جھوٹا تھا؟'' وکیل استغاثہ نے پوچھا۔

وہ بولی۔ ''آپ بالکل درست کہہ رہے ہیں۔ امتیاز صاحب اس کردار کے انسان نہیں تھے۔''

وکیل استغاثہ گواہ سے مقتول کے کردار کی سند حاصل کر کے جانے کیا ثابت کرنا چاہتا تھا۔

نوری کے جواب پر اس نے پوچھا۔

"ملزمہ کے کردار کے بارے میں تم کیا کہتی ہو۔"

"ملزمہ کا کردار کوئی ڈھکا چھپا راز نہیں۔" وہ میری موکل کی جانب انگلی اٹھاتے ہوئے بولی۔

"قیصر سے اس کے تعلقات کسی بھی طور سراہے جانے کے قابل نہیں اور......اس نے امتیاز صاحب کو زہر دے کر موت کے منہ میں جو دھکیلا ہے اس عمل سے اس کا کردار کسی تعارف کا محتاج نہیں رہا۔"

مزید ایک دو سوالات کے بعد وکیل استغاثہ نے اپنی جرح موقوف کر دی۔

اپنی باری پر میں جرح کیلئے نوری والے کٹہرے کے پاس آ کر کھڑا ہو گیا۔ میں نے گواہ سے پہلا سوال کیا۔ "نوری! تمہیں افتخار صاحب کے گھر میں کام کرتے ہوئے کتنا عرصہ ہوا ہے؟"

اس نے جواب دیا۔ "تقریباً پانچ سال۔"

"اس کا مطلب ہے افتخار صاحب کی شادی تمہاری موجودگی ہی میں ہوئی تھی؟"

اس نے اثبات میں جواب دیا۔

میں نے پوچھا۔ "مجھے پتا چلا ہے کہ تم کل وقتی ملازمہ ہو اور ہفتے میں صرف ایک دن گھر جاتی ہو؟"

"جی ہاں میں جمعہ کی چھٹی کرتی ہوں۔" اس نے بتایا۔ "جمعرات کو کام ختم کرنے کے بعد رات نو بجے میں اپنے گھر چلی جاتی ہوں اور ہفتے کی صبح آٹھ بجے ڈیوٹی پر آ جاتی ہوں۔ میرا گھر افتخار صاحب کے بنگلے سے زیادہ دور نہیں۔ کچھ فاصلے پر ایک کچی آبادی ہے جہاں میں رہتی ہوں۔"

میں نے پوچھا۔ "نوری! کیا تم شادی شدہ ہو؟"

اس نے اثبات میں گردن ہلا دی۔ میں نے سوال کیا۔ "تمہارے بچے کتنے ہیں؟"

"دو" اس نے جواب دیا۔ "ایک سات سال کی بچی ہے اور دوسرا لڑکا ہے دس سال اس کی عمر ہے۔"

میں نے پوچھا۔ "تمہارے شوہر کو اس بات پر اعتراض نہیں ہوتا کہ تم ہفتے میں چھ دن گھر سے مکمل طور پر باہر رہتی ہو؟"

"میرا شوہر یہاں نہیں بلکہ گاؤں میں رہتا ہے۔" نوری نے جواب دیا پھر بلوچستان کے ایک گاؤں کا نام بھی بتایا اور کہا۔ "وہ وہاں کھیت مزدور ہے ہم یہاں شہر میں رزق روزگار میں لگے ہوئے ہیں۔"

ان سرسری سوالات کے بعد میں اصل موضوع کی طرف آ گیا۔ "نوری! یہاں اس وقت جس مقدمے کی سماعت ہو رہی ہے اس میں تم استغاثہ کی گواہ کی حیثیت سے عدالت میں موجود ہو۔ میری موکل پر اس کے دیور کے قتل کا الزام ہے اور وجہ قتل ایک دیرینہ دشمنی ہے اس لیے سوچ سمجھ کر

میرے سوالات کے جوابات دینا۔" میں نے ایک لمحہ رک کر اس کے چہرے کا جائزہ لیا۔ وہ منتظر نظر سے مجھے دیکھ رہی تھی۔ میں نے پوچھا۔

"نوری! تم نے اپنی بڑی مالکن یعنی صدیقہ بیگم کو یہ بتایا تھا کہ ملزمہ اور قیصر کے درمیان قابل اعتراض تعلقات پروان چڑھ رہے ہیں۔ اس بات میں کس حد تک حقیقت ہے؟"

"یہ بات سو فیصد درست ہے۔"

"تم نے تھوڑی دیر پہلے وکیل استغاثہ کو یہ بھی بتایا ہے کہ تم ان مذکورہ تعلقات کی عینی شاہد بھی ہو؟" میں نے سوال کیا۔

"ہاں میں نے خود اپنی آنکھوں سے ملزمہ اور قیصر کے درمیان اشاروں کا تبادلہ ہوتے دیکھا ہے۔" اس نے جواب دیا۔

"تم نے کبھی ان دونوں کو آپس میں ملتے جلتے بھی دیکھا ہے؟"

وہ تامل کرتے ہوئے بولی۔ "نن......نہیں۔"

"پھر تم کس بنا پر دعویٰ کرتی ہو کہ ان کے درمیان پکی سیٹنگ تھی؟" میں نے تیز لہجے میں کہا۔ "تم نے وکیل استغاثہ کے جواب میں لفظ سیٹنگ کی تصدیق کی ہے۔"

"مجھے اعتراض ہے جناب عالی!" وکیل استغاثہ کی آواز عدالت کی فضا میں ارتعاش پیدا کر گئی۔ "وکیل صفائی الفاظ کے داؤ پیچ سے معزز گواہ کو ہراساں کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔"

"میں نے ایسی کوئی کوشش نہیں کی یور آنر۔" میں نے جج کی جانب دیکھتے ہوئے کہا۔ "اگر گواہ ملزمہ اور کسی قیصر کے مابین قابل اعتراض تعلقات کی تصدیق کر رہی ہے تو اسے اس تصدیق کی بنیاد بھی فراہم کرنا ہوگی۔ ملزمہ اور کسی قیصر کے درمیان دیکھے جانے والے اشارے یہ ثابت نہیں کرتے کہ ملزمہ اپنے شوہر سے بے وفائی کی مرتکب ہو رہی تھی یا اس کے قیصر سے اس نوعیت کے تعلقات تھے۔ معاشرے کی نگاہ میں جو معیوب سمجھے جاتے ہیں۔"

نوری نے میرے سوال کا جواب دیتے ہوئے کہا۔ "ملزمہ اور قیصر کے درمیان میں نے جو اشارہ بازی دیکھی تھی اس سے میں نے اندازہ لگا لیا کہ وہ ایک دوسرے سے کوئی سنجیدہ تعلق استوار کر چکے ہیں۔"

"گویا سب کچھ تمہارے اندازے پر چل رہا تھا؟" میں نے طنزیہ انداز میں کہا۔

وہ خاموش رہی تاہم میں نے محسوس کیا وہ کچھ بے چین ہو گئی تھی۔

میں نے کہا۔ "نوری! تم نے اپنے اندازوں سے جو نتیجہ اخذ کیا وہ تم نے صدیقہ بیگم تک پہنچا دیا۔ تم نے قیصر کے حوالے سے کوئی تصدیق کی اور نہ ہی صدیقہ بیگم نے ایسی کوئی زحمت گوارا کی۔ چنانچہ میری موکل کو خواہ مخواہ گناہ گار تصور کر لیا گیا جس کا نتیجہ سب کے سامنے ہے۔"

نوری نے کہا۔ ''میں نے جو دیکھا اور محسوس کیا وہ اپنی مالکن کو بتا دیا۔ تصدیق اور تفتیش میرے ذمے داری تھی اور نہ ہی یہ میرا فرض بنتا تھا۔''

''تم ٹھیک کہتی ہو۔'' میں نے سراہنے والے انداز میں کہا پھر پوچھا۔ ''کیا اس روز تم گھر ہی میں تھیں جب میری موکل کا اپنے شوہر کے ساتھ جھگڑا ہوا تھا؟''

اس نے نفی میں گردن ہلاتے ہوئے جواب دیا۔ ''نہیں۔''

''تم اس روز کہاں تھیں؟'' میں نے پوچھا۔

وہ بولی۔ ''اپنے گھر میں تھی۔''

''کیوں؟''

''کیوں کہ وہ جمعے کا دن تھا۔'' اس نے بتایا۔ ''اور جمعے کو میری چھٹی ہوتی ہے۔''

میں نے کہا۔ ''بہت خوب!'' پھر اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے بات کو آگے بڑھایا۔ ''کیا یہ ایک اتفاق نہیں کہ وقوعہ کے روز بھی تم چھٹی پر تھیں۔'' مقتول کی موت جمعہ اور ہفتہ کی درمیانی شب واقع ہوئی تھی؟''

''ہاں اے۔ اتفاق ہی کہہ سکتے ہیں۔'' وہ آنکھیں مٹکاتے ہوئے بولی۔ ''مگر یہ حقیقت بھی ہے جسے جھٹلایا نہیں جا سکتا۔''

میں نے سوالات کا زاویہ تھوڑا سا تبدیل کر دیا اور گواہ نوری سے استفسار کیا۔ ''نوری، تم نے وکیل استغاثہ کو تھوڑی دیر پہلے بتایا ہے کہ مقتول، ملزمہ کا بہت احترام کرتا تھا۔ وہ ایک زندہ دل، ہنس مکھ انسان تھا لیکن ملزمہ کا رویہ اس کے ساتھ اچھا نہیں تھا۔ یہی نہیں، بلکہ تم نے یہاں تک بھی کہا کہ ملزمہ کا گھر کے باقی افراد کے ساتھ بھی مناسب رویہ نہیں تھا۔ وہ خود کو کوئی توپ قسم کی چیز سمجھتی تھی اور دوسروں کے ساتھ گھل مل کر رہنا پسند نہیں کرتی تھی حتی کہ اپنے شوہر افتخار کے ساتھ بھی اس کا رویہ ایسا ہی تھا۔ تمہارے اس بیان میں کس حد تک صداقت ہے؟''

''میں نے جو کچھ دیکھا اور محسوس کیا، وہی بیان کر دیا۔'' اس نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔ ''مجھے جھوٹ بولنے کی کیا ضرورت ہے۔''

میں نے پوچھا۔ ''تمہارے ساتھ ملزمہ کا سلوک کیسا تھا؟''

''ویسا ہی جیسا سب کے ساتھ تھا۔'' اس نے بیزاری سے جواب دیا۔

میں نے کہا۔ ''اس سے تو یہ ثابت ہوتا ہے کہ میری موکل ایک مغرور اور نک چڑھی عورت ہے جو اپنے سامنے کسی کو نہیں گردانتی۔ تمہارا بیان تو کچھ اسی قسم کا نقشہ کھینچ رہا ہے۔''

''میں نے کسی غلط بیانی سے کام نہیں لیا۔'' وہ سنجیدگی سے بولی۔

میں نے پوچھا۔ ''اب میں تم سے جو سوال کروں گا اس کا سوچ سمجھ کر جواب دینا۔'' وہ

الجھن زدہ نظر سے مجھے دیکھنے لگی۔ میں نے کہا۔ ''نوری! تم پانچ سال سے ایک ملازمہ کی حیثیت سے افتخار صاحب کے گھر میں کام کر رہی ہو۔ اگرچہ تم اس روز گھر میں موجود نہیں تھیں جب لڑائی جھگڑے کے بعد میری موکل روٹھ کر اپنے میکے چلی گئی تھی۔ اتفاق سے اس روز بھی تم چھٹی پر تھیں جب امتیاز کے قتل والا واقعہ پیش آیا لیکن تم بآسانی یہ بتا سکتی ہو کہ روٹھ کر میکے جانے سے پہلے اور میکے سے واپس آنے کے بعد ملزمہ کے رویے میں کوئی فرق تم نے محسوس کیا یا نہیں؟''

اس نے اثبات میں سر ہلایا اور بولی۔ ''میں نے رابعہ بی بی کے رویے میں خاص فرق محسوس کیا تھا۔''

''مثلاً کیسا فرق؟''

''اب وہ پہلے کی طرح مغرور نہیں رہی تھیں۔'' اس نے جواب دیا۔ ''بلکہ سب کے ساتھ گھل مل کر رہ رہی تھیں۔''

''اس کی کوئی خاص وجہ؟''

''کیا بتاؤں جی، جتنے منہ اتنی باتیں ہیں۔'' وہ سادگی سے بولی۔ ''میں نے تو یہاں تک بھی سنا ہے، ملزمہ چوں کہ مقتول سے انتقام لینا چاہتی تھی اس لیے اس میں انکسار اور لہجے میں مٹھاس آ گئی تھی۔''

''تم دوسروں کی باتیں چھوڑو، صرف اپنے منہ کی کہو۔'' میں نے کہا۔ ''تمہارے خیال میں ملزمہ کے رویے میں تبدیلی کی کیا وجہ تھی؟''

وہ سوچتے ہوئے بولی۔ ''میں یہ سمجھتی ہوں کہ اسے اپنی غلطی کا احساس ہو گیا تھا اور وہ اس کی تلافی کیلئے نہایت ہی نرم اور شائستہ ہو گئی تھی۔''

''تم کون سی غلطی کا ذکر کر رہی ہو؟''

وہ بولی۔ ''وہی قیصر والی غلطی۔''

''اس کا مطلب ہے۔'' میں نے جلدی سے کہا۔ ''تم اس خیال سے اتفاق نہیں کرتی ہو کہ ملزمہ نے محض مقتول سے انتقام لینے کیلئے اپنا رویہ بدلا تھا؟''

''ہاں، میں تو ایسا نہیں سمجھتی۔'' وہ سنجیدگی سے بولی۔

میں نے ایک بات خاص طور پر محسوس کی کہ نوری خاصے محتاط رویے کا مظاہرہ کر رہی تھی۔ وہ رابعہ اور قیصر والے معاملات سے زیادہ کسی دوسرے موضوع پر کھل کر نہیں بولتی تھی۔ پتا نہیں، یہ اس کی محتاط روی تھی یا وہ سوچ سمجھ کر ایسا کر رہی تھی مگر وکیل استغاثہ کے ایک سوال کے جواب میں اس نے میری موکل کو امتیاز کی موت کا ذمہ دار ٹھہرایا تھا چنانچہ میں نے تیز اور چبھتے ہوئے لہجے میں گواہ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

''نوری! تھوڑی دیر پہلے تم نے وکیل استغاثہ کی جرح کے جواب میں ملزمہ کے کردار کی وضاحت کرتے ہوئے بتایا تھا' قیصر سے اس کے تعلقات کسی بھی طور پر سراہے جانے کے قابل نہیں اور...... اس نے امتیاز صاحب کو زہر دے کر موت کے منہ میں جو دھکیلا ہے اس عمل سے اس کے کردار کے تعارف کی ضرورت باقی نہیں رہتی اور اب!'' میں نے ذرا توقف کرنے کے بعد کہا۔ ''تم کہہ رہی ہو کہ تم ایسا نہیں سمجھتی ہو کہ ملزمہ نے محض مقتول سے انتقام لینے کیلئے اپنا رویہ بدلا تھا۔ تمہارے دونوں بیانات میں کھلا تضاد موجود ہے لہٰذا معزز عدالت کو بتاؤ کہ تمہارے کس بیان کو درست مانا جائے؟''

وہ گڑبڑا گئی تاہم جلد ہی اس نے اپنی گڑبڑاہٹ پر قابو پالیا اور رک رک کر بتانے لگی۔

''میں...... نے...... وکیل استغاثہ کو جو بھی جواب دیا تھا وہ بالکل ٹھیک ہے۔ میں ایسا ہی سمجھتی ہوں کہ رابعہ بی بی نے امتیاز صاحب کو موت کے منہ میں دھکیلنے کیلئے دودھ میں زہریلی دوا ملا کر دی تھی۔''

''اور یہ جو تم نے ابھی تھوڑی دیر پہلے کہا کہ تم ایسا نہیں سمجھتی ہو کہ ملزمہ نے مقتول سے انتقام لینے کیلئے اپنا رویہ بدلا تھا' اس کی کیا تک ہے؟'' میں نے جارحانہ رویہ اختیار کرتے ہوئے پوچھا۔

''میں دراصل...... آپ کی بات کو پوری طرح سمجھ نہیں پائی تھی۔'' اس نے مکاری سے کہا۔

''آپ نے اپنی بات ہی اتنی گھما پھرا کر کی تھی کہ میرا دماغ چکرا گیا اور پتا نہیں' میں کیا کہہ بیٹھی۔''

بات ختم کر کے وہ امداد طلب نظر سے وکیل استغاثہ کو دیکھنے لگی۔

وکیل استغاثہ نے اپنا فرض نبھاتے ہوئے کہا۔ ''جناب عالی! گواہ کا مؤقف اب بھی یہی ہے کہ ملزمہ نے مقتول کو موت کے گھاٹ اتارنے کیلئے اس دودھ کو زہریلا بنا دیا تھا۔''

میں نے نوری کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ ''اب تم اس بیان پر ثابت قدم رہو گی؟''

وہ اثبات میں سر ہلا کر رہ گئی۔

میں نے پوچھا۔ ''کیا تم نے خود اپنی آنکھوں سے ملزمہ کو دودھ میں زہریلی دوا ملاتے ہوئے دیکھا تھا؟''

گواہ نوری کا جھوٹ بالکل کھل چکا تھا۔ جج نے تھوڑی دیر پہلے اسے ناگوار نظر سے گھورا بھی تھا۔ میں چور کو اس کے گھر تک پہنچانے کا ارادہ کر چکا تھا تاکہ جج پر واضح کر سکوں کہ میری موکل بے قصور ہے۔ اسے قتل جیسے مقدمے میں ملوث کرنے کیلئے ایک سوچی سمجھی سازش کا سہارا لیا گیا ہے۔

نوری میرا سوال سن کر تڑپ اٹھی اور جلدی سے بولی۔ ''میں بھلا کیسے دیکھ سکتی ہوں۔ اس رات تو میں اپنے گھر پر تھی۔ جمعہ کو میں چھٹی کرتی ہوں اور یہ واقعہ جمعہ اور ہفتہ کی درمیانی رات میں پیش آیا تھا۔''

میں نے ڈانٹ سے مشابہ انداز میں کہا۔ ''جب ایک عمل تم نے اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھا

تو پھر اس کے بارے میں اتنے وثوق سے کس طرح کہہ سکتی ہو؟''

میں جال میں آئے ہوئے شکار کو بچنے کا کوئی موقع نہیں دینا چاہتا تھا۔ نوری نے متذبذب انداز میں جواب دیا۔

''ایک میں کیا' گھر کے تمام افراد ہی ایسا سمجھ رہے تھے اور کہہ بھی رہے تھے۔''

یہ ایک احمقانہ جواب تھا۔ میں نے سخت لہجے میں کہا۔ ''میں تم سے پہلے بھی کہہ چکا ہوں کہ تم دوسروں کی بات نہ کرو' صرف اپنی کہو۔ دوسروں میں سرفہرست مقتول کی والدہ اور بڑا بھائی ہیں۔ وہ کچھ بھی کہہ سکتے ہیں۔''

''میں نے تو ان ہی کی بات پر یقین کیا تھا۔'' اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا جواب دے۔

میں نے کہا۔ ''اس کا یہ مطلب ہوا کہ تم نے اپنی آنکھوں سے ملزمہ کو دودھ میں زہریلی دوا ملاتے ہوئے نہیں دیکھا تھا؟''

''ظاہری بات ہے۔'' وہ مبہم انداز میں بولی۔

''اس سے پہلے بھی تم نے ملزمہ کو قیصر سے باقاعدہ ملتے جلتے نہیں دیکھا تھا۔'' میں نے چبھتے ہوئے انداز میں کہا۔ ''مگر تم نے اندازہ لگا لیا کہ ان دونوں کے درمیان کوئی زبردست سیٹنگ چل رہی ہے۔ کیا تم کوئی قیافہ شناس ہو یا تم نے تھوک کے حساب سے جھوٹ بولنے کا تہیہ کر رکھا ہے؟''

وہ شرمندہ سی صورت بنا کر مجھے تکنے لگی۔

میں نے توجہ طلب نظر سے جج کو دیکھا۔ وہ پرمعنی انداز میں سر ہلانے لگا۔

میں دوبارہ گواہ نوری کی جانب متوجہ ہو گیا اور جرح کے سلسلے کو آگے بڑھاتے ہوئے سوال کیا۔ ''ملزمہ رابعہ اور میری موکل کی دوبارہ اپنی سسرال میں واپسی تمہیں کیسی لگی تھی؟''

یہ ایک سوال برائے سوال تھا۔ وہ جز بز ہوتے ہوئے بولی۔ ''آں...... اچھی لگی تھی۔''

میں نے پوچھا۔ ''مقتول کتنے عرصے سے مرگی کے مرض میں مبتلا تھا؟''

''میرے آنے سے پہلے وہ بیمار تھے۔'' اس نے جواب دیا۔ ''مجھے پتا چلا تھا کہ وہ لگ بھگ آٹھ سال سے اس مرض کا شکار تھے۔''

''مقتول کے کمرے میں دودھ کون پہنچاتا تھا؟''

''اپنی موجودگی میں تو میں خود ہی پہنچاتی تھی...... یا پھر رابعہ بی بی دے آتی تھی۔''

''اور تمہاری چھٹی کے روز یہ فریضہ کون نبھاتا تھا؟''

''ظاہر ہے' اس دن یہ کام ملزمہ کو ہی کرنا ہوتا تھا۔''

میں نے پوچھا۔ ''وقوعہ کے روز دودھ والا گلاس مقتول کے کمرے میں کس نے پہنچایا تھا؟''

یہ سوال میں نے ایک خاص مقصد کے تحت کیا تھا۔ اس نے جواب دیا۔ ''رابعہ بی بی نے۔''
میں نے کہا۔ ''ظاہر ہے' یہ بھی تمہارا اندازہ ہی ہوگا کیوں کہ اس روز تو تمہاری چھٹی تھی؟''

وہ چند لمحے سوچنے کے بعد بولی۔ ''یہ میرا اندازہ نہیں' نہ ہی میں نے خود اپنی آنکھوں سے رابعہ کو امتیاز کے کمرے میں جاتے دیکھا تھا۔''

''پھر تمہاری معلومات کا ذریعہ کیا ہے؟'' میں نے تیز آواز میں سوال کیا۔ ''کیا تم یہ کہنا چاہتی ہو کہ تمہیں غائب کی باتیں معلوم ہونے لگی ہیں۔''

''نہیں' ایسی کوئی بات نہیں۔'' وہ قطعیت سے بولی۔ ''مجھے اس بارے میں افتخار حسین نے بتایا تھا۔ صدیقہ بیگم نے اس کی تصدیق بھی کی تھی۔

رابعہ مجھے بتا چکی تھی کہ وقوعہ کے روز دودھ کا گلاس امتیاز کے کمرے میں افتخار نے پہنچایا تھا۔ جب سے وہ دوبارہ سسرال میں آئی تھی اس نے امتیاز کے کمرے میں جانا چھوڑ دیا تھا یا پھر اس وقت جاتی تھی جب وہاں گھر کا کوئی اور فرد بھی موجود ہو لیکن نوری سراسر غلط بیانی سے کام لیتے ہوئے بتا رہی تھی کہ امتیاز کو دودھ پہنچانے یا تو وہ جاتی تھی یا پھر رابعہ۔ اس دروغ گوئی کا ایک ہی مطلب تھا کہ استغاثہ نے اسے یہ بیان اچھی طرح رٹوایا تھا۔

مزید دو چار سوالات کے بعد میں نے جرح ختم کر دی۔ گواہی کیلئے اگلی باری افتخار کی تھی۔ وہ اس وقت عدالت کے برآمدے میں موجود تھا۔ واضح رہے کہ عدالت کے کمرے میں ایک وقت صرف ایک گواہ کی گواہی لی جاتی ہے تاکہ اس کے بیان سے دوسرے گواہ لاعلم رہیں اور ان کی گواہی متاثر نہ ہو۔

جج نے تشویشناک نظر سے دیوار گیر کلاک کو دیکھا۔ عدالت کا مقررہ وقت ختم ہونے میں صرف پانچ منٹ باقی تھے۔ اس دوران میں افتخار کی گواہی نہیں لی جا سکتی تھی لہٰذا جج نے آئندہ کی تاریخ دے کر عدالت برخاست کر دی۔

☆......☆......☆

افتخار کی عمر لگ بھگ اڑتیس سال رہی ہوگی۔ وہ گواہی دینے عدالت پہنچا تو خاصا سنجیدہ دکھائی دے رہا تھا۔ میں نے اسے ایک آدھ مرتبہ پہلے دیکھا تھا اور اس وقت وہ مجھے اتنا سنجیدہ اور خاموش طبع نہیں لگا تھا۔

سچ بولنے کا حلف اٹھانے کے بعد اس نے اپنا بیان ریکارڈ کرایا۔ یہ اس بیان سے ملتا جلتا تھا جو وہ پہلے پولیس کو دے چکا تھا۔ گواہ کے مطابق ملزمہ سے اس کی شادی اس کی مرضی کے خلاف ہوئی تھی۔ اس نے محض باپ کی عزت رکھنے کیلئے وہ شادی کی تھی شاید یہی وجہ تھی کہ میاں بیوی میں وہ انڈرسٹینڈنگ پیدا نہیں ہو سکی جو اس رشتے کا خاصا ہے۔ افتخار نے ملزمہ کی چڑچڑی طبیعت کا بھی

تذکرہ کیا اور اس واقعہ کو بڑھا چڑھا کر پیش کیا جب میری موکل روٹھ کر اپنے میکے چلی گئی تھی۔ یہ بات واضح نظر آئی تھی کہ وہ بیوی کے خلاف اپنے بھائی کی حمایت پر کمربستہ تھا۔ شروع سے آخر تک رابعہ کیلئے اس کا رویہ انتہائی افسوسناک اور دشمنانہ تھا۔ یوں دکھائی دیتا تھا جیسے وہ جلد از جلد اپنی بیوی سے جان چھڑانے کا ارادہ رکھتا ہو۔

گواہ اور اس مقدمے کے مدعی کا بیان ریکارڈ ہو چکا تو وکیل استغاثہ مختلف سوالات سے اس کے بیان کی توثیق میں اپنی پیشہ ورانہ صلاحیتوں کو آزماتا رہا۔ اس کی پہلی اور آخری کوشش یہی تھی کہ وہ عدالت کو باور کرا دے' گواہ نے جو بیان دیا ہے اس کا ایک ایک لفظ سچائی سے تراشا گیا ہے۔

آدھے گھنٹے کے بعد جب وکیل استغاثہ اپنی جرح ختم کر کے مخصوص کرسی پر جا بیٹھا تو میں جج سے اجازت حاصل کرنے کے بعد گواہ افتخار کے کٹہرے کے پاس کھڑا ہو گیا۔

''افتخار صاحب!'' میں نے اسے مخاطب کرتے ہوئے پوچھا۔ ''آپ کا پورا نام کیا ہے؟''

اس نے جواب دیا۔ ''افتخار حسین۔''

میں نے کہا۔ ''افتخار حسین! کیا یہ سچ ہے کہ باپ کی وفات کے بعد گارمنٹ فیکٹری کا انتظام و انصرام آپ کے ہاتھ میں آ گیا ہے؟''

''جی ہاں' یہ سچ ہے۔'' اس نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں بتایا۔ ''اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اور کوئی میری مدد کرنے والا ہے بھی نہیں۔ امتیاز اگر تھا بھی تو اس کی صحت اس بات کی اجازت نہیں دیتی تھی کہ وہ کاروباری امور میں میرا ہاتھ بٹا سکے۔''

''گویا آپ ہی فیکٹری اور گھر کے مالک و مختار ہیں؟'' میں نے پوچھا۔

وہ کندھے اچکاتے ہوئے بولا۔ ''ظاہر سی بات ہے۔''

''آپ کے بیڈروم میں سرخ جلد والی ایک ڈائری موجود ہے۔'' میں نے اس کے چہرے پر نگاہ جماتے ہوئے کہا۔ ''جس میں آپ اپنی دن بھر کی خاص خاص باتیں سونے سے پہلے مختصراً درج کر دیتے ہیں۔ یہ ایک طرح سے آپ کا معمول بھی ہے؟''

وہ جواب دینے کے بجائے الٹا مجھ سے پوچھنے لگا۔ ''آپ کو یہ بات کس نے بتائی ہے؟''

مجھے اس ڈائری اور افتخار کی عادت کے بارے میں رابعہ سے معلوم ہوا تھا۔ اس ڈائری کے حوالے سے رابعہ نے اور بھی بہت سی باتیں مجھے بتائی تھیں جبھی میں اس سلسلے میں گواہ سے استفسار کر کے اپنا کیس پکا کر رہا تھا۔

میں نے گواہ کو ڈانٹتے ہوئے سخت لہجے میں کہا۔ ''تم سوال نہیں کرو' میں نے جو پوچھا ہے' اس کا جواب دو۔ کیا تم سرخ جلد والی کسی ایسی ڈائری کی اپنے بیڈروم میں موجودگی سے انکاری ہو جو ''بی بی ایس'' والوں کی شائع کردہ ہے؟ اور جس میں تم اپنی روزمرہ کی یادداشتیں تحریر کرتے رہتے

ہو؟''

وہ چند لمحے تشویشناک انداز میں سوچتا رہا۔ میں نے کہا۔''اگر تم نے انکار میں جواب دیا تو تمہارے بیڈروم کی باقاعدہ تلاشی بھی لی جاسکتی ہے۔''

جج اور وکیل استغاثہ سمیت تمام حاضرین عدالت میں میری جرح کے انداز پر حیران تھے یہ ایک انتہائی غیر روایتی سی جرح تھی۔ بالآخر جج نے مجھ سے پوچھ ہی لیا۔

''بیگ صاحب! کیا مذکورہ ڈائری کا زیر سماعت کیس سے کوئی تعلق ہے؟''

''بہت گہرا تعلق ہے جناب عالی!'' میں نے مؤدبانہ انداز میں کہا۔''یہ ڈائری اس کیس میں ریڑھ کی ہڈی جیسی حیثیت رکھتی ہے۔''

''کیا ہے اس ڈائری میں؟'' جج نے مجھ سے استفسار کیا۔

میں نے کہا۔''جناب عالی! ایک مصلحت کے تحت ابھی میں اس بات کو کھولنا نہیں چاہتا۔''

جج نے یہ سنتے ہی گواہ کو ہدایت کی کہ وہ میرے سوال کا جواب ''ہاں'' یا ''نہ'' میں دے۔ اس کے ساتھ ہی یہ بات واضح کر دی کہ انکار کی صورت میں اس کی خانہ تلاشی کے احکام جاری کر دیئے جائیں گے۔

وہ چوہے دان میں پھنسے ہوئے کسی ستم رسیدہ چوہے کی مانند اپنے حمایتی وکیل کو دیکھنے لگا۔ وکیل استغاثہ بذات خود حیرت کے سمندر میں غوطے کھا رہا تھا' وہ گواہ کی کیا دادرسی کرتا۔ چوں کہ جج کی طرف سے ہدایت جاری ہوئی تھی اس لیے افتخار کو جواب دیتے ہی بنی۔

''اس نے بتایا۔''جس ڈائری کا آپ تذکرہ کر رہے ہیں وہ اس وقت بھی میرے بیڈروم میں موجود ہے اور ڈائری لکھنا کوئی جرم نہیں۔''

''بے شک! یہ فعل کسی بھی صورت جرائم کی فہرست میں نہیں آتا۔'' میں نے تائیدی انداز میں کہا۔''لیکن اگر یہ ڈائری اچانک آپ کے بیڈروم سے غائب ہوگئی تو پھر آپ کو مجرم سمجھا جائے گا۔ اس ڈائری کی حفاظت اب آپ ہی پر واجب ہو چکی ہے۔''

افتخار حسین الجھن زدہ نظر سے مجھے دیکھنے لگا۔ وہ قطعاً یہ بات نہیں سمجھ سکتا تھا کہ میں نے ڈائری کی حفاظت والی بات کس مقصد کے تحت کی تھی۔ اسے اگر اس سلسلے میں ذرا سا بھی کھٹکا ہوتا یا وہ میرے عزائم سے آگاہ ہوتا تو پہلی فرصت میں وہ ڈائری کے وجود سے انکاری ہو جاتا۔ میں نے جو کچھ سوچ رکھا تھا اس طرف ابھی تک اس کا ذہن گیا نہیں تھا اور اگر اب وہ اس بارے میں سوچ بھی لیتا تو کوئی فرق نہیں پڑتا۔ سرخ ڈائری کی حفاظت اس کے ذمے تھی اور یہ بات اس کیس کے منصف کے روبہ رو طے پائی تھی۔ اس ڈائری کی اہمیت سے صرف دو افراد واقف تھے۔ ایک میں اور دوسری میری موکل رابعہ۔ فی الحال میں مصلحت کے پیش نظر کسی تیسرے فرد کو اس راز میں شریک نہیں کرنا

چاہتا تھا۔ میں استغاثہ کے گواہ افتخار حسین کی جانب متوجہ ہوگیا۔ اب میری جرح کا انداز بالکل مختلف تھا۔

''افتخار صاحب!'' میں نے گواہ کو مخاطب کرتے ہوئے پوچھا۔''ملزم اور مقتول کے درمیان کشیدگی کا سبب آپ کے نزدیک کوئی قیصر نامی شخص ہے مگر ملزمہ اس سبب کو مقتول کی دست درازی پر محمول کرتی ہے۔ میری موکل کے مطابق اگر وہ مقتول کی بات مان لیتی اور اس کا ساتھ دینے کو تیار ہو جاتی تو قیصر نامی شخص کے فرضی حوالے سے اس پر ایک ناکردہ فعل کا الزام عائد نہ کیا جاتا......''

وہ میرا جملہ پورا ہونے سے پہلے ہی بول اٹھا۔''قیصر کوئی فرضی کردار نہیں وکیل صاحب! یہ شخص ہمارے سامنے والے بنگلے میں رہتا ہے۔''

میں نے اس کی کج فہمی دور کرتے ہوئے کہا۔''میں نے اس کردار کو فرضی نہیں کہا بلکہ اس کے حوالے کو فرضی کہا ہے۔ شاید آپ نے میری بات غور سے نہیں سنی۔''

''میں نے آپ کی بات پوری توجہ سے سنی ہے۔'' وہ فخریہ انداز میں بولا۔''قیصر نہ کوئی فرضی کردار ہے اور نہ اس کا حوالہ بوگس ہے۔''

میں گواہ کو جس طرف کھلانا چاہتا تھا وہ اسی طرف موو کر چکا تھا۔ میں نے اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہا۔''اس کا مطلب ہے' آپ کو اس بات کا یقین تھا کہ آپ کی بیوی سامنے والے قیصر سے ملوث ہو چکی ہے؟''

''یقین نہ کرنے والی کون سی بات ہے۔'' وہ عجیب سے لہجے میں بولا۔''ہماری نوری نامی ملازمہ اور خود میرے بھائی امتیاز نے ان دونوں کو ایسی حرکتیں کرتے ہوئے دیکھا تھا جو شرفا کے نزدیک معیوب سمجھی جاتی ہیں۔''

میں نے استہزائیہ انداز میں کہا۔''شرفا کا لفظ آپ نے خوب استعمال کیا ہے۔''

وکیل استغاثہ فوراً بیچ میں کود پڑا۔''وکیل صاحب! کیا آپ کو میرے گواہ کی شرافت پر کوئی شک ہے؟''

''بہ خدا' مجھے ان کے شریف ہونے پر کوئی اعتراض نہیں۔'' میں نے سرسری انداز میں کہا۔''میں تو صرف یہ واضح کرنا چاہتا ہوں کہ شرفا کے یہاں اول تو اس نوعیت کے امراض پھوٹتے ہی نہیں اور اگر ایسا کوئی ناگوار واقعہ سامنے آ ہی جاتا ہے تو اسے افہام و تفہیم سے نمٹایا جاتا ہے۔ معاملے کی تصدیق کیے بغیر فریق ثانی کو گناہ گار نہیں ٹھہرایا جاتا پھر اگر فریق ثانی واقعی قصوروار ثابت ہو جائے تو بھی اسے اصلاح کا موقع دیا جاتا ہے۔''

افتخار نے تیز لہجے میں کہا۔''میں نے رابعہ کو ایسا موقع فراہم کیا تھا۔''

''میں آپ کی بات کو سمجھ نہیں پایا ہوں۔'' میں نے کہا۔

"کیا آپ نے اس کے مبینہ جرم کی تصدیق کی تھی؟"

"کیسی تصدیق؟" وہ اکھڑے ہوئے لہجے میں بولا۔

میں نے کہا۔ "آپ نے قیصر سے استفسار کیا تھا؟"

"مجھے کیا ضرورت پڑی تھی اس کے منہ لگنے کی۔" وہ ترش لہجے میں بولا۔ "جب اپنا مال ہی ٹھیک نہ ہو تو دوسرے کو کیا دوش دیں۔"

اس کے خبیثانہ رویے نے مجھے کوفت میں مبتلا کر دیا۔ میں نے سخت لہجے میں پوچھا۔ "افتخار صاحب! یہ شادی آپ کی مرضی کے خلاف ہوئی تھی۔ بعد میں بھی آپ دونوں کے درمیان انڈر سٹینڈنگ پیدا نہ ہو سکی۔ آپ نے اپنی بیوی کو کبھی پسندیدگی کی نظر سے نہیں دیکھا پھر آپ کے بقول اس کا گھناؤنا کردار آپ کے سامنے آیا جس کی بنا پر ابھی آپ نے اسے "خراب مال" قرار دیا۔"

میں ایک لمحہ سانس لینے کے لیے رکا پھر بات جاری رکھتے ہوئے کہا۔ "اس صورتحال میں تو آپ کو چاہیے تھا کہ پہلی فرصت میں ملزمہ کو اپنی زندگی سے علیحدہ کر دیتے مگر آپ تو اسے لینے سیدھے پاپوش نگر جا پہنچے نہ صرف جا پہنچے بلکہ آپ نے اپنے سابقہ رویے پر ندامت کا اظہار بھی کیا۔"

وہ چیخ سے مشابہ آواز میں بولا۔ "یہ جھوٹ ہے' بالکل جھوٹ ہے۔ میں نے جو کچھ کہا ہے وہ حق اور سچ تھا۔ مجھے اپنے کسی عمل پر پشیمانی یا ندامت کے اظہار کی ضرورت نہیں تھی۔ یہ پروپیگنڈا اختر حسین کا ہے کہ میں خود چل کر اس کے پاس پہنچا تھا جب کہ حقیقت یہ ہے کہ اسی کی منت خوشامد سے مجبور ہو کر میں پاپوش نگر رابعہ کو لینے گیا تھا اور رابعہ نے واضح الفاظ میں مجھ سے وعدہ کیا تھا کہ آئندہ کسی قسم کی شکایت کا موقع نہیں دے گی۔"

وہ جوش جذبات میں دروغ گوئی کی انتہا کو چھونے لگا تو میں نے سوالات کا زاویہ تبدیل کرتے ہوئے اس سے پوچھا۔ "افتخار صاحب! آپ کا مقتول بھائی کتنے عرصے سے مرگی جیسے خطرناک مرض کا شکار تھا؟"

وہ سانس درست کرنے کے بعد بولا۔ "پچھلے آٹھ سال سے۔"

"اس نے تعلیم کہاں تک حاصل کی تھی؟"

"وہ ایف اے کے بعد آگے نہیں پڑھ سکا تھا۔" اس نے بتایا۔ "کیوں کہ اسے مرگی کے دورے پڑنے لگے تھے۔ شروع میں ان دوروں میں بہت کم شدت تھی اور ان کا عرصہ بھی یعنی دورانیہ بھی کم تھا پھر علاج شروع ہوا تو یہ دورانیہ بڑھنے لگا اور دوروں کی تعداد کم ہونے لگی۔ اب وہ پہلے والی شدت بھی نہیں رہی تھی۔"

میں نے پوچھا۔ "اس سلسلے میں مقتول کو کون سی ادویات استعمال کرائی گئی تھیں؟"

"اس علاج کا آغاز تو فینوبار بی ٹون سے ہوا تھا۔" اس نے بتایا۔ "بعد میں وقت گزرنے

کے ساتھ ساتھ نسخے میں کمی بیشی ہوتی رہی۔ اس دوران میں امتیاز نے فینوبار بی ٹون کے علاوہ ایپلیم فریزیم' ٹوفرانل اور میگری ٹال بھی استعمال کی ہے۔"

میں نے پوچھا۔ "کیا یہ سچ ہے کہ آخری دنوں میں مقتول کے معالج نے فینوبار بی ٹون بند کر دی تھی؟"

"جی ہاں' یہ بات بالکل درست ہے۔"

"مقتول کے معالج کا نام بتائیں گے آپ؟"

اس نے شہر کے ایک معروف ماہر امراض دماغ یعنی نیورولوجسٹ کا نام بتایا۔ مذکورہ شخص کا اپنا ایک ذاتی پرائیویٹ ہسپتال بھی تھا۔

میں نے پوچھا۔ "افتخار صاحب! کیا آپ کو اس نیورولوجسٹ کی پیشہ ورانہ مہارت اور قابلیت پر بھروسا ہے؟"

"بھروسا تھا تو میں اپنے بھائی کا علاج اس سے کروا رہا تھا نا۔" وہ بگڑے ہوئے لہجے میں بولا۔

میں نے کہا۔ "بھروسا تھا کی نہیں بلکہ بھروسا ہے کی بات کر رہا ہوں۔"

وہ جلدی سے بولا۔ "تھا بھی...... اور ہے بھی۔ وہ بہت ہی ماہر اور تجربہ کار نیورولوجسٹ ہے۔"

"شکریہ افتخار صاحب!" میں نے دوستانہ انداز میں کہا۔

گواہ نے جواب میں حیرت بھری نظر سے مجھے دیکھا۔ اس وقت وکیل استغاثہ بھی الجھن زدہ نگاہ سے مجھے تک رہا تھا۔ دونوں کی سمجھ میں یہ بات نہیں آئی ہوگی کہ میں نے شکریہ کس بات پر ادا کیا تھا۔ میں ان کی ناسمجھی کی پروا کیے بغیر اپنے کام میں مصروف رہا۔

"افتخار صاحب!" میں نے گواہ کو مخاطب کرتے ہوئے استفسار کیا۔ "وقوعہ کی رات مقتول کے کمرے میں دودھ والا گلاس کس نے پہنچایا تھا؟"

"اسی نے اور کس نے۔" اس نے اپنی بیوی' میری موکل اور اس مقدمے کی مبینہ ملزمہ رابعہ کی جانب اشارہ کیا۔ اس اشارے میں بھی نفرت جھلکتی تھی۔

میں نے کہا۔ "میری موکل نے مجھے بتایا ہے کہ وقوعہ کی رات وہ دودھ سے بھرے دو گلاس آپ کے بیڈروم میں لائی تھی۔ ایک آپ کیلئے اور دوسرا آپ کے مقتول بھائی امتیاز کیلئے لیکن وہ مقتول کے کمرے میں نہیں گئی کیوں کہ دوبارہ آپ کے گھر میں واپسی کے بعد سے اس نے مقتول کی تنہائی میں جانے سے اجتناب برتنا شروع کر دیا تھا۔ اس کی درخواست پر آپ دودھ سے بھرا ہوا گلاس لے کر مقتول کے کمرے میں گئے تھے کیوں کہ رات سونے سے پہلے دودھ پیتا آپ دونوں

بھائیوں کا برسوں کا معمول تھا۔ کیا میں غلط کہہ رہا ہوں؟''

''آپ نے جو فرمایا ہے اس میں صرف ایک بات غلط ہے اور وہ یہ کہ دودھ کا گلاس میں نے مقتول کے کمرے میں پہنچایا تھا۔'' وہ ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے بولا۔ ''اور یہ بات اس لیے غلط ہے کہ آپ کو یہ معلومات ملزمہ نے فراہم کی ہیں جو اول درجے کی دروغ گو اور چال باز ہے' وہ میرے بھائی کی قاتل بھی ہے۔''

میں نے کہا۔ کیا آپ اس بات سے انکار کریں گے کہ فینو باربی ٹون کی خالی ہونے والی آخری شیشی ملزمہ نے آپ سے یہ کہتے ہوئے لی تھی کہ وہ اس میں میٹھا سوڈا (سوڈیم بائی کاربونیٹ) رکھے گی۔ اسی مقصد کیلئے وہ اس خالی شیشی کو کچن میں لے گئی تھی مگر شیشی میں میٹھا سوڈا ڈالنے کی نوبت ہی نہیں آئی اور اسے قتل کے الزام میں دھر لیا گیا۔ کچن کیبنٹ سے وہ شیشی بھی برآمد کر لی گئی جس پر اس کی انگلیوں کے نشانات ثبت ہو چکے تھے؟''

اس نے تحمل سے میری بات سنی اور ٹھہرے ہوئے لہجے میں بولا۔ میں عرض کر چکا ہوں کہ آپ کی موکل جھوٹ بولنے کی ماہر ہے۔ اول تو یہ کہ جب امتیاز کی فینو باربی ٹون بند کی گئی تو شیشی آدھی سے زیادہ بھری ہوئی تھی۔ دوم یہ کہ ملزمہ نے میٹھا سوڈا رکھنے کیلئے وہ شیشی مجھ سے مانگی ہی نہیں' یقینی طور پر اس نے مذکورہ شیشی چرائی ہوگی۔''

''کہاں سے چرائی ہوگی؟'' میں نے پوچھا۔

اس نے بتایا ''امتیاز کے کیبنٹ سے جہاں اس کے استعمال کی ادویات رکھی رہتی تھیں۔''

''جب فینو باربی ٹون کا استعمال روک دیا گیا تھا تو پھر وہ دوائیوں والی کیبنٹ میں کیا کر رہی تھی؟'' میں نے استفسار کیا۔

''انڈے دے رہی تھی۔'' وہ بیزاری سے بولا۔ ''میں نے اسے ایک کونے میں رکھ دیا تھا تاکہ اگر معالج دوبارہ اس کے استعمال کی ہدایت کرے تو اسے کام میں لایا جاسکے۔''

میں نے اس کی یاوہ گوئی کا برا منائے بغیر کہا۔ ''کیا مقتول ازخود مقررہ وقت پر دوا استعمال کر لیتا تھا؟''

''میں صبح شام اور رات کو خود اپنے ہاتھ سے اسے دوا کھلاتا تھا۔'' گواہ نے بتایا۔ ''یہ کام امتیاز پر نہیں چھوڑا جاسکتا تھا۔''

میں نے پوچھا۔ ''اگر مقتول کی لاش کے پاس سے اس کا تحریر کردہ ''پیغام'' آپ کے ہاتھ نہ لگتا تو پھر آپ کیا کرتے۔'' ایک لمحے کو رک کر میں نے اپنی بات کی وضاحت کی۔ ''یوں سمجھیں' اگر مقتول اپنی تحریر سے یہ بتانے کی کوشش نہ کرتا کہ اس کے دودھ میں کوئی زہریلی شے ملا دی گئی ہے جو اس کی موت کا سبب بن رہی ہے تو اس صورتحال میں آپ کا ردعمل کیا ہوتا؟''

''ظاہر ہے' ہم اسے امتیاز کی طبعی موت سمجھتے۔'' اس نے عام سے لہجے میں کہا۔ ''وہ آٹھ سال سے بیمار چلا آ رہا تھا۔ تجہیز و تکفین کے بعد خاموشی سے اسے دفن کر دیتے۔ اللہ اللہ' خیر سلا۔''

میں نے پوچھا۔ ''آپ کے خیال میں مقتول نے وہ تحریر چھوڑ کر کوئی غلطی کی تھی یا عقل مندی کا ثبوت پیش کیا تھا۔''

''غلطی کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔'' وہ قطعیت سے بولا۔ ''اس نے ہمیں اپنی موت کے سبب سے آگاہ کر کے نہایت ہی سمجھ داری کا مظاہرہ کیا ہے۔ اگر وہ ایسا نہ کرتا تو آج یہ چال باز عورت ملزموں کے کٹہرے میں کھڑی نظر نہ آتی۔ یہاں کھڑی نظر نہ آتی تو پھر ہمارے گھر میں ہوتی۔ امتیاز کی تو یہ جان لے ہی چکی تھی۔ اس کے بعد میں اس کا نشانہ بنتا۔ پتا نہیں' یہ میرے ساتھ کس قسم کا بھیانک سلوک کرتی۔'' اس نے ایک جھرجھری لی اور بات کو پورا کرتے ہوئے بولا۔ ''ایسی سازشی اور قاتل کو اتنی عبرتناک سزا ملنا چاہیے کہ دوسروں کیلئے مثال قائم ہو جائے۔''

وہ جذبات کی رو اور کدورت کے فلو میں جانے کیا کیا بولتا چلا گیا۔ میں صبر سے اس کی فضولیات سنتا رہا۔ جب اس کی زبان کو بریک لگے تو میں نے جج کی جانب روئے سخن موڑتے ہوئے کہا۔

''دیٹس آل یور آنر!'' مجھے گواہ سے اور کچھ نہیں پوچھنا۔''

جج گردن جھکا کر کافی دیر تک اپنی میز پر پھیلے ہوئے کاغذات کا جائزہ لیتا رہا پھر اس نے دلائل کیلئے تاریخ دے کر عدالت برخاست کرنے کا اعلان کر دیا۔

''دی کورٹ از ایڈ جارنڈ۔''

☆......☆......☆

وکیل استغاثہ نے میری موکل کے خلاف دلائل کا آغاز بڑے دھواں دھار انداز میں کیا اور لگ بھگ ایک گھنٹے تک وہ گھسی پٹی باتوں کو دہرا کر رابعہ کو قاتل ثابت کرنے کی کوشش کرتا رہا۔ جب اس کی تقریر اختتام پر پہنچی تو میں نے اپنی موکل اور اس مقدمے کی ملزمہ رابعہ کی بے گناہی ثابت کرنے کیلئے دلائل دینا شروع کیے۔

میں نے جج کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ ''جناب عالی! میں دلائل کا آغاز کرنے سے پہلے آپ کی اجازت سے انکوائری آفیسر سے چند سوالات کرنا چاہتا ہوں۔''

انکوائری آفیسر حسب معمول عدالت کے کمرے میں موجود تھا۔ جج نے مجھے میرے حسب منشا اجازت دے دی۔ میرے سوالات کوئی نئے نہیں تھے تاہم اس موقع پر یہ دہرائی بہت ضروری تھی۔

جج کی میز کے ایک کونے پر موقعہ سے ملنے والی اشیاء سیلوفین بیگ میں محفوظ پڑی تھیں۔ میں

نے فینو باربی ٹون کی خالی بوتل آفیسر کے سامنے لہراتے ہوئے پوچھا۔

''آئی او صاحب! کیا یہ وہی زہریلی دوا والی خالی بوتل ہے نا جو مقتول کے کچن کیبنٹ سے آپ کو ملی تھی۔ اس پر ملزمہ کے فنگر پرنٹس بھی پائے گئے تھے؟''

''بالکل یہ وہی شیشی ہے۔'' اس نے جواب دیا۔

میں نے کہا۔ ''مدعی افتخار حسین کے مطابق اس شیشی میں آدھی سے زیادہ خطرناک زہریلی گولیاں موجود تھیں جب کہ استغاثہ کے مطابق ملزمہ نے یہی گولیاں مقتول کے دودھ والے گلاس میں گھول کر ملا دی تھیں جس سے اس کی موت واقع ہوئی۔ کیا میں غلط کہہ رہا ہوں؟''

''نہیں' آپ بالکل درست فرما رہے ہیں۔'' وہ تائیدی انداز میں بولا۔

میں نے دوسرا سیلوفین بیگ اٹھالیا۔ اس بیگ میں وہ گلاس محفوظ کیا گیا تھا جس میں مقتول کو دودھ دیا گیا تھا۔ میں نے وہ بیگ انکوائری آفیسر کو دکھاتے ہوئے پوچھا۔ ''کیا اسی گلاس کا زہریلا دودھ پینے سے مقتول کی موت واقع ہوئی تھی؟''

اس نے اثبات میں گردن ہلا دی۔

''اور اس گلاس کے لیبارٹری ٹیسٹ سے یہ بات ثابت ہوئی تھی کہ اس میں موجود دودھ کو زہریلا کرنے کیلئے اس میں فینو باربی ٹون کی بھاری مقدار شامل کی گئی تھی۔ یہی زہر کیمیکل ایگزامنر کی رپورٹ میں بھی ظاہر ہوا تھا؟''

انکوائری آفیسر کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ میں یہ باتیں اس آخری مرحلے میں دوبارہ کیوں دہرا رہا ہوں تاہم اس نے میرے سوال کے جواب میں صرف اتنا کہا۔ ''ہاں۔''

میں نے کہا۔ ''استغاثہ کے ریکارڈ میں مقتول کی آخری تحریر موجود ہے۔ میں آپ کو زحمت دے رہا ہوں آپ بہ آواز بلند وہ مختصر سی تحریر عدالت میں پڑھ کر سنائیں۔''

''اس سے کیا ہوگا؟'' یہ سوال وکیل استغاثہ نے کیا تھا۔

میں نے گول مول جواب دیا۔ ''جو کچھ بھی ہوگا' حاضرین عدالت کے سامنے ہی ہوگا۔''

انکوائری آفیسر نے میری فرمائش پوری کرتے ہوئے مقتول کی زندگی کے آخری لمحات کی شاہکار وہ تحریر بلند آواز میں پڑھ کر سنا دی...... میں مر رہا ہوں...... میرا دم گھٹ رہا ہے۔ جب سے میں نے دودھ پیا ہے' میری طبیعت بہت تیزی سے بگڑ رہی ہے۔ اتنی تیزی سے کہ میں بے بس ہو گیا ہوں اور کمرے سے نکل کر کسی کو اطلاع بھی نہیں دے سکتا اس لیے ٹوٹے ہوئے الفاظ میں اپنی کیفیت بیان کر رہا ہوں...... مجھے شک نہیں بلکہ یقین ہے کہ اس دودھ میں کوئی زہریلی شے ملی ہوئی تھی۔ میں جان ہار رہا ہوں۔ مم...... میں...... مر......''

انکوائری آفیسر نے تحریر ختم کی تو میں نے اس کا شکریہ ادا کیا اور روئے سخن جج کی جانب موڑتے ہوئے دلائل دینا شروع کیے۔

''جناب عالی! میری موکل بے گناہ ہے۔ اسے ایک گہری اور سوچی سمجھی سازش کے تحت قتل کے اس مقدمے میں پھانسنے کی کوشش کی گئی ہے۔ میں ملزمہ کی بیگناہی کو ثابت کرنے کیلئے زیادہ تفصیل میں نہیں جانا چاہتا بلکہ اب تک سماعت شدہ نہایت ہی اہم نکات کو سامنے لاؤں گا۔

''جناب عالی! میری موکل کو قاتل کے مقام تک لانے کیلئے اس کی بے وفائی کو بنیاد بنایا گیا ہے۔ اسے سامنے والے قیصر نامی ایک شخص سے ملوث قرار دیا گیا لیکن کسی کو اتنی زحمت نہ ہوئی کہ مرد مذکورہ سے بھی استفسار کرتا۔ جب ملزمہ نے مقتول کی ناجائز خواہش کو ماننے سے انکار کر دیا تو اس نے الٹا اس پر الزام لگا دیا۔ شروع سے آخر تک اس الزام میں حقیقت کی ایک رمق دکھائی نہیں دیتی۔ ملزمہ کے شوہر نے یہاں تک کہہ دیا کہ جب اپنا ہی مال خراب ہو تو دوسرے کو کیا کہیں۔ افتخار کے اس جملے سے بیوی کیلئے اس کی بدگمانی' دشمنی صاف ظاہر ہوتی ہے جبکہ ساس دور کی کوڑی لائی ہیں کہ ملزم نے اسے پارا کھلا دیا جس کی وجہ سے وہ گٹھیا کی مریض بن گئی۔ گھریلو ملازمہ نوری بھی اپنے دعوؤں کو ثابت نہیں کر سکی بلکہ اس کی گواہی کی گاڑی تو اندازوں کے ایندھن سے چلتی نظر آتی ہے۔ میری موکل پر جو الزامات لگائے گئے ہیں وہ بے بنیاد اور مبنی بر بدنیتی ہیں۔''

ایک لمحے کو میں سانس لینے کی خاطر رکا پھر دلائل کے سلسلے کو آگے بڑھاتے ہوئے کہا۔

''جناب عالی! اب میں نہایت ہی اہم اور نازک معاملات کی طرف آتا ہوں۔ مقتول مرگی کا مریض تھا اور گزشتہ آٹھ سال سے اس کا علاج ہو رہا تھا۔ اس مرض میں جو بھی ادویات استعمال کرائی جاتی ہیں وہ بنیادی طور پر برین فنکشن کو سلو ڈاؤن کرتی ہیں۔ چاہے وہ فینو باربی ٹون ہو یا فنگری ٹال' ایپلیم فریزیم' ٹوفرانل یا میگاڈان ہو۔ برین فنکشن میں سستی نمودار ہوتے ہی مریض ایک خمار یا نیند سی محسوس کرنے لگتا ہے۔ یہ ڈاکٹر کی چابک دستی پر منحصر ہے کہ وہ مریض کی کیفیت کو دیکھتے ہوئے ڈوز کا انتخاب کرے تاکہ دوا مریض پر اثر بھی کرے اور وہ ایک مستقل نیند کی کیفیت میں بھی نہ رہے۔ یہ طے ہے کہ ان ادویات کا اوور ڈوز ہونا خطرناک ہے اور حد سے زیادہ مقدار کا جسم میں اتر جانا موت کا پیغام بر ثابت ہوتا ہے اسی لیے ان پر ''پائزن'' کا لفظ شائع کیا جاتا ہے۔ یعنی ایک حد میں یہ دوا ہے اور حدود کراس کرتے ہی یہ زہر کی شکل اختیار کر لیتی ہیں۔''

میں نے تھوڑا توقف کر کے حاضرین عدالت پر ایک نگاہ ڈالی اور اپنے بیان کو جاری رکھتے ہوئے کہا۔ ''میں نے ابھی جو کچھ بتایا ہے اس میں میرے ذاتی خیالات کو دخل نہیں بلکہ یہ ایک

کنکریٹ میڈیکل ریسرچ ہے اور اس کی تصدیق کے لیے یہاں ایک نیورولوجسٹ بھی موجود ہے۔''

سب نے حاضرین عدالت کو ٹٹولتی ہوئی نظر سے دیکھا' گویا وہ اس وقت ایک دوسرے کو دیکھ رہے تھے۔ میں نے کہا۔'' میں نے جس ہستی کا ذکر کیا ہے وہ عدالت سے باہر ہے اور ضرورت پڑنے پر انہیں اندر بلایا جاسکتا ہے۔ وہ اس شہر کے مشہور و معروف ماہر امراض دماغ ہیں۔''

سب سے زیادہ بے چینی مجھے افتخار حسین کے چہرے پر نظر آئی۔ جج نے مجھے مخاطب کرتے ہوئے پوچھا۔'' بیگ صاحب! آپ اینٹی اپی لیسی میڈی سن کے بارے میں کچھ کہہ رہے تھے؟''

''یس یور آنر!'' میں دوبارہ جج کی جانب متوجہ ہو گیا اور دلائل کے سلسلے کو آگے بڑھاتے ہوئے کہا۔'' کیمیکل ایگزامینر کی رپورٹ کو چیلنج نہیں کیا جاسکتا۔ اس رپورٹ کے مطابق مقتول کی موت فینو باربی ٹون کی بھاری مقدار کے سبب واقع ہوئی ہے۔ پوسٹ مارٹم کی رپورٹ کے مطابق مقتول کی موت کا وقت بارہ سے دو بجے کے درمیان ہے۔ مقتول امتیاز نے کم و بیش رات گیارہ بجے دودھ کا گلاس پیا تھا۔

''جناب عالی! فینو باربی ٹون کی بھاری مقدار نے مقتول کے برین فنکشن کو اس قدر سلو ڈاؤن کر دیا کہ وہ ابدی نیند میں چلا گیا۔ اس طرح گہری نیند کی حالت میں وہ رات بارہ سے دو بجے کے درمیان موت کے منہ میں چلا گیا۔''

''لیکن وہ تحریر......؟'' جج نے جملہ ادھورا چھوڑ کر سوالیہ نظر سے مجھے دیکھا۔

''ہیئر از پوائنٹ یور آنر!'' میں نے جوش بھرے لہجے میں کہا۔

وکیل استغاثہ اور افتخار حسین چونک کر مجھے دیکھنے لگے۔ میں نے ٹھوس انداز اختیار کرتے ہوئے کہا۔'' جناب عالی! اگر کیمیکل ایگزامنر کی رپورٹ کو درست مانا جائے تو پھر مقتول کی موت فینو باربی ٹون کے زہر سے واقع ہوئی ہے۔ اگر ہم کیمیکل ایگزامنر کی رپورٹ کو راست تسلیم کریں گے تو ہمیں یہ بھی ماننا ہوگا کہ مقتول کی موت گہری نیند کے دوران میں کسی وقت اس کا دماغ بند ہونے سے واقع ہوئی ہے۔ ایسی صورت میں مقتول کا کوئی تحریر چھوڑنا سمجھ سے بالاتر اور میڈیکل ریسرچ کے منافی ہے۔ فینو باربی ٹون کے زہر سے ہلاک ہونے والا کوئی بھی شخص اپنی موت کا منظر بیان نہیں کرتا کہ...... میں مر رہا ہوں۔ میرا دم گھٹ رہا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ دودھ میں کوئی زہریلی شے ملا کر مجھے قتل کرنے کی کوشش کی جارہی ہے۔ میں مر رہا ہوں۔ وغیرہ وغیرہ۔

''وہاٹ نان سینس اٹ از۔ آئی سے' آل دس ربش۔''

جج نے بھویں سکیڑ کر وکیل استغاثہ کو دیکھا اور پوچھا۔'' آپ کیا فرماتے ہیں اس سلسلے

میں؟''

وہ'' مم...... میں...... میں۔'' کر کے رہ گیا۔ میں نے کہا۔'' جناب عالی! اگر آپ کی اجازت ہو تو تصدیق کیلئے نیورولوجسٹ کو اندر بلاتا ہوں۔''

جج نے ایک مرتبہ پھر وکیل استغاثہ سے استفسار کیا۔'' آپ اس سلسلے میں تصدیق کی ضرورت محسوس کرتے ہیں یا بیگ صاحب کے دعوے کو آپ نے تسلیم کر لیا ہے؟''

وکیل استغاثہ کی حالت اور چہرے کے تاثرات سے تو یہی لگتا تھا کہ اس کے پاؤں کے نیچے سے زمین کھسک چکی ہے۔ تاہم ایسے وکیل مخالف کا کیا فائدہ جو مخالفت سے باز آ جائے۔ اس نے میری باتوں کی تصدیق کیلئے نیورولوجسٹ کو اندر بلانے کی فرمائش کر دی۔

میرے پیش کردہ ماہر امراض دماغ کو دیکھ کر افتخار حسین کو ذہنی اور جسمانی جھٹکا بیک وقت لگا تھا کیوں کہ یہ وہی ماہر تھا جو مقتول کا معالج رہا تھا۔ میں نے یہ بات معزز عدالت کے ریکارڈ میں نوٹ کروا دی۔ مذکورہ نیورولوجسٹ میرے ایک دوست ڈاکٹر کا قریبی رشتے دار تھا اس لیے میری درخواست اور رابعہ کی مظلومیت کے پیش نظر اس نے اپنے قیمتی وقت میں سے کچھ وقت نکال لیا تھا۔

اس نے گواہوں کے کٹہرے میں آ کر میری باتوں کی تصدیق کی اور جج سے درخواست کی کہ اگر کوئی مزید ضروری بات نہ پوچھنا ہو تو اسے جانے دیا جائے۔ جج نے بخوشی اسے رخصت کی اجازت دے دی۔

جج نے مجھے مخاطب کرتے ہوئے پوچھا۔'' بیگ صاحب! اگر مقتول کی موت حالت نیند میں واقع ہوئی تو پھر مقتول کی اس تحریر کو کس خانے میں فٹ کریں گے؟''

''اس خانے اور فٹنگ کے بارے میں تو استغاثہ کو بتانا چاہیے۔'' میں نے وکیل استغاثہ اور انکوائری آفیسر کو باری باری دیکھا اور کہا۔'' میں تو صرف اتنی رہنمائی کر سکتا ہوں کہ استغاثہ کو اس فٹنگ کیلئے سرکٹ ڈایا گرام فراہم کر دوں۔''

''آپ اپنی بات کی وضاحت کریں گے بیگ صاحب!'' جج بھی میری معنی خیز گفتگو سے الجھ کر رہ گیا تھا۔

میں نے کھنکار کر گلا صاف کیا اور گمبھیر آواز میں کہا۔'' جناب عالی! مقتول سے منسوب وہ نقلی تحریر کیس فائل میں موجود ہے۔ آپ اس صفحے کا جائزہ لیں تو استغاثہ کے جھوٹ کی قلعی کھل جائے گی۔ مذکورہ صفحہ ظاہر کرتا ہے کہ وہ بائیس اگست سے متعلق امور کے اندراج کیلئے مخصوص تھا۔''

جج نے فوراً اس صفحے کا سرسری معائنہ کیا اور کہا۔'' یہ تو کسی ڈائری سے پھاڑا یا نکالا گیا

ہے۔“

”ایگزیکٹلی یور آنر۔“ میں نے اپنی فائلوں پر ہاتھ مارتے ہوئے پرجوش انداز میں کہا۔”یہ صفحہ واقعی ایک ڈائری سے نکالا گیا ہے۔ایسی ڈائری سے جو بی ایس والوں کی شائع کردہ ہے۔اس کی جلد سرخ ہے اور استغاثہ کا معزز گواہ بتا چکا ہے کہ وہ ڈائری اس کے بیڈروم میں موجود ہے جس میں وہ اپنی روزمرہ کی یادداشتیں رقم کرتا ہے۔“ میں نے رک کر طنزیہ نظر سے عدالت میں موجود افتخار حسین کو دیکھا اور کہا۔”مقتول سے منسوب اس‘ موت کی منظرکشی کرنے والی تحریر کے بارے میں اس کا بڑا بھائی افتخار حسین ہی کوئی وزنی بات بتا سکتا ہے۔اس شخص کو یہ اعزاز بھی حاصل ہے کہ مقتول سے اس کی زندگی میں ملنے والا یہ آخری آدمی ہے کیوں کہ وقوعہ کی رات سونے سے پہلے اسی نے دودھ کا گلاس مقتول تک پہنچایا تھا۔“ ڈائری کے صفحے والی بات مجھے رابعہ کی زبانی معلوم ہوئی تھی۔

وکیل استغاثہ نے آخری کوشش کے طور پر ایک کمزور سا اعتراض اٹھایا۔”میرے فاضل دوست! آپ جس ڈائری کی گواہ کے پاس موجودگی کا ذکر کررہے ہیں وہ اکلوتی شائع نہیں ہوئی ہوگی اور بھی ہزاروں لوگوں کے پاس اس قسم کی ڈائریاں ہوں گی۔“

”ہوں گی...... یقیناً ہوں گی۔“ میں نے تصدیقی انداز میں کہا۔”لیکن ان کا بائیس اگست کیلئے مخصوص صفحہ غائب نہیں ہوگا۔“ میں نے یک لمحے کے توقف سے اضافہ کیا”ہاتھ کنگن کو آرسی کیا ہے‘ پڑھے لکھے کو فارسی کیا ہے۔معزز عدالت کی ہدایت پر گواہ افتخار حسین نے اپنی مذکورہ ڈائری کو محفوظ رکھا ہوگا۔اس کی ڈائری کو دیکھ کر دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی بآسانی کیا جاسکتا ہے۔“

جج نے عدالت کے کمرے میں موجود افتخار حسین کی جانب نظر دوڑائی۔شاید وہ اس سے ڈائری کے سلسلے میں استفسار کرنا چاہتا تھا لیکن افتخار تھوڑی دیر پہلے جہاں موجود تھا اب وہاں دکھائی نہیں دے رہے تھا۔پتا نہیں‘ کس وقت وہ چپکے سے کھسک لیا تھا۔

اس بھگوڑے کے اچانک غائب ہو جانے سے ہمارے لیے صورتحال مزید بہتر ہوگئی۔جج نے متعلقہ عدالتی عملے‘ انکوائری آفیسر اور وکیل استغاثہ سے واضح طور پر کہہ دیا کہ آئندہ پیشی پر مفرور افتخار حسین کو عدالت میں پیش کیا جائے تاکہ اس کیس کا آخری کانٹا بھی نکال لیا جائے۔آئندہ پیشی کی تاریخ دو روز بعد کی تھی۔

☆......☆......☆

گزشتہ پیشی پر افتخار حسین نے جس رویے کا مظاہرہ کیا تھا اس نے اس کی ذات کو شکوک و شبہات کی دبیز چادر میں لپیٹ دیا تھا۔پولیس نے آئندہ پیشی سے پہلے ہی اسے اپنی تحویل میں لے

کر حقیقت حالات اگلوا لی۔چنانچہ دو روز بعد معمولی سی کارروائی کے بعد میری موکل رابعہ کو قتل کے اس جھوٹے مقدمے سے بری کر دیا گیا۔

افتخار نے پولیس کسٹڈی میں اقرار جرم کرلیا۔وہ لالچی طبیعت کا مالک ایک حریص شخص تھا۔چھوٹے بھائی کی طویل بیماری کو وہ خود پر ایک بوجھ سمجھتا تھا۔اس کے ساتھ ساتھ وہ اپنی بیوی سے بھی چھٹکارا چاہتا تھا۔اس کی نظر فیکٹری اور بنگلے پر لگی تھی۔ماں چند دن کی مہمان تھی۔اس نے مال و جائیداد کے لالچ میں اپنے بھائی کی جان لے لی اور قاتل کے طور پر اپنی بیوی کو”نامزد“ کرنے کی پوری کوشش کی تھی مگر اس کا یہ خواب پورا نہ ہو سکا۔بالآخر وہ اپنے ہی پھیلائے ہوئے جال میں پھنس کر جیل کی سلاخوں کے پیچھے پہنچ گیا۔

ہم جو کچھ دیکھ رہے ہوتے ہیں‘ یہ ضروری نہیں کہ سب کچھ ایسا ہی ہو۔انسان بڑی حیرت انگیز مخلوق ہے۔ہر چہرے کے پیچھے ایک دوسرا چہرہ پوشیدہ ہے جو کچھ آئینے میں ہمیں نظر آتا ہے‘ اس سے کہیں زیادہ اور مختلف پس آئینہ بھی موجود ہوتا ہے۔دولت کی ہوس انسان کے چہرے کو اس قدر مسخ کردیتی ہے کہ آئینے میں اس کا عکس نہیں ابھرتا۔

☆......☆......☆

خارِ ہوس

وہ جنوری کے ابتدائی ایام تھے۔ ہلکی ہلکی سردی شروع ہو چکی تھی۔ دن خاصے خوشگوار اور رات خنک ہو جاتی تھی۔ حسبِ معمول ایک صبح میں تیار ہو کر دفتر جانے کیلئے گھر سے نکل ہی رہا تھا کہ میرے رہائشی فون کی گھنٹی بج اٹھی۔

میں نے بریف کیس کو سائیڈ ٹیبل پر رکھا اور ریسیور اٹھا کر کان سے لگا لیا پھر ماؤتھ پیس میں ہلکے سے کہا۔ ''ہیلو!''

''ہیلو بیگ صاحب!'' دوسری جانب سے استفسار کیا گیا۔

''جی' میں مرزا امجد بیگ بات کر رہا ہوں۔''

''بیگ صاحب! آپ نے مجھے پہچانا؟''

وہ آواز تو مجھے شناسا سی محسوس ہو رہی تھی تاہم ابھی تک میں اس آواز کے حامل شخص کو پہچان نہیں پایا تھا۔ میں نے معذرت آمیز انداز میں کہا۔ ''معاف کیجئے گا' میں واقعی آپ کو نہیں پہچان سکا۔''

''یار! اکثر لوگوں کو کہتے سنا ہے' یہ وکیل حضرات بہت خود غرض اور طوطا چشم ہوتے ہیں۔ اگر کسی سے مطلب نہ ہو تو اسے پہچاننے سے بھی انکار کر سکتے ہیں۔ میں سمجھتا ہوں' ایسا ہرگز نہیں کیوں کہ میں ذاتی طور پر اسی پیشے سے منسلک ہوں۔'' دوسری طرف سے بولنے والے حضرت بات کرتے کرتے بے تکلف ہو گئے اور کہا۔ ''یار بیگ! کیا تم لوگوں کے کہے کو سچ ثابت کر کے دکھانا چاہتے ہو۔ میں تو سمجھ رہا تھا' تم میری آواز سنتے ہی پہچان لو گے۔''

میں نے اس آواز سے حاصل ہونے والے انداز کی بنا پر کہا۔ ''آپ نیازی صاحب تو نہیں ہیں؟''

''بالکل...... تم نے درست اندازہ لگایا ہے۔'' دوسری جانب سے کہا گیا۔ ''میں فاروق نیازی بات کر رہا ہوں۔''

فاروق نیازی صاحب میرے ایک سینئر اور بے تکلف دوست تھے۔ میں نے ان کی دوستی اور صحبت سے بہت کچھ سیکھا تھا۔ پہلے وہ یہیں کراچی میں ہائیکورٹ میں پریکٹس کرتے تھے پھر وہ انگلینڈ چلے گئے اور ہمیشہ کیلئے وہیں کے ہو کر رہ گئے۔ انہوں نے اپنے پیشے کو نہیں چھوڑا تھا اور وہاں ''لیوٹن بیڈز'' میں وکالت جاری رکھی۔ ہمارے درمیان یہ رابطہ کم و بیش بارہ سال بعد ہو رہا تھا۔ رسمی علیک سلیک کے بعد میں نے دوبارہ معذرت کی۔

''سوری نیازی صاحب!'' میں نے قدرے خفیف ہوتے ہوئے کہا۔ ''کافی عرصے کے بعد آپ کی آواز سن رہا ہوں اس لیے پہچاننے میں دقت ہوئی۔ آپ اس وقت کہاں سے بات کر رہے ہیں؟''

''بھئی' میں اسی شہر یعنی کراچی سے بول رہا ہوں۔''

''آپ کب تشریف لائے؟''

انہوں نے بتایا۔ ''چند روز ہی ہوئے ہیں۔''

''کب تک قیام کا ارادہ ہے؟''

''مستقل قیام کے ارادے سے آیا ہوں یار۔''

''تو گویا آپ نے انگلستان کو چھوڑنے کا فیصلہ کر لیا؟'' میں نے کہا۔

''کیا کروں بھائی۔'' وہ قدرے شکستہ لہجے میں بولے۔ ''اولاد جوان ہو گئی ہے۔ خاص طور پر میری بیٹی سن بلوغت کو پہنچ گئی ہے۔ تم وہاں آتے جاتے رہتے ہو۔ وہاں کے ماحول اور قوانین کو بھی جانتے ہو...... اس لیے میری مجبوری کو بھی سمجھ سکتے ہو۔''

''آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں نیازی صاحب!'' میں نے تائیدی انداز میں کہا۔ ''والدین کیلئے جوان اولاد خصوصاً بیٹیوں کا معاملہ بہت نازک ہوتا ہے۔ ہم پاکستان کے پروردہ مسلمان وہ سب کچھ برداشت نہیں کر سکتے جو وہاں کے کلچر' قانون اور ماحول کا خاصا ہے۔''

نیازی صاحب نے ایک طویل سانس خارج کرتے ہوئے کہا۔ ''بس یار! یہی سب جمع تفریق اور ضرب تقسیم کرنے کے بعد میں واپس وطن لوٹ آیا ہوں۔''

''چلیں' آپ نے جو کیا اچھا ہی کیا۔'' میں نے کہا۔ ''ملاقات کیلئے کوئی وقت دیں تاکہ تفصیلی گفتگو ہو سکے۔''

وہ جلدی سے بولے۔ ''ہاں' ہاں۔ تفصیلی ملاقات تو بہت ضروری ہے۔ انشاء اللہ' ہم بہت جلد ایک بھرپور میٹنگ کریں گے۔ فی الحال تو میں نے تمہیں ایک زحمت دینے کیلئے فون کیا تھا۔''

''حکم نیازی صاحب!'' میں ہمہ تن گوش ہو گیا۔

فاروق نیازی نے کہا۔ ''میں دراصل ابھی اپنی سیٹنگ میں مصروف ہوں اس لیے کورٹ

کچہری کے معاملات کو لپیٹ کر رکھا ہوا ہے۔تم چاہو تو میرے کام آ سکتے ہو۔اس طرح تمہارا بھلا بھی ہو جائے گا۔''

''آپ کام کی کچھ تفصیل بتائیں گے۔''

نیازی صاحب نے کہا۔''یار بیگ! میرے ایک دیرینہ رفیق ہیں' داؤد نظامی صاحب۔شہر میں ان کا عالی شان ہوٹل ہے۔انہیں ایک معاملے میں قانونی مدد کی ضرورت ہے۔بے چارے بہت پریشان ہیں۔وہ تو اپنا کیس مجھے دینا چاہتے تھے لیکن میں ابھی کچھ دوسری نوعیت کے معاملات میں الجھا ہوا ہوں۔میں نے سوچا' یہ کیس تمہارے حوالے کر دوں۔ویسے بھی داؤد صاحب کا معاملہ سٹی کورٹ سے متعلق ہے۔''

اپنی بات ختم کرنے کے بعد نیازی صاحب نے داؤد نظامی کے ہوٹل کا نام بتایا۔وہ خاصا معروف اور معیاری ہوٹل تھا۔غیر ملکی سیاح وہاں قیام کو ترجیح دیتے تھے جس سے اس ہوٹل کے بین الاقوامی معیار کی نشاندہی ہوتی تھی۔مجھے خود بھی دو چار مرتبہ اس ہوٹل کے ریسٹورنٹ میں بیٹھنے کا اتفاق ہوا تھا اور میں نے مذکورہ ہوٹل کو اطمینان بخش پایا تھا۔

میں نے کہا۔''میں اس ہوٹل سے اچھی طرح واقف ہوں نیازی صاحب۔'' پھر میں نے پوچھا۔''آپ کے دوست داؤد نظامی کو کس قسم کا مسئلہ درپیش ہے؟''

''کوئی خانگی معاملہ ہے۔'' انہوں نے بتایا۔''تم نظامی صاحب سے مل کر تفصیلی بات کرو۔میں نے ان سے وعدہ کیا ہے کہ آج ہی کسی تجربہ کار اور ماہر وکیل کا بندوبست کر دوں گا۔''

''آپ انہیں میرے دفتر میں بھیج دیں۔'' میں نے کہا۔''میں ان کا مسئلہ دیکھ لیتا ہوں۔''

فاروق نیازی نے کہا۔''یار بیگ! تھوڑا سا وقت تمہیں ہی نکالنا ہوگا۔دن میں کسی وقت تم ہوٹل جا کر داؤد سے مل لو اور کسی قسم کی فکر کی ضرورت نہیں۔داؤد ہاتھ کا خاصا کھلا اور دل کا کشادہ ہے۔تمہاری منہ مانگی فیس اور دیگر اخراجات وہ پیشگی دے دے گا۔میں اس کو اچھی طرح جانتا ہوں۔''

''چلو' کوئی بات نہیں۔'' میں نے مصلحت آمیز انداز میں کہا۔''میں ہی جا کر اپنے ہونے والے کلائنٹ سے مل لیتا ہوں۔''

مزید دو چار باتوں کے بعد نیازی صاحب نے ٹیلی فونک رابطہ موقوف کر دیا۔

میں نے بریف کیس اٹھایا اور گاڑی میں بیٹھ کر اپنے دفتر کی جانب روانہ ہو گیا۔میں عدالت جانے سے پہلے روزانہ اپنے دفتر کا ایک چکر ضرور لگاتا ہوں۔میرا دفتر عدالت سے چند قدم کی دوری پر ہے۔ضروری کاغذات اور فائلیں وغیرہ دیکھنے کیلئے دفتر کو چیک کرنا مفید ثابت ہوتا ہے۔میرے وہاں پہنچنے سے پہلے دفتر کھل جاتا ہے۔میری سیکرٹری اور آفس بوائے وہاں موجود ہوتے

ہیں۔جن دنوں عدالت میں میرے کسی کیس کی ساعت نہیں ہوتی' تب میں صبح ہی سے دفتر میں جم کر بیٹھ جاتا ہوں۔

اس روز بھی عدالت میں میرا کوئی کام نہیں تھا لہٰذا ہوٹل جا کر داؤد نظامی سے ملنا قدرے آسان ہو گیا تھا ورنہ میں دفتری اوقات میں کہیں آتا جاتا نہیں ہوں۔تمام کلائنٹس کو اپنے دفتر میں نمٹاتا ہوں پھر بہت ضروری کہیں جانا پڑ جائے تو دفتر سے اٹھنے کے بعد ہی میں ادھر کا قصد کرتا ہوں۔

دفتر پہنچنے کے بعد میں نے اپنی سیکرٹری کو چند ضروری ہدایات دیں اور داؤد نظامی سے ملنے اس کے ہوٹل کی سمت روانہ ہو گیا۔فاروق نیازی نے مجھے بتایا تھا کہ وہ یعنی داؤد دس بجے تک اپنے ہوٹل پہنچ جائے گا۔مجھ سے بات کرنے کے بعد نیازی صاحب نے فون پر نظامی کو کنفرم بھی کرنا تھا۔

میرے پاس آدھا گھنٹہ تھا۔میں نے سوچا اس دوران میں اس ہوٹل کے ریسٹورنٹ کی رومانٹک فضا سے لطف اندوز ہونا کوئی بری بات نہیں۔

میں علی الصبح بیدار ہو جاتا ہوں چنانچہ ناشتہ بھی بہت جلدی کر لیتا ہوں اس لیے اس وقت ہلکی پھلکی ریفریشمنٹ لی جا سکتی تھی۔میں نے ریسٹورنٹ میں بیٹھ کر اپنے لیے موسم کی مناسبت سے کافی اور چکن سینڈوچ منگوا لیے۔

ٹھیک دس بجے میں نے ایک باوردی ویٹر کو اشارے سے اپنے پاس بلایا اور اپنا وزیٹنگ کارڈ اس کی جانب بڑھاتے ہوئے کہا۔

''میں اس ہوٹل کے مالک داؤد نظامی سے ملنا چاہتا ہوں۔تم میرا کارڈ ان تک پہنچا دو۔''

وہ کارڈ کو بغور دیکھتے ہوئے بولا۔''میں تو داؤد صاحب کے کمرے میں جا نہیں سکتا۔میں یہ کارڈ منیجر صاحب کو دے دیتا ہوں۔''

''ٹھیک ہے' تم اتنا ہی کر دو۔'' میں نے سنجیدگی سے کہا۔

ویٹر کارڈ لے کر چلا گیا۔تھوڑی ہی دیر بعد وہ ہوٹل کے منیجر کے ساتھ واپس میرے پاس آ گیا۔تاہم اس مرتبہ وہ کچھ فاصلے پر کھڑا رہا اور منیجر میرے قریب آ کر نہایت مؤدب انداز میں مستفسر ہوا۔

''سر! آپ کس سلسلے میں داؤد صاحب سے ملنا چاہتے ہیں؟''

اس کے لہجے میں گہری تشویش تھی۔میں نے ٹھہرے ہوئے انداز میں کہا۔''بھئی آج ان سے میرا دس بجے کا اپائنٹ منٹ ہے۔میں ایک ضروری کام کے سلسلے میں ان سے ملنے آیا ہوں۔''

''اوہ!'' منیجر نے ایک سکھ بخش طویل سانس خارج کی۔''تو یہ بات ہے۔میں تو کچھ اور ہی سمجھا تھا۔''

میں نے اس کے چہرے کے تاثرات کو بھانپتے ہوئے کہا۔''تم تو یہی سمجھے ہو گے کہ میں

تمہارے مالک سے کوئی شکایت وغیرہ کرنا چاہتا ہوں۔ ہیں نا؟''

''واقعی سر! میں یہی سمجھا تھا۔'' وہ تائیدی انداز میں بولا۔ ''داؤد صاحب اپنے اصولوں کے بہت سخت ہیں اور کام کے معاملے میں کسی قسم کی بے اعتدالی یا کوتاہی بالکل برداشت نہیں کرتے اس لیے بہت محتاط رہنا پڑتا ہے۔''

میں نے کہا۔ ''تمہیں داؤد نظامی کا اصول پرست ہونا کیسا لگتا ہے؟''

''بہت اچھا ہے سر!'' وہ تامل کرتے ہوئے بولا۔ ''بس یہ ہے کہ ہر وقت ایک دھڑکا سا لگا رہتا ہے۔ یوں سمجھیں کہ جان سولی پر ٹنگی رہتی ہے۔''

اگر منیجر کی باتوں کو کاروباری کسوٹی پر پرکھا جاتا تو وہ بہ الفاظ دیگر داؤد نظامی کی تعریف کر رہا تھا۔ میں نے اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے پوچھا۔ ''کیا نظامی صاحب ہوٹل پہنچ چکے ہیں۔''

''جی! وہ اس وقت اپنے دفتر میں موجود ہیں۔'' منیجر نے بتایا۔ ''انہیں ہوٹل آئے پندرہ بیس منٹ ہو گئے ہیں۔'' پھر وہ جانے کیلئے مڑا اور بولا۔ ''میں ابھی آپ کا کارڈ ان تک پہنچاتا ہوں۔''

میں نے ویٹر کو بل لانے کا اشارہ کیا۔

☆......☆......☆

وہ دفتر مذکورہ ہوٹل کے عقبی جانب' گراؤنڈ فلور پر واقع اور دو کمروں پر مشتمل تھا۔ ایک بہ نسبت چھوٹا کمرہ آرام کے لئے تھا' دوسرے کمرے کو سٹنگ روم بھی کہا جا سکتا تھا۔ جس کی ایک دیوار کے ساتھ رکھی گلاس ٹاپ کنگ سائز ٹیبل کے پیچھے داؤد نظامی بہ نفس نفیس موجود تھا۔ منیجر مجھے اس کمرے تک پہنچا کر واپس چلا گیا۔

داؤد نظامی نے اپنی سیٹ پر اٹھ کر مجھ سے پرجوش مصافحہ کیا پھر ایک دبیز اور آرام دہ صوفے کی جانب اشارہ کرتے ہوئے شائستہ لہجے میں کہا۔ ''تشریف رکھیں بیگ صاحب۔''

میں نے ایک سینٹر ٹیبل ٹائپ میز پر اپنا بریف کیس رکھا اور خود صوفے پر بیٹھ گیا۔ اس کمرے میں صرف ایک کرسی تھی...... اور وہ بھی ریوالونگ چیئر تھی جس پر داؤد نظامی براجمان تھا۔ دیگر ملاقاتیوں کے بیٹھنے کیلئے تین دیواروں کے ساتھ نیم بیضوی شکل میں قیمتی صوفے لگے تھے جن کے درمیان ایک خوبصورت اور نازک سی میز موجود تھی۔ عام دفتروں کی نسبت وہاں کا ماحول اور آرائش و زیبائش قدرے مختلف تھی۔ مجھے وہ سیٹنگ پسند آئی۔

داؤد نظامی کی عمر کا اندازہ میں نے پچپن اور ساٹھ کے درمیان لگایا جو بعد ازاں صحیح ثابت ہوا۔ اس وقت وہ عمر کے اٹھاون ویں سیڑھی پر قدم رکھ چکا تھا۔ وہ درمیانے قد کا مالک ایک فربہ شخص تھا۔ رنگت گہری سانولی' چہرہ گول اور سر کے بال قدرے گھنگریالے۔ اس کے چہرے کی سب سے نمایاں چیز اس کے دانت تھے جو کوئلے کی کان میں ہیروں کی مانند چمکتے تھے۔ وہ ایک انتہائی بردبار اور

بااخلاق شخص تھا۔

رسمی علیک سلیک کے بعد اس نے میری خاطر مدارت کیلئے ہل جل کرنی چاہیے تو میں نے بڑی خوبصورتی سے اسے روک دیا اور بتایا کہ ابھی چند منٹ قبل ریسٹورنٹ میں معقول قسم کا ریفریشمنٹ لے چکا ہوں۔

''بیگ صاحب! یہ تو آپ کی زیادتی ہے۔'' وہ زیر لب مسکراتے ہوئے بولا۔ ''آپ نے میرے ہوٹل کے ریسٹورنٹ میں ادائیگی کی حالانکہ اس وقت آپ میرے گیسٹ ہیں۔''

''کوئی بات نہیں جناب۔'' میں نے بھی خوش دلی سے کہا۔ ''پھر کبھی آ کر مفت میں کچھ کھا پی لوں گا۔ میں پہلے بھی کئی مرتبہ آپ کے ریسٹورنٹ میں وقت گزار چکا ہوں۔''

''اچھا اچھا۔'' وہ پرمسرت انداز میں بولا۔ ''یہ سن کر بہت خوشی ہوئی کہ آپ جیسے پڑھے لکھے' باشعور اور معاشرے میں باعزت مقام رکھنے والے لوگ میرے ہوٹل میں آتے ہیں۔''

ایک دو مزید باتوں کے بعد میں اصل موضوع کی طرف آ گیا اور کہا۔ ''نظامی صاحب! فاروق نیازی نے مجھے بتایا ہے کہ آپ کو کوئی قانونی معاملہ درپیش ہے جس میں آپ مجھ سے کچھ مدد چاہتے ہیں۔''

وہ اثبات میں سر ہلاتے ہوئے بولا۔ ''معاملہ تو بہت معمولی سا ہے لیکن میں طریقے سلیقے سے کام کرنا چاہتا ہوں۔ ایک نہایت ہی کمینے اور بدذات شخص سے واسطہ پڑ گیا ہے بیگ صاحب!''

میں نے اپنا بریف کیس کھول کر رف پیڈ اور قلم برآمد کیا اور نظامی کی جانب متوجہ ہوتے ہوئے کہا۔ ''جی نظامی صاحب! خود کو درپیش مسئلے کی تفصیل بیان کریں اور مفصل احوال اس کمینے کا بھی بتائیں جو آپ کی پریشانی کا باعث بنا ہوا ہے؟''

وہ چند لمحے خاموش رہنے کے بعد بولا۔ ''دراصل یہ مسئلہ میری بیٹی یاسمین کا ہے اور وہ خبیث احسان فراموش کوئی اور نہیں بلکہ میرا داماد ظاہر شاہ ہے۔ اس تخم حرام نے ہم باپ بیٹی کی زندگی اجیرن بنا دی ہے۔''

نظامی کے لب و لہجے سے اپنے داماد کیلئے بے پناہ نفرت کا اظہار ہوتا تھا۔ میں نے اس کے دلی جذبات کو محسوس کرتے ہوئے کہا۔ ''ابھی تک آپ نے معاملے کی نوعیت نہیں بتائی نظامی صاحب؟''

''بیگ صاحب! سیدھی اور آسان بات یہ ہے کہ میں یاسمین کو ظاہر شاہ سے نجات دلوانا چاہتا ہوں۔'' داؤد نظامی نے سنجیدگی سے کہا۔

''گویا آپ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ ان کے درمیان نبھا کی کوئی صورت باقی نہیں رہی؟'' میں نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے سوال کیا۔

''آپ بالکل درست خطوط پر سوچ رہے ہیں۔'' وہ تائیدی انداز میں بولا۔ ''ظاہر میری بیٹی سے انتہائی بیہودگی کرتا ہے۔ گالم گلوچ اور مار پیٹ تو عام سی بات ہو کر رہ گئی ہے۔ وہ کئی مرتبہ یاسمین کو زدوکوب کر کے گھر سے نکال بھی چکا ہے۔ میری بیٹی اس وقت میرے ہی گھر میں ہے۔ پانچ روز پہلے وہ جس حالت میں میرے پاس پہنچی تھی میں اسے بیان نہیں کر سکتا بیگ صاحب!''

نظامی کی آنکھوں میں پھیلے کرب اور اذیت کے جالی کو میں بخوبی دیکھ رہا تھا۔ ایک باپ اپنی عزیز از جان بیٹی کی مصیبت پر جس طرح تڑپ سکتا ہے وہ منظر میری نگاہ کے سامنے تھا۔

میں نے کہا۔ ''نظامی صاحب! ان باتوں سے تو لگتا ہے' آپ کا داماد کوئی نفسیاتی مریض ہے' ہوش مند اور صحیح الدماغ لوگ تو اس قسم کی حرکتیں نہیں کرتے۔''

''میرے خیال سے تو وہ ایک نیتی مریض ہے۔'' نظامی نے نفرت آمیز انداز میں کہا۔

میں نے چونک کر پوچھا۔ ''جناب! یہ نیتی مریض کیا ہوتا ہے؟''

''جس طرح کسی شخص کے جسم میں کوئی بیماری ہو تو اسے جسمانی مریض کہا جاتا ہے۔ بیمار دماغ شخص کو دماغی مریض' ٹیڑھی میڑھی نفسیات والے شخص کو نفسیاتی مریض کہا جاتا ہے...... بالکل اسی طرح اگر کسی شخص کی نیت میں فتور پیدا ہو جائے اور وہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ یہ فتور بڑھ کر ہوس' لالچ' طمع اور لوٹ کھسوٹ کی شکل اختیار کر لے تو ان ''علامات'' کے حامل بذات شخص کو نیتی مریض کہنا چاہیے۔''

اس کی وضاحت خاصی جامع تھی۔ میں نے پوچھا۔ ''اس سلسلے میں آپ مجھ سے کس قسم کی قانونی مدد چاہتے ہیں؟''

''میں یاسمین کو خلع دلوانا چاہتا ہوں۔'' وہ دوٹوک انداز میں بولا۔

میں نے پوچھا۔ ''آپ کی بیٹی کا مہر کتنا بندھا تھا؟''

''ایک لاکھ روپے۔'' اس نے بتایا۔

میں نے اس موقع پر ایک قانونی نکتے کی وضاحت ضروری سمجھی اور کہا۔ ''نظامی صاحب! ایک بات بتاتا چلوں کہ اگر آپ کا داماد یاسمین کو طلاق دے تو وہ مہر کی رقم دینے کا پابند ہوگا لیکن خلع کی صورت میں آپ کو مہر چھوڑنا ہوگا۔''

''میرے لیے یہ بہت معمولی رقم ہے۔'' وہ گہری سنجیدگی سے بولا۔ ''اگر میری بیٹی کو دکھ بھری زندگی اور اس انسان نما شیطان سے سے چھٹکارا مل جائے تو میں کئی لاکھ خرچ کرنے کو تیار ہوں۔''

میں نے پوچھا۔ ''کیا آپ نے یاسمین کی آزادی کے سلسلے میں اپنے داماد سے بھی بات کی ہے؟''

''ایک بار نہیں' کئی مرتبہ۔'' وہ برا سا منہ بناتے ہوئے بولا۔ ''اگر وہ میری بات مان لیتا تو

اس میں اسی منحوس کا فائدہ تھا لیکن وہ تو بہت اونچا اڑ رہا ہے۔ میں اس کی بلیک میلنگ میں نہیں آؤں گا بیگ صاحب! اسی صورتحال کو دیکھتے ہوئے میں نے خلع کا فیصلہ کیا ہے۔ اب قانونی تقاضے پورے کرنا آپ کا کام ہے۔ میں آپ کی فیس اور دیگر اخراجات ابھی ادا کرنے کو تیار ہوں۔''

خلع حاصل کرنا بہت ہی معمولی نوعیت کا معاملہ تصور کیا جاتا ہے۔ جو عورتیں خلع کے حصول کیلئے عدالت سے رجوع کرتی ہیں ان میں اکثریت ایسی عورتوں کی ہوتی ہے جن کے شوہر مہر کی رقم بچانے کیلئے طلاق دینے کی غلطی نہیں کرتے ورنہ دونوں فریق ایک دوسرے کی شکل سے نفرت کر رہے ہوتے ہیں۔

داؤد نظامی اگر اپنی بیٹی کو خلع دلوانا چاہتا تھا تو اس کا مطلب یہی تھا کہ ظاہر شاہ کسی بھی وجہ سے یاسمین کو طلاق دینے پر تیار نہیں تھا۔ ابھی نظامی نے ظاہر شاہ کے اونچا اڑنے کی بات بھی کی تھی۔ میں نے نظامی کو اس کے داماد کے حوالے سے کریدنا ضروری سمجھا لیکن اس ذکر سے پہلے میں نے ایک اہم سوال لازمی جانا اور داؤد نظامی سے استفسار کیا۔

''نظامی صاحب! کیا اس خلع کیلئے آپ کی بیٹی یاسمین پوری طرح تیار ہے؟''

''میں نے اس کی مرضی جاننے کے بعد ہی یہ فیصلہ کیا ہے۔'' وہ ٹھہرے ہوئے لہجے میں بولا۔ ''اس کی یہ خواہش ہے کہ ظاہر شاہ سے اس کی جان چھوٹ جائے چاہے اس کے لیے کوئی بھی راستہ کیوں نہ اختیار کرنا پڑے۔''

میں نے کہا۔ ''تھوڑی دیر پہلے آپ نے بتایا ہے کہ اگر آپ کی تجویز ظاہر شاہ مان لیتا تو بہت فائدے میں رہتا لیکن وہ بلیک میلنگ کی روش پر چل رہا ہے۔ اس سلسلے میں مجھے ذرا تفصیل سے بتائیں۔''

داؤد نظامی سے گفتگو کے دوران میں' میں اہم ضروری باتیں اپنے رف پیڈ پر نوٹ کرتا جا رہا تھا اور پوری توجہ سے اس کی بات بھی سن رہا تھا۔ میرے سوال کے جواب میں اس نے بتایا۔

''بیگ صاحب! میں آپ سے کچھ نہیں چھپاؤں گا۔ سچی بات یہ ہے کہ میں نے یاسمین کی طلاق کے عوض ظاہر شاہ کو ایک بہت بڑی پیش کش دی تھی۔ اس کی حریص فطرت اور لالچی طبیعت کو پیش نظر رکھتے ہوئے میں نے اسے پانچ لاکھ روپے کی آفر دی تھی' اس کے ساتھ ہی مہر کی رقم بھی معاف کرنے کا وعدہ کیا تھا لیکن وہ میری مجبوری سے فائدہ اٹھانے کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ اس نے میری پیش کش رد کر دی اور واضح الفاظ میں کہا کہ میں چاہے جو بھی کر لوں' وہ یاسمین کو طلاق نہیں دے گا۔''

اتنا کہہ کر داؤد خاموش ہوا تو میں نے پوچھا۔ ''اور وہ بلیک میلنگ والی کیا بات تھی؟''

داؤد نے بتایا۔ ''وہ بدخصلت اس موقع پر منہ پھاڑ کر میرے سامنے آ گیا تھا۔ اس نے

واشگاف الفاظ میں مجھے باور کرایا کہ اگر میں یاسمین کو اس کی زوجیت سے خارج کرانا چاہتا ہوں تو مجھے اس کا صرف ایک مطالبہ پورا کرنا ہوگا...... اور وہ مطالبہ ہے مبلغ ایک کروڑ روپے سکہ پاکستانی رائج الوقت۔"

"اوہ!" میرے منہ سے بے ساختہ نکل گیا۔ "یہ تو بہت بڑی رقم ہے۔"

"ہاں، رقم تو واقعی بڑی ہے۔" وہ تائیدی انداز میں سر ہلاتے ہوئے بولا۔ "یاسمین کی خوشیوں کی خاطر میں اس سے زیادہ دولت بھی خرچ کر سکتا ہوں مگر...... ظاہر شاہ جیسے نیچ، نمک حرام اور احسان فراموش کو میں ایک پیسا بھی نہیں دوں گا۔" وہ ایک لمحے کو سانس لینے کیلئے رکا پھر بات جاری رکھتے ہوئے بولا۔ "آپ پوری تیاری سے یاسمین کا کیس لڑیں۔ میں مثبت انداز میں رقم خرچ کرنا چاہتا ہوں۔"

خلع کا مقدمہ اتنا پیچیدہ اور کانٹے کا نہیں ہوتا کہ اس کیلئے لاکھوں روپے خرچ کیے جائیں۔ جب کوئی عورت (بیوی) معزز عدالت کے روبرو کھڑی ہو کر یہ فیصلہ سنا دے کہ وہ اس مرد (شوہر) کے ساتھ کسی بھی صورت رہنے کو تیار نہیں تو عدالت شوہر مذکورہ سے تھوڑی پوچھ گچھ کے بعد بیوی کے حق میں فیصلہ سنا دیتی ہے۔ البتہ اس صورت میں بیوی کو اپنے مہر کے علاوہ دیگر مراعات سے بھی ہاتھ دھونا پڑتے ہیں۔

اس سیدھے سادے کیسے کیلئے داؤد نظامی کوئی بہت بڑی رقم خرچ کرنے پر تلا بیٹھا تھا۔ تو یہ اس کا اپنا شوق تھا۔ اپنی گفتگو کے دوران میں داؤد نے کئی مرتبہ ظاہر شاہ کو نمک حرام اور احسان فراموش جیسے الفاظ سے نوازا تھا۔ میں ان الفاظ کی تفصیل جاننے میں خاصی دلچسپی محسوس کر رہا تھا۔ اسی تناظر میں، میں نے داؤد نظامی سے سوال کیا تو اس نے جواب دیا۔

"بیگ صاحب! یاسمین سے شادی سے قبل ظاہر شاہ کچھ بھی نہیں تھا۔ آپ اسے سڑک چھاپ اور بے روزگار نوجوان کہہ سکتے ہیں۔ وہ اگر کچھ کرتا بھی تھا تو اس کا ذکر قابل شرم ہے۔ میں نے نہ صرف اپنی بیٹی اسے دے دی بلکہ اس کا مستقبل سنوارنے کیلئے بھرپور مالی تعاون بھی کیا۔ آج وہ جو کچھ بھی ہے، میری ہی مدد کے باعث ہے مگر اب وہ احسان ماننے کے بجائے آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر گھورتا ہے۔ کم ظرف اور گھٹیا لوگ ہمیشہ اپنی اوقات کے مطابق ہی عمل کرتے ہیں۔ نیچ افراد سے اعلیٰ کارکردگی اور طرز عمل کی توقع رکھنا عبث ہے بیگ صاحب!"

میں نے قدرے کھوجنے والے انداز میں پوچھا۔ "نظامی صاحب! اس ذہنی، فکری، مالی، نسبی اور معاشرتی تفاوت کے باوجود بھی یہ شادی کس طرح ہوگئی؟"

"اچھا سوال کیا ہے آپ نے۔" وہ سراہنے والے انداز میں سر ہلانے لگا۔

میں نے کہا۔ "سوال خاصا ذاتی نوعیت کا ہے جناب۔ میں اس جسارت سے معافی چاہتا

ہوں اگر آپ جواب نہ دینا چاہیں تو......"

"نہیں نہیں، ایسی کوئی بات نہیں۔" وہ قطع کلامی کرتے ہوئے بولا۔ "آپ یاسمین کے وکیل ہیں۔ آپ سے کوئی بات چھپانا حماقت ہوگی۔ میں آپ کو بتاتا ہوں کہ یہ شادی کس طرح ہوئی تھی۔"

اتنا کہہ کر وہ خاموش ہوگیا۔ اس کے چہرے کے تاثرات بتا رہے تھے کہ وہ اپنے خیالات کو مجتمع کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ میں منتظر نگاہ سے اسے دیکھتا رہا۔ تھوڑی دیر بعد وہ بوجھل آواز میں گویا ہوا۔

"دراصل یہ شادی یاسمین کی حماقت نما ضد کی وجہ سے ہوئی تھی۔"

میں نے ٹٹولنے والے انداز میں کہا۔ "یعنی کوئی محبت وغیرہ کا چکر تھا؟"

"ظاہر تو یہی کیا گیا تھا۔" وہ برا سا منہ بناتے ہوئے بولا۔ "لیکن بعد میں ثابت ہوا کہ وہ یاسمین کا جذباتی ابال تھا۔ وہ ناسمجھ لڑکی فردوس کی باتوں میں آگئی تھی۔"

"یہ فردوس کون ذات شریف ہیں؟" میں نے چونک کر پوچھا۔

نظامی نے بتایا۔ "یاسمین کی ماں اور میری پہلی بیوی...... یعنی سابق بیوی۔"

وہ حیرت میں مبتلا کر دینے والا انکشاف کر رہا تھا۔ میں نے سوال کیا۔ "اس کا مطلب ہے فردوس اب آپ کے ساتھ نہیں رہتی؟"

"میں دو سال پہلے اسے طلاق دے چکا ہوں۔" وہ غیر جذباتی لہجے میں بولا۔

میں نے پوچھا۔ "یاسمین کی شادی کو کتنا عرصہ ہوا ہے؟"

"لگ بھگ چھ سال۔"

"اس کے بچے؟"

"ایک بیٹا ہے، پانچ سال کا...... دانش!"

"اس صورت میں آپ کی بیٹی کیلئے مسائل کھڑے ہو سکتے ہیں۔" میں نے کہا۔ "باپ بیٹے کو حاصل کرنے کیلئے قانونی چارہ جوئی کر سکتا ہے۔"

"وہ بے غیرت ایسی کوئی کوشش نہیں کرے گا۔" نظامی نے پر وثوق انداز میں کہا۔ "اسے تو اگر بیٹے کی اچھی قیمت مل جائے تو وہ اسے فروخت بھی کر سکتا ہے۔"

"یقین نہیں آتا، دنیا میں اتنا خود غرض باپ بھی کوئی موجود ہے۔"

"بیگ صاحب!" نظامی نے پر خیال انداز میں کہا۔ "اس دنیا میں ہر قسم کے رشتے موجود ہیں۔ ظاہر شاہ جیسے کمینے اور لالچی باپ بھی اور فردوس جیسی فتنہ ساماں مائیں بھی جو خود اپنے ہاتھوں سے بیٹیوں کو واصل جہنم کرتی ہیں۔ اگر میں ظاہر شاہ کی اصلیت سے واقف ہوتا تو یاسمین کی شادی کسی بھی صورت اس سے نہ ہونے دیتا مگر...... فردوس ہر اونچ نیچ سے آگاہ تھی۔ وہ جانتی تھی، ظاہر شاہ کس

تماش کا آدمی ہے۔ جب وہ دھیرے دھیرے یاسمین کی جانب پیش قدمی کرتے ہوئے اسے اپنے قریبی محبت کے جال میں الجھا رہا تھا تو فردوس کا فرض بنتا تھا' وہ ایک طرف ظاہر شاہ کی پیش قدمی کو روکے اور دوسری جانب بیٹی کو سمجھائے کہ وہ ایک سراب کے پیچھے دوڑنے سے باز آ جائے لیکن اس نے ایسا کچھ نہیں کیا بلکہ اس کا طرزِ عمل اس کے متضاد تھا۔ اس نے یاسمین کو اس طرح ظاہر شاہ کے حوالے کر دیا جیسے قربان گاہ پر کسی بھینٹ کو پہنچایا جاتا ہے۔''

بات ختم کرتے کرتے وہ خاصا جذباتی ہو گیا۔ اس کے چہرے پر دکھ اور کرب کی چادر پھیل گئی اور وہ شکستہ نظر سے مجھے تکنے لگا۔ میں نے اس کی دل جوئی کی خاطر ہمدردانہ انداز میں پوچھا۔

''ظاہر شاہ اور فردوس کے عزائم کے بارے میں آپ کو یاسمین کی شادی سے پہلے کچھ معلوم نہیں تھا؟''

''بیگ صاحب!'' اگر میں ان دونوں کے مکروہ ارادوں اور مذموم کردار کے بارے میں آگاہ ہوتا تو کسی بھی قیمت پر یہ شادی نہیں ہو سکتی تھی۔'' نظامی نے مجروح لہجے میں کہا۔ ''مجھ پر تو رفتہ رفتہ حقائق کھلنے لگے تھے اور جب میں ''کنفرم'' ہو گیا تو میں نے پہلی فرصت میں فردوس کو طلاق دے دی لیکن...... اس وقت تک پلوں کے نیچے اور اوپر سے بے بہا پانی گزر چکا تھا۔ میں ایک تند سیل آبی ریلے کی نذر ہو گیا تھا بیگ صاحب!''

اس کے ایک ایک لفظ سے دکھ ٹپکتا تھا۔ میں نے کافی دیر تک ہمدردی کے الفاظ سے اس کے نادیدہ ذہنی و قلبی زخموں کی مرہم پٹی کی پھر پوچھا۔

''یاسمین کی عمر اس وقت کیا ہو گی؟''

''وہ ستائیس سال کی ہو گئی ہے۔''

''آپ کے' یاسمین کے علاوہ اور بچے بھی ہوں گے۔''

''جی ہاں' دو بچے ہیں۔'' اس نے گمبھیر آواز میں جواب دیا۔ ''ایک دس سالہ بچی نازش ہے اور دوسرا بیٹا ہے۔ عامر اس کی عمر سات سال ہے۔''

''یہ دونوں بچے آپ کے پاس ہیں یا......؟''

میں نے دانستہ جملہ نامکمل چھوڑ دیا۔ وہ جلدی سے بولا۔ ''یہ دونوں بچے اپنے ماں باپ کے پاس ہیں' یعنی میرے اور سحرش کے پاس۔''

اس کے انکشاف نے مجھے چونکنے پر مجبور کر دیا۔ میں نے سرسراتی ہوئی آواز میں کہا۔ ''یعنی آپ نے دوسری شادی۔''

''ہاں' بالکل...... میں نے دوسری شادی کر رکھی ہے۔'' وہ میری بات پوری ہونے سے پہلے ہی بول اٹھا۔ ''سحرش میری دوسری بیوی ہے۔ نازش اور عامر اسی کے بطن سے پیدا ہوئے ہیں۔'' ایک

لمحے کے توقف سے اس نے اضافہ کیا۔ ''فردوس سے صرف ایک ہی اولاد یاسمین پیدا ہوئی تھی۔''

میں نے پوچھا۔ ''آپ نے بتایا ہے' سحرش سے پیدا ہونے والی بچی نازش کی عمر دس سال ہے۔ اس کا مطلب ہے' آپ نے فردوس کی موجودگی ہی میں دوسری شادی کر لی تھی؟ فردوس کو تو آپ نے دو سال پہلے طلاق دی ہے؟''

''سحرش سے میری شادی آج سے بارہ سال پہلے ہوئی تھی بیگ صاحب!'' نظامی نے فکر میں ڈوبے ہوئے لہجے میں جواب دیا۔

میں نے کہا۔ ''آپ کے پاس دوسری شادی کیلئے یقیناً کوئی ٹھوس وجہ ہو گی؟''

''بھئی سیدھی سی بات ہے۔'' داؤد نظامی نے کہا۔ ''فردوس سے میری شادی والدین کی مرضی سے ہوئی تھی۔ اگر وہ میرا خیال رکھتی اور صحیح معنوں میں میری بیوی بن کر رہتی تو شاید میں دوسری شادی کا خیال بھی دل میں نہ لاتا۔ فردوس کی کج ادائیوں اور بے اعتنائیوں نے مجھے دوسری عورتوں میں دلچسپی لینے پر مجبور کر دیا اور پھر سحرش سے میری ملاقات ہو گئی۔ اس وقت سحرش کی عمر لگ بھگ بیس سال رہی ہو گی۔ میں چھیالیس سال کا تھا۔ سحرش کو دیکھتے ہی مجھے یوں محسوس ہوا جیسے مجھے اسی کی تلاش تھی۔ میں نے اس کے والدین سے رابطہ کیا اور بہت جلد سحرش میری بیوی بن کر میرے گھر آ گئی۔''

''اس معاملے میں تو آپ بہت خوش قسمت واقع ہوئے ہیں۔'' میں نے حیرت بھرے لہجے میں کہا۔

''ہاں' واقعی۔'' وہ قدرے مسرور ہو گیا۔

میں نے کہا۔ ''آپ کی دوسری شادی پر پہلی بیوی نے تو بہت ہنگامہ رچایا ہو گا؟''

اس نے خلاف توقع جواب دیا۔ ''نہیں' بالکل بھی نہیں۔ میرے اس عمل پر اگر فردوس کوئی اودھم مچاتی تو زیادہ اچھا تھا' میں اس کی اصلیت سے آگاہ ہو جاتا۔ اس نے تو اس موقع پر چند روزہ ناراضی کے سوا کچھ بھی نہیں کہا۔ آہستہ آہستہ اس کا پھولا ہوا منہ نارمل ہو گیا تاہم اس کے ساتھ ہی اس کے مطالبات کا آغاز ہو گیا۔''

داؤد نظامی نے میری جانب دیکھ کر ذرا توقف کیا پھر سلسلہ کلام کو جاری رکھتے ہوئے بولا۔

''پہلے اس نے کہا' میں سحرش کے ساتھ نہیں رہوں گی۔ میرے لیے الگ بنگلا ہونا چاہیے۔ میں نے اس کا مطالبہ پورا کر دیا پھر الگ گاڑی' الگ بینک بیلنس' الگ ملازمین' الغرض ہر شے الگ الگ کا تقاضا ہونے لگا اور وہ بھی اسی معیار اور قیمت کی جو سحرش کیلئے لاتا تھا۔ میں نے فردوس کی ہر جائز و ناجائز فرمائش پوری کر دی۔ اس لیے بھی پوری کر دی کہ اللہ نے مجھے وافر مقدار میں سب کچھ دے رکھا ہے مگر صاحب! وہ کیا مثال ہے شیشے کی نلکی اور کتے کی دم والی۔ فردوس نے اس مثال کو پورا

کرنے کیلئے ایڑی چوٹی کا زور لگا دیا۔ اس اپنی حرکتوں کے باعث وہ روز بہ روز میری نگاہ سے گرتی گئی اور پھر یاسمین کی شادی والے واقعے...... اور اس کے مابعد اثرات کے بعد تو فردوس کا وجود میری برداشت سے باہر ہو گیا اور میں نے طلاق دے کر اسے اپنی زندگی سے خارج کر دیا۔''

''آج کل فردوس کہاں ہے؟'' میں نے سرسری انداز میں پوچھا۔

''اسی شہر میں کہیں خوار ہوتی پھر رہی ہو گی۔'' وہ بے پروائی سے بولا۔

میں نے کہا۔ ''یعنی آپ اس سے قطعی لاتعلق ہو چکے ہیں؟''

''ایسی ہی بات ہے۔'' اس نے بتایا۔ ''مجھ سے طلاق لینے کے بعد فردوس نے ایک ریٹائرڈ اعلیٰ سرکاری افسر کو پھانس کر اس سے شادی کر لی تھی لیکن یہ شادی چھ ماہ سے زیادہ نہیں چل سکی اور اسے ایک مرتبہ پھر طلاق ہو گئی۔ آج کل معلوم نہیں، کن سرگرمیوں میں مصروف ہے؟''

''وہ یاسمین اور ظاہر شاہ سے تو ملتی رہتی ہو گی؟''

''یقیناً ملتی ہو گی۔'' داؤد نے بتایا۔ ''میں نے کبھی ان کے معاملات میں زیادہ دلچسپی نہیں لی۔''

میں نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔ ''اب تو آپ کو ضرور دلچسپی لینا ہو گی جناب! یاسمین آپ کے گھر پہنچ چکی ہے اور فردوس اس کی سگی ماں ہے۔''

''فردوس میرے گھر میں داخل ہونے کی جرأت نہیں کر سکتی۔''

''وہ یاسمین کو تو باہر کہیں بلا سکتی ہے۔''

''میں اس سلسلے میں یاسمین کو وارن کر دوں گا۔''

میں نے ایک فوری خیال کے تحت کہا۔ ''ظاہر شاہ جو آپ کو پریشانیوں میں مبتلا کرنے کی مہم پر کمربستہ نظر آتا ہے اس کے پیچھے کہیں فردوس کا ہی ہاتھ تو نہیں؟''

''اس امکان کو نظرانداز نہیں کیا جا سکتا۔'' وہ تائیدی انداز میں سر ہلاتے ہوئے بولا۔ ''وہ فتنہ خیال عورت مجھ سے انتقام لینے کیلئے کچھ بھی کر سکتی ہے۔ اس سے کسی بھی اوچھے ہتھکنڈے کی توقع کی جا سکتی ہے بیگ صاحب!''

میں نے سنجیدگی سے کہا۔ ''تب پھر آپ کو اور زیادہ محتاط رہنے کی ضرورت ہے۔ فردوس، یاسمین کو کوئی الٹی سیدھی پٹی پڑھا کر ہماری محنت پر پانی پھیر سکتی ہے۔ اس کے علاوہ ظاہر شاہ کی حرکات و سکنات کی خبر گیری بھی ضروری ہے۔ اس کام کیلئے آپ اپنے کسی بھروسے کے آدمی کو متعین کر سکتے ہیں۔ اگر آپ کا داماد نگرانی میں رہے گا تو ہم بہتر طور پر اس سے نمٹ سکتے ہیں۔''

''آپ نے نہایت ہی اہم باتوں کو پوائنٹ آؤٹ کیا ہے بیگ صاحب'' وہ ستائشی نظر سے مجھے دیکھتے ہوئے بولا۔ ''میں آج ہی ایک ہوشیار قسم کے نگران کو ظاہر پر لگاتا ہوں اور اس کے ساتھ

ہی یاسمین کو بھی ایک سنجیدہ لیکچر پلانے کی ضرورت ہے۔''

میں نے اچانک پوچھا۔ ''آپ کی دوسری شادی پر یاسمین نے کیا ردعمل ظاہر کیا تھا؟''

''اس نے شدید برہمی کا اظہار کیا تھا۔'' داؤد نظامی نے جواب دیا۔ ''اور جب فردوس دوسرے بنگلے میں شفٹ ہوئی تو وہ بھی اس کے ساتھ جا کر رہنے لگی تھی۔ ازاں بعد سحرش سے بھی اس کی انڈرسٹینڈنگ ہو گئی اور وہ باری باری دونوں بنگلوں پر رہنے لگی۔''

میں نے پوچھا۔ ''نظامی صاحب! جب آپ نے فردوس کو طلاق دی تو یاسمین نے اس موقع پر کیسا بی ہیو کیا تھا؟ ظاہر ہے، ماں کو طلاق ہو جائے تو بیٹی کو اس کا گہرا صدمہ پہنچتا ہے۔''

''آپ بالکل درست فرما رہے ہیں۔ ماں بیٹی کا رشتہ کچھ ایسا ہی نازک ہوتا ہے۔'' نظامی نے اثبات میں گردن ہلاتے ہوئے کہا۔ ''لیکن حیرت انگیز طور پر یاسمین نے اس موقع پر بڑی سمجھداری کا ثبوت دیا تھا۔ کسی شدید اور احتجاجی نوعیت کا ردعمل ظاہر کرنے کے بجائے اس نے میری حمایت میں خاموشی اختیار کر لی تھی۔''

میں نے حیرت آمیز نظر سے اسے دیکھا اور پوچھا۔ ''اس کی کوئی خاص وجہ؟''

''میرے نزدیک اس کی ایک ہی وجہ ہے۔'' وہ آنکھیں بند کر کے چھت کی جانب چہرہ اٹھاتے ہوئے بولا۔ ''یاسمین اپنی ماں کے اصل روپ سے آگاہی حاصل کر چکی تھی۔ فردوس کی اصلیت نے اس کی زبان پر تالا ڈال دیا تھا۔''

میں الجھن زدہ نظر سے اسے دیکھنے لگا۔

وہ اپنے چہرے کو واپس لایا پھر میری آنکھوں میں دیکھتے ہوئے اپنی بات کی وضاحت کرنے لگا۔ ''آدھے گھنٹے پر محیط یہ سنسنی خیز کہانی رونگٹے کھڑے کر دینے والی تھی۔ مجھے یقین نہیں آ رہا تھا کہ ایک شوہر اپنی سابق بیوی کا کچا چٹھا بیان کر رہا تھا۔ داؤد کی کیفیت میں، میں نے ایک خاص بات یہ محسوس کی کہ بیٹی کے غم نے اس کے ضبط کا بندھن توڑ دیا تھا۔ عام حالات میں ممکن ہے، وہ فردوس کی ذات کے اس پہلو پر کبھی لب کشائی نہ کرتا۔

درد حد سے بڑھ جائے تو دوا بن جاتا ہے۔ یاسمین کے درد نے داؤد کے غم میں شامل ہو کر اس کے دکھ کا مداوا کر دیا تھا۔ وہ اپنے قلب جگر کے وہ متاثر حصے میرے سامنے کھول بیٹھا جن کی جانب وہ خود بھی دیکھنے کی ہمت نہیں کرتا تھا۔ میری توجہ اس کیلئے مرہم کا کام کر رہی تھی۔

میں جب اس کے پاس سے اٹھا تو وہ ہلکا پھلکا ہو چکا تھا۔ میں نے رخصت ہونے سے پہلے کہا۔ ''چند کاغذات پر مجھے یاسمین کے دستخط لینا ہوں گے۔ آپ ایسا کریں، شام کو اپنے ساتھ اسے میرے دفتر لے آئیں۔'' ایک لمحے کے توقف سے میں نے اضافہ کیا۔ ''میرا وزیٹنگ کارڈ تو آپ کے پاس موجود ہے؟''

اس نے اپنی میز پر سے میرا بھیجا ہوا کارڈ اٹھا کر دیکھا اور سر کو اثباتی جنبش دیتے ہوئے بولا۔ ''ٹھیک ہے بیگ صاحب! آج شام کو آپ کے آفس میں ملاقات ہوگی۔''

میں اس سے ہاتھ ملا کر وہاں سے چلا آیا۔

☆......☆......☆

میری پیشہ ورانہ زندگی میں بہت سے موڑ ہیں۔ ہر موڑ مصروفیت اور دلچسپی سے بھرپور۔ میرے حصے میں آنے والے اکثر مقدمات ایسے ہیں جو شروع تو کسی اور رخ سے ہوئے تھے مگر ان کا اختتام بالکل مختلف انداز میں ہوا۔ زیر نظر واقعہ بھی ایک ایسے ہی کیس کی روداد ہے۔ آگے بڑھنے سے قبل میں ظاہر شاہ اور فردوس کے بارے میں آپ کو کچھ تفصیل بتانا چاہتا ہوں اور ان حالات کی وضاحت بھی ضروری ہے جن کے پیش نظر یاسمین کی شادی ظاہر شاہ سے ہوئی تھی۔

اس احوال سے پہلے میں آپ کو بتاتا چلوں کہ اس روز رات کو اپنے وعدے کے مطابق داؤد نظامی، یاسمین کے ساتھ میرے دفتر آیا تھا اور میں نے یاسمین سے بھرپور ملاقات کے بعد ضروری کاغذات پر اس کے دستخط لے لیے۔ یاسمین ایک خوش شکل اور رکھ رکھاؤ والی عورت تھی۔ مجھ سے بات چیت کے دوران میں وہ خاصی سنجیدہ رہی جبکہ اس سے ملنے پر یہ تاثر نہیں ملتا تھا۔ وہ اپنے چہرے کے تاثرات سے خوش مزاج دکھائی دیتی تھی۔ وہ ان دنوں جن حالات سے گزر رہی تھی، ممکن ہے وہ سنجیدگی اسی کی وجہ سے ہو۔

جیسا کہ داؤد نظامی نے بتایا تھا، فردوس سے اس کی شادی گھر والوں کی مرضی سے ہوئی تھی۔ دونوں خاندانوں میں معاشی طور پر بھی خاصا فرق تھا۔ داؤد نے اس بندھن کو نبھانے کی ہر ممکن کوشش کی لیکن فردوس کی کج ادائی نے اسے بددل کر دیا۔ فردوس کا دل گھر سے باہر زیادہ لگتا تھا۔ داؤد کی رفاقت میں اسے زندگی کی وہ آسائشیں اور راحتیں ملیں جن کا وہ تصور بھی نہیں کر سکتی تھی۔ شادی کے بعد وہ گلشن اقبال سے ڈیفنس سوسائٹی میں پہنچ گئی۔ کھانا پینا، رہن سہن اور جینے کا ڈھنگ بدل گیا۔ وہ دراز قامت اور قبول صورت تھی۔ اونچی سوسائٹی کے طرز زندگی نے اسے مزید نکھار دیا، پھر داؤد نظامی کھلے دل کا مالک تھا، اس نے کسی معاملے میں کبھی کنجوسی نہیں دکھائی۔ ان آزادیوں اور فراوانیوں نے فردوس کا دماغ خراب کر دیا اور وہ خود کو کوئی بہت بڑی چیز سمجھنے لگی۔ اس پر سوسائٹی کے خوشامدی ٹولے نے رہی سہی کسر بھی پوری کر دی۔ انہوں نے فردوس کے ذہن میں یہ بات نقش کر دی کہ وہ وی آئی پی شخصیت ہے چنانچہ مختلف تقریبات، سیمینارز اور افتتاحی فنکشنز میں وہ مہمان خصوصی کے طور پر نظر آنے لگی۔ وہ سب سے کم وقت کیلئے گھر میں نظر آتی تھی اور داؤد نظامی کیلئے سب سے زیادہ تکلیف دہ یہی بات تھی۔

محبت، پیار اور میٹھی سرزنش کے ذریعے جس حد تک ممکن تھا داؤد نے اپنی بیوی کو سمجھایا مگر اس

پر کوئی مثبت اثر نہ ہوا بلکہ الٹا داؤد کو الزام دینے لگی کہ وہ اس کی شہرت، مقبولیت اور پذیرائی سے جلنے لگا ہے۔ ایک دو مرتبہ تو فردوس نے اس کی ذات اور شخصیت کو طنز کا نشانہ بھی بنایا جس سے داؤد کو دلی صدمہ پہنچا اور اس نے فیصلہ کر لیا کہ وہ دوسری شادی ضرور کرے گا۔

داؤد نظامی گہری سانولی رنگت کے باعث فردوس سے بہت کم تر نظر آتا تھا۔ شخصیت کے تاثر میں فردوس کو اس پر سبقت حاصل تھی اور وہ اسی پہلو سے شوہر کو تنقید کا نشانہ بنانے لگی تھی۔ داؤد ایک حد تک برداشت کر سکتا تھا۔ یہ اس کا ظرف تھا کہ اس نے فردوس کو اپنی زندگی سے خارج کیے بنا سحرش سے دوسری شادی کر لی۔

اس شادی کے بعد جو حالات پیش آئے ان کا ذکر کیا جا چکا ہے۔ چھ سال پہلے یاسمین کی شادی ظاہر شاہ سے ہوئی تھی۔ ظاہر شاہ فردوس کے دور دراز رشتے داروں میں سے تھا۔ اس کا فردوس کے گھر میں آنا جانا تھا۔ داؤد بہت کم اپنی سسرال جاتا تھا اس لیے وہ ظاہر شاہ اور فردوس کے درمیان پکنے والی کھچڑی سے لاعلم تھا۔ جب ظاہر شاہ نے فردوس کے بنگلے پر باقاعدہ آمدورفت شروع کی تو داؤد پہلی مرتبہ تشویش میں مبتلا ہوا کیونکہ ان دنوں یاسمین اپنی ماں کے ساتھ ہی رہ رہی تھی۔ بہت جلد داؤد کو یہ بات معلوم ہوئی کہ ظاہر وہاں یاسمین ہی کیلئے چکر کاٹ رہا تھا اور اس معاملے میں اسے فردوس کی بھرپور حمایت بھی حاصل تھی۔

داؤد نے جس حد تک ممکن تھا، اس رشتے کی مخالفت کی لیکن یاسمین اور فردوس نے جب مل کر اس کے خلاف محاذ بنا لیا تو وہ بے بس ہو گیا اس طرح ظاہر شاہ اور یاسمین کی شادی ہو گئی۔ داؤد اپنی شکست پر بہت افسردہ ہوا لیکن وہ کچھ بھی نہیں کر سکتا تھا۔

شادی سے پہلے ظاہر کچھ بھی نہیں کرتا تھا، سوائے اپنی چھت پر کبوتر اڑانے کے۔ بیٹی کے مستقبل کی خاطر داؤد کو ظاہر شاہ کے معاشی معاملات میں دلچسپی لینا پڑی۔ اس نے اپنے داماد سے پوچھا کہ وہ کیا کر سکتا ہے؟ ظاہر شاہ نے فرمائش کی کہ اگر وہ اسے ایک ٹریول ایجنسی کھلوا دے تو وہ محنت کر کے اس کاروبار کو چلا لے گا۔ داؤد نے پوچھا۔ ''اس کام کا تمہیں تجربہ ہے؟'' وہ بولا، تجربہ کام کرنے سے ہو جائے گا۔ داؤد اس جواب سے مطمئن نہ ہوا اور اپنے ہوٹل کے گراؤنڈ فلور پر موجود ایک مصروف ترین ٹریول ایجنسی میں اسے تجربہ حاصل کرنے کیلئے رکھوا دیا۔ ایک ماہ کے بعد ظاہر شاہ نے اعلان کر دیا کہ وہ اس بزنس کی اونچ نیچ سے بخوبی آگاہی حاصل کر چکا ہے۔ داؤد کو اگرچہ اس کی بات کا یقین نہ آیا تاہم یاسمین اور فردوس کے اصرار پر اس نے ظاہر شاہ کو ایک ہائی رائز کے گراؤنڈ فلور پر ایک عالی شان ٹریول ایجنسی کھلوا دی۔ وہ اس سے زیادہ اور کیا کر سکتا تھا۔

ابتدائی چند ماہ میں ایجنسی نے بہت نقصان اٹھایا۔ اس زیاں میں غالب ہاتھ ظاہر شاہ کی ناتجربہ کاری اور نالائقی کا تھا۔ نقصان چونکہ داؤد کا ہو رہا تھا اس لیے بھی ظاہر کو زیادہ پروا نہیں تھی۔

بہر حال' بیٹی کے مفادات کے پیش نظر داؤد نے لاکھوں کا نقصان اٹھا کر ایک سال کے اندر اندر ٹریول ایجنسی چلوا دی۔

جب ٹریول ایجنسی اچھی طرح کام کرنے لگی اور بزنس دن دگنی' رات چوگنی ترقی کرنے لگا تو ظاہر شاہ کے تیور بدلنے لگے۔ اسے ہر صورت میں داؤد نظامی کا احسان مند ہونا چاہیے تھا لیکن اس نے کھلم کھلا کہنا شروع کر دیا کہ اس کی ترقی میں اس کے سسر کا کوئی ہاتھ نہیں۔ یہ سب کچھ اس نے خود اپنی لیاقت اور تجربہ کاری سے حاصل کیا۔ بس یہ ہے کہ داؤد نے کاروبار کے آغاز میں اسے کچھ رقم ادھار دی تھی جو اس نے چند ہی ماہ میں اسے واپس لوٹا دی۔ اب اس بزنس پر داؤد کا کوئی حق یا احسان باقی نہیں۔

داؤد نظامی تک جب اپنے داماد کے اقوال زریں پہنچے تو وہ بہت تلملایا مگر اس نے کوئی ہنگامہ کھڑا کرنے کے بجائے خاموشی اختیار کرنے کو ترجیح دی۔ وہ ایک سمجھ دار اور بردبار شخص تھا۔ ظاہر شاہ کی کم ظرفی اس پر عیاں ہو چکی تھی۔ اب وہ خواہ مخواہ کوئی تنازع کھڑا کر کے یاسمین کیلئے مشکلات پیدا نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اس کی بیٹی اپنے گھر میں خوش تھی' اس کیلئے یہی بات اطمینان بخش تھی۔ ظاہر شاہ سے اسے پہلے کوئی دلچسپی تھی اور نہ ہی وہ آئندہ اس سے کوئی سروکار رکھنا چاہتا تھا۔

ظاہر شاہ کی ٹریول ایجنسی ایسی چل نکلی کہ ماہانہ لاکھوں کا منافع دینے لگی۔ کام کی بڑھتی ہوئی رفتار کو دیکھ کر اس نے برابر کی دکان بھی حاصل کر کے اپنی ایجنسی میں شامل کر لی۔ اس کے ساتھ ہی اسٹاف ممبرز کا بھی اضافہ کیا۔ کوئی بھی گاڑی جب سبک رفتاری سے چلنے لگے تو ڈرائیور کیلئے بہت آسانیاں پیدا ہو جاتی ہیں۔ وہ کم سے کم محنت سے زیادہ سے زیادہ حاصل کرنے کی پوزیشن میں آ جاتا ہے۔

اگر تمام حالات اسی طرح پیش آتے رہتے تو داؤد کے لیے کسی کوفت کا باعث نہیں تھے۔ وہ اس نبھا کے لئے ذہنی طور پر تیار ہو چکا تھا۔ اس نے بیٹی کو بیاہ کر اس کا مستقبل خوش حال اور خوش گوار بنانے کا سامان پیدا کر دیا تھا۔ آگے اس کی اپنی قسمت۔ شادی سے پہلے ظاہر شاہ گلشن اقبال کے ایک پھٹیچر سے گھر میں رہتا تھا۔ داؤد نے اپنی بیٹی کے شایان شان پی ای سی ایچ ایس میں اسے ایک شاندار بنگلہ دلا دیا۔ ایک باپ اپنی بیٹی کی خاطر یہی کچھ کر سکتا ہے مگر داؤد کو معلوم نہیں تھا کہ اس کی بے خبری میں کیا کھیل کھیلا جا رہا ہے اور جب اسے سن گن ملی تو پہلے تو اسے یقین ہی نہیں آیا۔ یہ بات تھی ہی ناقابل یقین لیکن حقیقت کھل کر سامنے آ گئی تو وہ اسے جھٹلانے کی پوزیشن میں نہ رہا۔ اس کی اپنی تفتیش اور تحقیق نے اس خبر کو صد فی صد درست پایا تھا۔

یہ جان کر داؤد نظامی کے تن بدن میں آگ لگ گئی کہ اس کی بیوی اپنے داماد ظاہر شاہ سے ''انوالو'' ہے۔ اس نے سنی سنائی پر یقین نہیں کیا بلکہ اس معاملے کی تصدیق میں لگ گیا۔ جلد ہی وہ

اس نتیجے پر پہنچا کہ ظاہر شاہ اور فردوس میں دیرینہ مراسم ہیں اور جو یاسمین سے شادی کے بعد بھی ''جاری'' ہیں بلکہ یاسمین کو تو ٹریپ کیا گیا تھا۔ ظاہر شاہ نے فردوس پر دباؤ ڈالا کہ وہ یاسمین کی شادی اس سے کر دے۔ اس کے لیے فردوس نے یاسمین کو ہموار کیا۔ ان دونوں کو ملنے کے مواقع فراہم کیے۔ یہ ان دنوں کی بات تھی جب یاسمین' فردوس کے بنگلے پر مستقل ٹھہری ہوئی تھی۔ ظاہر یہی کیا گیا کہ یاسمین' ظاہر شاہ کی محبت میں مبتلا ہو چکی ہے۔ ظاہر شاہ بڑی سنجیدگی سے یہ کھیل' کھیل رہا تھا اور اس سلسلے میں اسے فردوس کا بھرپور تعاون حاصل تھا۔

دو سال پہلے جبکہ یاسمین کی شادی کو چھ سال گزر چکے تھے' داؤد نظامی اپنی بیوی کے کردار کے اس پہلو سے آگاہ ہو گیا۔ اس نے جب اس سلسلے میں فردوس سے استفسار کیا تو وہ پہلے تو صاف مکر گئی اور الٹا داؤد ہی کو برا بھلا کہنے لگی لیکن جب داؤد نے اس کے ''جرائم'' کے ٹھوس ثبوت مہیا کیے تو وہ بجائے شرمندہ ہونے کے بھڑ گئی۔ اس نے نہایت ڈھٹائی کے ساتھ وہ سب کچھ تسلیم کر لیا جو داؤد کی تحقیق کے بعد ثابت ہوا تھا۔ وہ ایک طویل عرصے سے ظاہر شاہ سے ملوث تھی اور یاسمین کی شادی بھی اسی کے ایما پر ہوئی تھی۔

کوئی بھی شوہر اپنی بیوی کے کردار کے اس پہلو کو برداشت نہیں کر سکتا چنانچہ داؤد نظامی نے پہلی فرصت میں فردوس کو طلاق دے کر اسے اپنی زندگی سے خارج کر دیا۔ فردوس کے کرتوت چونکہ یاسمین کے علم میں آ چکے تھے لہٰذا وہ بھی ماں سے متنفر ہو گئی۔ اس موقع پر یاسمین نے اپنے باپ کی بھرپور حمایت کی۔

دوسری جانب اس واقعہ کے بعد ظاہر شاہ نے یاسمین کو تنگ کرنا شروع کر دیا۔ گالم گلوچ کے بعد نوبت مار پیٹ تک پہنچ گئی پھر یہ روز کا معمول ہو گیا۔ ظاہر شاہ کی حرکتوں سے لگتا تھا کہ وہ نفسیاتی مریض ہو چکا ہے۔ یاسمین ایک حد تک اس کے ظلم و ستم برداشت کرتی رہی پھر جب معاملات اس کی سکت سے آگے بڑھ گئے تو اس نے اپنے باپ داؤد نظامی کو صورت حالات سے آگاہ کر دیا۔

یکم جنوری کو یاسمین پٹ پٹا کر اپنے بچے دانش کے ساتھ باپ کے پاس پہنچی تھی۔ اس فیصلے کے ساتھ کہ اب وہ دوبارہ اس گھر میں اور اس شوہر کے پاس نہیں جائے گی۔ چھ جنوری کو میں داؤد نظامی کے ہوٹل میں جا کر اس سے ملا تھا اور اسی شام میرے دفتر میں یاسمین سے میری ملاقات ہو گئی جس کے نتیجے میں یاسمین کی خلع کا کیس میں نے اپنے ہاتھ میں لے لیا تھا۔

داؤد نظامی کی زبانی مجھے معلوم ہوا کہ ظاہر نے یاسمین کو آزاد کرنے کیلئے ایک کروڑ روپے کا مطالبہ کیا تھا جبکہ داؤد نے اسے پانچ لاکھ کی پیشکش کی تھی۔ کوئی معاملہ طے نہ ہونے کی صورت میں داؤد نے مجھ سے کام لینے کا فیصلہ کیا تھا۔ وہ ایک بلیک میلر کو کروڑ روپیہ دینے کے حق میں ہرگز نہیں تھا۔

میں نے جب باریک بینی سے ان حالات و واقعات کا جائزہ لیا تو سب سے زیادہ قصور وار مجھے فردوس ہی نظر آئی۔ اس نے اپنی ''سرگرمیوں'' کے طفیل اپنا گھر تو تباہ کیا ہی تھا' اب وہ بیٹی کے پیچھے بھی ہاتھ دھو کر پڑ گئی تھی۔ مجھے یقین تھا کہ ظاہر شاہ مکمل طور پر فردوس کے اشاروں پر ناچ رہا تھا۔ وہ اس طرح' اپنے سابق شوہر داؤد سے انتقام لینا چاہ رہی ہو گی ورنہ اگر وہ بیٹی سے ذرا بھی ہمدردی رکھتی تو اسے بہت پہلے ظاہر شاہ کے معاملات سے خود کو الگ کر لینا چاہیے تھا۔ داؤد نے بالکل ٹھیک کہا تھا' فردوس ایک فتنہ پرور عورت تھی۔ وہ جب تک زندہ رہتی' یونہی فتنے جگاتی رہتی...... اور اس وقت تو وہ بالکل آزاد گھوم رہی تھی۔ داؤد نے مجھے بتایا تھا کہ اس سے طلاق ہونے کے بعد فردوس نے کسی ریٹائرڈ سرکاری افسر سے شادی کر لی تھی لیکن چھ ماہ بعد ہی اسے طلاق ہو گئی۔ اس شان دار ازدواجی ریکارڈ کی روشنی میں اس کی شخصیت اور کردار کو بخوبی دیکھا جا سکتا تھا۔

میں نے ایک دو روز میں یاسمین کی خلع کے کاغذات تیار کر کے کیس کو عدالت میں داخل کر دیا۔ عدالت نے ضروری کارروائی کے بعد ظاہر شاہ کو عدالت میں حاضر ہونے کے احکام صادر کر دیئے۔

باقاعدہ سماعت کیلئے عدالت نے بیس جنوری کی تاریخ دی تھی۔

☆......☆......☆

اٹھارہ جنوری کو میں عدالتی مصروفیات سے فارغ ہو کر اپنے دفتر پہنچا تو میری سیکرٹری نے اطلاع دی۔

''سر! کوئی سحرش صاحبہ دو تین مرتبہ فون کر چکی ہیں۔''

''کون سحرش؟'' میں نے سرسری انداز میں پوچھا۔

وہ بولی۔ ''بس یہی بتایا تھا کہ وہ سحرش ہیں اور اب آپ سے ضروری بات کرنا چاہتی ہیں۔''

اس وقت مجھے یاد نہ آیا کہ وہ کون سحرش ہو سکتی تھی۔ میں بے معنی انداز میں سر ہلاتے ہوئے اپنے چیمبر میں داخل ہو گیا۔

دس منٹ کے بعد صبا نے انٹرکام پر بتایا۔ ''سر! انہی سحرش صاحبہ کا فون ہے۔ وہ خود کو سحرش داؤد بتا رہی ہیں۔''

میرے ذہن میں ایک جھماکہ سا ہوا۔ میں فی الفور داؤد نظامی کے بارے میں سوچنے لگا۔ داؤد نے مجھے بتایا تھا کہ اس کی دوسری بیوی کا نام سحرش ہے۔ میں نے صبا سے کہا کہ وہ فون کال میرے پاس ٹرانسفر کر دے۔

تھوڑی دیر بعد ایئر پیس میں ایک گھبرائی ہوئی نسوانی آواز ابھری۔ ''آ...... آپ مرزا امجد بیگ بات کر رہے ہیں؟''

''ہاں' ہاں۔'' میں نے جلدی سے تائیدی انداز میں کہا۔ ''خیریت تو ہے آپ کی آواز سے پریشانی جھلک رہی ہے۔ کیا ہوا؟''

''بہت برا ہو گیا بیگ صاحب۔'' وہ روہانسے لہجے میں بولی۔ ''داؤد کو پولیس نے گرفتار کر لیا ہے۔''

میں چونک اٹھا اور پوچھا۔ ''یہ کیا کہہ رہی ہیں آپ۔ پولیس نے آپ کے شوہر کو کس بنا پر گرفتار کیا ہے؟''

وہ بولی۔ ''داؤد پر قتل کا الزام ہے۔''

''قتل...... بات کچھ سمجھ میں نہیں آئی۔'' میں نے تشویش بھرے انداز میں کہا۔ ''داؤد نے کس کو قتل کر دیا؟''

وہ ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے بولی۔ ''داؤد نے کسی کو قتل نہیں کیا۔ اس پر قتل کا جھوٹا الزام عائد کیا جا رہا ہے۔ پولیس کا دعویٰ ہے کہ داؤد نے اپنے داماد ظاہر شاہ کو شوٹ کر دیا ہے۔''

''ظاہر شاہ!'' میں اچھل پڑا۔ ''تو کیا ظاہر شاہ کو قتل کر دیا گیا؟''

''جی ہاں۔'' سحرش نے اثبات میں جواب دیا۔ ''آج دوپہر کے بعد ظاہر شاہ اپنے دفتر میں مردہ پایا گیا ہے اور پولیس کا خیال ہے ظاہر شاہ کو داؤد نے قتل کیا ہے۔''

میں نے متاسفانہ انداز میں کہا۔ ''یہ تو بڑی گمبھیر صورتحال ہے۔''

''جی' بالکل۔'' سحرش کمزور آواز میں بولی۔ ''میں ابھی تھانے میں داؤد سے مل کر آ رہی ہوں۔ وہ بہت پریشان ہے اور آپ کو یاد کر رہا ہے۔ آپ پہلی فرصت میں اس سے ملاقات کر لیں۔''

میں نے تامل کرتے ہوئے کہا۔ ''بات تو واقعی پریشانی کی ہے لیکن آپ فکر نہ کریں۔ میں دفتر سے فارغ ہونے کے بعد داؤد نظامی سے مل لوں گا۔ بائی داوے داؤد کو کس تھانے میں لے جایا گیا؟''

سحرش نے مجھے متعلقہ تھانے کا نام بتا دیا۔

میں فون بند کر کے داؤد نظامی اور ظاہر شاہ کے بارے میں سوچنے لگا۔ ظاہر شاہ کی موت کے بعد یاسمین والا کیس تو خود بخود حل ہو گیا تھا۔ اب اسے خلع یا طلاق کی ضرورت نہیں رہی تھی۔ وہ ایک مستند بیوہ بن چکی تھی لیکن داؤد نظامی کو ظاہر شاہ کے قتل کے الزام میں گرفتار کر لیا گیا تھا۔ میرا دل یہ ماننے کو تیار نہیں تھا کہ داؤد نے ظاہر کو قتل کیا ہو گا۔ دو روز بعد یعنی بیس جنوری کو تو خلع والے کیس کی باقاعدہ سماعت ہونی تھی۔ یہ بیٹھے بٹھائے داؤد نظامی پر نئی مصیبت پتا نہیں کہاں سے نازل ہو گئی تھی۔ داؤد سے ملاقات کے بعد ہی صورتحال سے آگاہی حاصل کی جا سکتی تھی۔

ساڑھے نو بجے میں دفتر سے رخصت ہو کر داؤد نظامی سے ملنے تھانے روانہ ہو گیا۔

متعلقہ تھانے پہنچ کے میں نے ملزم داؤد نظامی سے ملنے کی خواہش ظاہر کی تو ڈیوٹی پر موجود ایک سب انسپکٹر مجھے یہ سمجھانے کی کوشش کرنے لگا کہ پولیس کی تحویل میں ملزم سے کسی کو ملنے کی اجازت نہیں دی جاسکتی۔

میں نے خاصی برہمی سے کہا۔ ''میں کسی نہیں...... بلکہ ایک وکیل ہوں۔ ملزم اپنے وکیل سے ملنے کا حق رکھتا ہے۔ آپ مجھے داؤد سے ملنے سے نہیں روک سکتے۔''

ممکن ہے' ہمارے درمیان مزید مکالمے بازی ہوتی لیکن تھانہ انچارج کی بروقت آمد نے یہ سلسلہ موقوف کردیا۔ مجھ پر نظر پڑتے ہی تھانے دار زیرلب مسکراتے ہوئے کہا۔

''کیا مذاکرات ہورہے ہیں بیگ صاحب! کہیں آپ میرے سٹاف کو ورغلانے کی کوشش تو نہیں کررہے؟''

تھانہ انچارج مجھے اچھی طرح جانتا تھا۔ دوتین مرتبہ پہلے بھی ہمارا واسطہ پڑ چکا تھا۔ میں نے جواباً مسکراتے ہوئے کہا۔ ''ورغلانے اور بہکانے کا کام پولیس ڈیپارٹمنٹ بخوبی سرانجام دے رہا ہے۔ مجھے اس سلسلے میں طبع آزمائی کی ضرورت نہیں ہے میں تو ایک ضروری کام سے یہاں آیا ہوں۔''

وہ میرے طنز کو پی گیا اور دوستانہ انداز میں بولا۔ ''جی ارشاد! ایسا کون سا ضروری کام پڑ گیا ہے آپ کو؟''

''میں اپنے موکل سے ایک مختصر ملاقات کرنا چاہتا ہوں۔'' میں نے کہا۔

تھانہ انچارج نے سوالیہ نظروں سے سب انسپکٹر کو دیکھا' وہ بولا۔ ''سرجی! یہ قتل کے ملزم داؤد نظامی سے ملنا چاہتے ہیں۔''

تھانہ انچارج معنی خیز انداز میں سر ہلاتے ہوئے بولا۔ ''بیگ صاحب! ملزم بہت ہی خطرناک بندہ ہے۔ اس نے اپنے داماد کو کھوپڑی میں گولیاں ماری ہیں۔ کیا آپ نے تمام قاتلوں کی وکالت کا ٹھیکہ لے رکھا ہے؟''

میں نے متحمل لہجے میں جواب دیا۔ ''تھانے دار صاحب! پہلی بات تو یہ کہ میں نے نہ صرف وکالت کا ٹھیکہ لے رکھا ہے۔ یہ میرا پیشہ بھی ہے اور فرض بھی۔ میں بے گناہ لوگوں کو انصاف دلانے کیلئے ان کی وکالت کرتا ہوں۔ دوسری بات یہ کہ آپ ملزم داؤد کو کس بنا پر خطرناک قاتل قرار دے رہے ہیں۔ کیا آپ نے اسے اپنے داماد کی کھوپڑی میں گولیاں برساتے دیکھا تھا یا یہ کہ اس کا جرم ثابت ہو چکا ہے؟''

وہ بیزاری سے بولا۔ ''آپ میرے تھانے وعدالت کا کمرہ نہ بنائیں بیگ صاحب! آپ ملزم سے مختصر ملاقات کرسکتے ہیں۔ میں جانتا ہوں' آپ اپنا مقصد حاصل کیے بغیر نہیں ٹلیں گے۔'' پھر

اس نے ایک کانسٹیبل کو اشارہ کیا کہ وہ مجھے حوالات کی طرف لے جائے۔

یہ بات بالکل سچ ہے کہ گھی سیدھی انگلی سے نہیں نکلتا۔ پولیس ڈیپارٹمنٹ والے شرافت اور نرمی کی زبان نہیں سمجھتے بلکہ ایسے افراد کو وہ کمزور اور شریف جان کر اور شیر ہو جاتے ہیں۔ ان کے ساتھ رعب داب سے بات کی جائے تو یہ سیدھے رہتے ہیں۔ بس شرط یہ ہے کہ آپ رعب داب کی پوزیشن میں ہوں۔

میں کانسٹیبل کے ساتھ حوالات پہنچ گیا۔ داؤد نظامی کے ہاتھوں میں ہتھکڑی لگی ہوئی تھی۔ مجھ پر نظر پڑتے ہی وہ کمان سے نکلے ہوئے تیر کے مانند میری طرف بڑھا' ہمارے درمیان حوالات کی آہنی سلاخیں تھیں۔ داؤد کے چہرے پر تفکر کی گہری چھاپیں تھیں۔ میں نے خفیف سا مسکراتے ہوئے پوچھا۔

''کیا ہوگیا داؤد صاحب؟''

وہ قریب ہی کھڑے کانسٹیبل کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ ''میری تو کچھ سمجھ میں نہیں آرہا بیگ صاحب۔ پولیس کا کہنا ہے کہ میں نے ظاہر شاہ کو قتل کردیا ہے جب کہ......''

وہ ایک مرتبہ پھر کانسٹیبل کی جانب دیکھنے لگا۔ میں نے اس کا جملہ مکمل کرتے ہوئے کہا۔

''جب کہ آپ نے اپنے داماد کو قتل نہیں کیا۔''

پھر میں نے روئے سخن کانسٹیبل کی طرف رخ موڑتے ہوئے کہا۔ ''بادشاہو! ہمیں پندرہ بیس منٹ کیلئے تنہا چھوڑ دو۔ تمہاری اس حوالات میں چرانے کیلئے کچھ بھی نہیں ہے۔ تمہیں یہاں پہرا دینے کی ضرورت نہیں۔''

''وہ جی' انچارج صاحب کا حکم ہے......''

''انچارج صاحب کا حکم ہر وقت بجا لانے سے ایک خطرناک مرض ہو جاتا ہے سنتری بادشاہ۔'' میں نے اپنی جیب سے بٹوا نکالتے ہوئے کہا پھر پچاس روپے کا ایک کرارا سا نوٹ اس کی جانب بڑھا دیا۔ ''یہ رکھ لو تمہارے بچوں کی مٹھائی کیلئے ہیں۔ اگر ترقی کرنی ہے تو اپنے دماغ سے بھی سوچنے کی عادت ڈالو۔ کب تک انچارج صاحب کے اشاروں پر چلتے رہو گے۔ کیا تم انچارج نہیں بننا چاہتے؟''

اس نے پچاس کا نوٹ میرے ہاتھ سے اچک لیا اور معنی خیز انداز میں بولا۔ ''آپ جیسے مخلص ہمدرد اگر مجھے سمجھاتے رہے تو میں بہت ترقی کروں گا۔''

وہ خاصا عقل مند تھا' نوٹ لیتے ہی ایک بہانا بنا کر وہاں سے کھسک لیا۔ مجھے امید تھی کہ وہ آدھے گھنٹے سے پہلے ادھر کا رخ نہیں کرے گا۔ میرے لیے یہ وقت کافی تھا' میں داؤد نظامی کی جانب متوجہ ہوگیا۔

"داؤد صاحب! آپ کو تو پولیس نے ظاہر شاہ کے قتل کے الزام میں گرفتار کیا ہے۔ وہ ایسا کیوں سوچ رہے ہیں؟ حقیقت کیا ہے' مجھے بتائیں؟"

"حقیقت یہ ہے کہ میں نے ظاہر شاہ کو قتل نہیں کیا۔" وہ سراسیمہ لہجے میں بولا۔ "البتہ آج اس سے میرا جھگڑا ضرور ہوا تھا۔"

میں نے پوچھا۔ "کس بات پر جھگڑا ہوا تھا؟"

"اس کی بیہودگی اور بدتمیزی پر میں نے اسے برا بھلا کہا تھا۔" اس نے بتایا۔

"مجھے پتا چلا ہے' ظاہر شاہ کی لاش اس کے ٹریول ایجنسی والے دفتر میں پائی گئی ہے۔" میں نے کہا۔ "کیا آپ وہاں گئے تھے یا وہ آپ کے پاس آیا تھا؟"

"میں ہی اس کی باتوں میں آ کر وہاں چلا گیا تھا۔"

"مثلاً کس قسم کی باتیں؟" میں نے کریدا۔

داؤد نظامی نے بتایا۔ "اسے عدالت کا بلاوا موصول ہو گیا تھا۔ اسی سلسلے میں بات کرنے کیلئے ظاہر نے مجھے اپنے دفتر میں بلایا تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ عدالت میں جائے بغیر یہ معاملہ نمٹا لیا جائے۔"

"اور آپ اس کے بلانے پر وہاں پہنچ گئے۔" میں نے شکایتی لہجے میں کہا۔

اس نے اثبات میں سر ہلانے پر اکتفا کیا۔

میں نے کہا۔ "داؤد صاحب! میں آپ کی بیٹی کا کیس ڈیل کر رہا ہوں...... بلکہ اب تو یہ کہنا چاہیے کہ ڈیل کر رہا تھا۔ اس سلسلے میں کسی قسم کی مشاورت سے پہلے آپ کو مجھے ضرور مطلع کرنا چاہیے تھا لیکن میرے علم میں لائے بغیر آپ مخالف پارٹی سے ملنے چلے گئے جب کہ دو روز بعد تاریخ بھی تھی۔"

وہ ندامت آمیز لہجے میں بولا۔ "واقعی مجھ سے غلطی ہو گئی بیگ صاحب!"

میں نے اسے زیادہ شرمندہ کرنا مناسب نہیں سمجھا اور کہا۔ "داؤد صاحب! آپ نے جس قانونی مدد کیلئے میری خدمات حاصل کی تھیں اب اس کی تو ضرورت نہیں رہی' آپ چاہیں تو اپنی ادا کردہ رقم......"

"نہیں' نہیں۔" وہ میری بات پوری ہونے سے پہلے ہی بول اٹھا۔ "میں اس موقع پر خدا کا شکر بھی ادا کروں گا اور استغفار بھی پڑھوں گا۔ آپ رقم کی واپسی کا ذکر نہ کریں بلکہ مزید بھی جتنی رقم کی ضرورت ہو' میں ادا کرنے کو تیار ہوں۔ میری مسز آپ کو ایک بلینک چیک صبح ہی پہنچا دے گی۔ اب آپ نے مجھے اس قتل کے جھوٹے مقدمے سے نکالنا ہے۔"

میں نے کہا۔ "پہلے آپ مجھے آج کے واقعات کی تفصیل بتائیں لیکن اس سے قبل یہ

وضاحت ضرور کر دیں کہ آپ کس بات پر اللہ کے شکر گزار ہیں اور کس بات پر توبہ استغفار کر رہے ہیں؟"

"جناب! خدا کا شکر تو میں اس لیے کر رہا ہوں کہ ظاہر شاہ جیسے خبیث انسان سے میری بیٹی کی جان چھوٹ گئی۔ وہ ہمیشہ ہمیشہ کیلئے آزاد ہو گئی...... اور توبہ میں اپنے بے گناہ گرفتار ہونے پر کر رہا ہوں۔ اللہ مجھے اس ناکردہ جرم سے نجات دلائے۔"

اس نے معقول وضاحت کی تھی۔ میں اس سے مذکورہ روز پیش آنے والے حالات کی روداد سننے لگا۔ داؤد نظامی نے جو باتیں مجھے بتائیں ان میں سے غیر ضروری تفصیل کو حذف کر کے میں آپ کی خدمت میں مختصراً بیان کر رہا ہوں تا کہ آپ اس کیس کی نئی کروٹ کے پس منظر سے آگاہ ہو جائیں۔

داؤد نظامی مجھے پہلے بتا چکا تھا کہ ظاہر شاہ نے یاسمین کو آزاد کرنے کیلئے اس سے ایک کروڑ روپے کا مطالبہ کیا تھا۔ جسے داؤد نے یکسر رد کر دیا تھا۔ وقوعہ کے روز پیش آنے والے واقعات کے مطابق دوپہر کے وقت داؤد کو اپنے داماد کا فون موصول ہوا کہ وہ اس کے دفتر میں آ کر اس معاملے کو عدالت سے باہر ہی نمٹا لے۔ داؤد اس کی ایجنسی پر پہنچ گیا۔ ظاہر شاہ کا دفتر سٹاف والے ہال کے پہلو میں واقع تھا۔ ہال میں ایجنسی کا چاق و چوبند عملہ بیٹھتا تھا۔ ظاہر کے دفتر کے دو حصے تھے۔ ایک حصہ وہ کاروباری ڈیلنگ میں استعمال کرتا تھا جبکہ دوسرا حصہ ریسٹ روم ٹائپ کا تھا۔ یہ دونوں حصے ساؤنڈ پروف تھے۔

داؤد نظامی اپنے داماد کے پاس پہنچا تو بدمزگی نے اس کا استقبال کیا۔ ظاہر شاہ کے آفس میں اپنی سابق بیوی فردوس کو موجود پا کر اسے شدید ترین کوفت کا احساس ہوا۔ ظاہر نے مصنوعی خوشی کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔

"آئیے آئیے سیٹھ صاحب۔ تشریف لائیے۔"

اپنے لیے داماد کی زبان سے "سیٹھ صاحب" کے الفاظ سن کے داؤد کی طبیعت مزید مکدر ہو گئی۔ وہ دفتر میں داخل ہو ہی چکا تھا اس لیے واپسی کا ارادہ ترک کر کے وہ بادل نخواستہ ایک کرسی کی جانب بڑھ گیا۔

اسی دوران میں فردوس وہاں سے اٹھ کر بغلی حصے میں گھس گئی۔ اس نے ریسٹ روم میں داخل ہوتے ہی دروازہ بند کر دیا تھا۔

داؤد کرسی پر بیٹھنے کے بعد بولا۔ "اگر یہ یہاں موجود تھی تو پھر مجھے بلانے کی کیا تک تھی؟"

"جب یہ آئیں تو میں آپ کو فون کر چکا تھا۔" ظاہر شاہ نے ڈھٹائی سے جواب دیا۔ "خیر' کوئی بات نہیں وہ دوسرے کمرے میں چلی گئی ہیں۔ ہمارے درمیان ہونے والی باتیں وہاں تک نہیں

پہنچیں گی۔''

داؤد نے جن وجوہات کی بنا پر فردوس کو طلاق دی تھی وہ نا قابل نظر انداز تھیں۔ فردوس کی وہاں موجودگی سے ظاہر ہوتا تھا کہ اب وہ کھلم کھلا پاکیزہ رشتوں کا مذاق اڑا رہے تھے۔ داؤد کو یقین تھا کہ ظاہر نے سراسر غلط بیانی کی تھی۔ فردوس اس وقت بھی وہاں موجود ہوگی جب ظاہر نے اسے بلانے کیلئے فون کیا تھا۔ انہی خیالات سے الجھتے ہوئے اس نے اپنے بدبخت داماد سے پوچھا۔

''تم نے مجھے کیا کہنے کیلئے یہاں بلایا ہے؟''

وہ کھنکار کر گلا صاف کرتے ہوئے بولا۔ ''میں ایک کروڑ روپے والے مطالبے سے دستبردار ہونا چاہتا ہوں۔''

داؤد نے پوری سنجیدگی سے اس کا جملہ سنا اور کہا۔ ''پھر؟''

''اگر آپ عدالت کو بیچ میں نہ لائیں تو یہ معاملہ اس سے نصف رقم میں طے ہو سکتا ہے۔''

ظاہر شاہ زیر لب شیطانی انداز میں مسکرایا۔

''کیا کہنا چاہتے ہو؟'' داؤد نے وضاحت چاہی۔

''اتنی آسان بات آپ کی سمجھ میں نہیں آئی۔'' ظاہر شاہ حیرت کا اظہار کرتے ہوئے بولا۔

''اگر آپ مجھے پچاس لاکھ روپے ادا کر دیں تو میں آپ کی بیٹی کو آزاد کرنے کو تیار ہوں۔''

ظاہر شاہ کے الفاظ نے داؤد نظامی کے تن بدن میں آگ سی بھر دی۔ وہ بپھرے ہوئے لہجے میں بولا۔ ''کم عقل انسان! پہلے تو میں اپنی شرافت میں تمہیں پانچ لاکھ روپے دے رہا تھا اور اس کے ساتھ ہی یاسمین کے مہر کی ادائیگی سے بھی تمہیں بچا رہا تھا لیکن وہ سیدھی سادی بات تمہاری سمجھ میں نہیں آئی۔'' داؤد ایک لمحے کو سانس لینے کی خاطر رکا پھر بات جاری رکھتے ہوئے بولا۔ ''اب تو تم منہ دھو رکھو' پانچ لاکھ تو کیا' میں تمہیں پانچ پیسے بھی نہیں دوں گا۔ تم پچاس لاکھ کے خواب دیکھنا چھوڑ دو۔ وقت بہت آگے بڑھ چکا ہے اب جو بھی بات ہوگی' عدالت کے کمرے میں ہی ہوگی۔''

''اس کا مطلب ہے' میری تجویز آپ کی سمجھ میں نہیں آئی۔''

''تمہاری تجویز انتہائی نامعقول اور بعد از وقت ہے۔''

''آپ کو عدالت میں جانے کا بہت شوق ہے۔'' ظاہر شاہ کے لہجے میں ایک دھمکی سی پوشیدہ تھی۔

داؤد نظامی نے کہا۔ ''عدالت میں انسان کو اس کا شوق نہیں بلکہ مجبوری لے جاتی ہے۔ تم نے مجھے مجبور کیا ورنہ......''

''ورنہ آپ تو بہت ہی شریف النفس اور سیدھے سادے انسان ہیں...... ایک ہمدرد باپ جس کے سینے میں بیٹی کی محبت کا سمندر موج زن ہے۔ ہے نا یہی بات؟''

داؤد نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔ ''ایک آدھ تمہارے جیسے کو چھوڑ کر باقی اکثر باپ ہمدرد اور اولاد سے محبت کرنے والے ہوتے ہیں ظاہر شاہ۔''

ظاہر اس چوٹ پر دھیرے سے مسکرایا اور سنسناتے ہوئے لہجے میں بولا۔ ''میں نے تو آپ کو ایک بہت ہی مناسب مشورہ دیا تھا۔ جو آپ کی سمجھ میں نہیں اترا۔ بہر حال۔'' اس نے بے پروائی سے کندھے اچکائے اور اضافہ کرتے ہوئے ذومعنی لہجے میں بولا۔ ''عدالت سے رجوع کرنے کے نتائج بھی بہت جلد سامنے آ جائیں گے۔ آپ اگر ایسے ہی خوش ہیں تو آپ کی مرضی۔''

آخری جملے ظاہر شاہ نے اس انداز سے ادا کیے تھے جیسے وہ کہنا چاہ رہا تھا' عدالت میں کیس لگانے کے بڑے بھیانک نتائج برآمد ہوں گے۔

داؤد نے مزید وہاں رکنا مناسب نہ جانا اور اپنے نابکار داماد کے دفتر سے نکل آیا۔ واپسی میں اسے ایجنسی کے اسی ہال سے گزرنا پڑا جہاں نصف درجن سے زائد افراد پر مشتمل سٹاف بڑے انہماک سے کلائنٹس کو ڈیل کر رہا تھا۔ ظاہر شاہ کی ٹریول ایجنسی نے پچھلے ایک سال میں بڑی تیزی سے ترقی کی تھی۔ یہ پودا داؤد نظامی نے اپنے ہاتھوں سے لگایا تھا اور طویل عرصے تک اس کی دیکھ بھال کی اور آبیاری بھی کرتا رہا تھا۔ جب یہ پودا پھل دینے کے قابل ہوا تو کوئی اور ہی اس کا مالک بن بیٹھا تھا۔ اس دنیا کا یہی دستور ہے۔ مخلص اور ہمدرد لوگوں کو اچھی طرح نچوڑنے کے بعد اسی طرح ایک کونے سے لگا کر ان کی طرف سے آنکھیں پھیر لی جاتی ہیں...... اور خاص خاص معاملات میں تو انہیں آنکھیں دکھائی بھی جاتی ہیں جیسا کہ ظاہر شاہ اپنے سسر کو دکھا رہا تھا۔ طوطا چشمی اور احسان فراموشی کی اس سے بڑی اور کون سی مثال ہو سکتی تھی۔

داؤد نظامی اپنی کہانی سنا چکا تو میں نے پوچھا۔ ''آج لگ بھگ کتنے بجے ظاہر نے فون کر کے آپ کو اپنے پاس بلایا تھا؟''

''میرا خیال ہے' اس وقت دو بجے ہوں گے۔'' اس نے جواب دیا۔

''اس کی ایجنسی پر آپ کتنے بجے پہنچے تھے؟''

''آدھے گھنٹے میں...... یعنی اڑھائی بجے میں اپنے ہوٹل سے نکلا اور کم و بیش تین بجے میں ظاہر کے دفتر میں تھا۔''

''آپ وہاں کتنی دیر رکے تھے؟''

''مشکل سے دس منٹ...... یا زیادہ سے زیادہ پندرہ منٹ۔''

''اس کا مطلب ہے' آپ سوا تین بجے اس کی ایجنسی سے نکل آئے تھے' میں نے پرخیال انداز میں پوچھا۔ ''وہاں سے آپ سیدھے اپنے ہوٹل ہی آئے تھے یا کہیں اور چلے گئے تھے؟''

داؤد نظامی نے جواب دیا۔ ''آیا تو میں اپنے ہوٹل ہی تھا لیکن راستے میں ایک جگہ رک کر

میں نے پندرہ بیس منٹ گزارے تھے۔ دراصل اس وقت میں بہت ٹینس تھا۔ میں نے ایک سایہ دار جگہ پر اپنی گاڑی روک کر تھوڑا ریلیکس کیا تھا۔ اس دوران میں' میں آنکھیں بند کر کے اپنی گاڑی کے اندر ہی بیٹھا رہا تھا پھر واپس اپنے ہوٹل آ گیا تھا۔

"آپ کتنے بجے اپنے ہوٹل پہنچے تھے؟"

"کم و بیش چار بجے۔"

"آپ کی گرفتاری کتنے بجے عمل میں آئی تھی؟"

"تقریباً ساڑھے پانچ بجے۔" اس نے جواب دیا۔

"ظاہر کے دفتر میں اپنی سابق بیوی فردوس سے آپ نے کوئی بات کی تھی؟" میں نے ایک نہایت اہم سوال کیا۔

اس نے نفی میں جواب دیا اور بتایا۔ "مجھے دیکھتے ہی فردوس نے ناگواری سے منہ دوسری جانب پھیر لیا تھا وہ اٹھ کر دفتر سے ملحق کمرے میں چلی گئی تھی۔"

"پولیس کو آپ نے کیا بیان دیا ہے؟"

"ابھی تک تو انہوں نے مجھ سے بیان نہیں لیا۔"

"انہیں بھی آپ یہی سب بتائیں جو مجھے بتایا ہے۔" میں نے کہا۔ "سچ میں بہت طاقت ہوتی ہے۔ باقی میں سنبھال لوں گا۔ انشاء اللہ میں کل آپ کی ضمانت کے کاغذات تیار کر کے عدالت میں داخل کر دوں گا۔ آپ ان کاغذات پر دستخط کر دیں۔"

پھر میں نے چند اہم کاغذات بشمول وکالت نامہ اس کے سامنے کر دیئے۔ اس نے میری نشان دہی پر چند مخصوص مقامات پر دستخط کر دیئے۔

میں نے ان کاغذات کو اپنے بریف کیس میں رکھتے ہوئے کہا۔ "آپ کو فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں۔" پولیس والے ریمانڈ حاصل کرنے کیلئے آپ کو کل عدالت میں پیش کریں گے۔ میں وہاں پہلے سے موجود ہوں گا۔"

"بیگ صاحب! مجھے ایک ناکردہ جرم میں خواہ مخواہ گرفتار کر لیا گیا ہے۔ آپ کی بھرپور وکالت ہی مجھے اس مصیبت سے نجات دلا سکتی ہے۔"

میں نے کہا۔ "میں آپ کو باعزت بری کروانے کی پوری کوشش کروں گا' پہلے ذرا میں اس کیس کی تفصیلات جان لوں۔ اس سلسلے میں پولیس والوں کے مؤقف سے آگاہ ہونا بہت ضروری ہے۔ میں ابھی تھانے دار سے مل کر ایف آئی آر کے بارے میں پوچھتا ہوں۔" میں نے چند لمحے رک کر سانس درست کی اور گہری سنجیدگی سے پوچھا۔ "آپ کے خیال میں ظاہر شاہ کو کون قتل کر سکتا ہے؟"

"خدا ہی بہتر جانتا ہے۔" وہ حوالات کی چھت کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ "اس جیسے لوگ اپنے سینکڑوں دشمن بنا لیتے ہیں۔ موقع ملنے پر کوئی بھی کام دکھا سکتا ہے۔"

میں نے کہا۔ "موقع ملنے پر کام دکھانے کی بات آپ نے خوب کی ہے۔ ظاہر کے قاتل نے آپ کے وہاں جانے کا خوب استعمال کیا ہے۔ قرائن سے یہی ظاہر ہوتا ہے کہ قاتل نے یہ موقع بڑے سلیقے سے نکالا ہے۔ آپ کا کیا خیال ہے؟"

"آپ کی بات میں خاصا وزن ہے۔" وہ تائیدی انداز میں بولا۔ "مجھے بھی کچھ ایسا ہی محسوس ہو رہا ہے۔"

میں نے دھیمے لہجے میں استفسار کیا۔ "فردوس بیگم کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟"

میرا انداز ایسا رازدارانہ تھا کہ وہ میری بات کی گہرائی کو نہیں پہنچ سکا اور جلدی سے بولا۔

"فردوس کو میں دو سال پہلے طلاق دے چکا ہوں۔"

میں نے زیر لب مسکراتے ہوئے کہا۔ "میں دوبارہ رجوع کرنے کی بات نہیں کر رہا۔ میں تو آپ سے یہ جاننا چاہ رہا تھا کہ کہیں ظاہر شاہ کے قتل میں فردوس بیگم کا تو ہاتھ نہیں؟"

"فردوس سے کچھ بعید نہیں۔" وہ نفرت آمیز لہجے میں بولا۔ "وہ بڑی فتنہ پرور عورت ہے لیکن میرا خیال ہے' وہ ظاہر شاہ کو قتل نہیں کر سکتی۔ اس منحوس انسان کی خاطر تو اس احمق عورت نے اپنا گھر اجاڑا تھا۔"

میں داؤد کی اس رائے پر کوئی تبصرہ نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اگر فردوس کردار کے حوالے سے واقعی ایسی عورت تھی جیسا داؤد نے بیان کیا تھا تو پھر وہ خطرناک عورتوں میں شمار کیے جانے کے قابل تھی۔ مقدس رشتوں کو پامال کرنے والے لوگ کبھی کسی کے نہیں ہوتے۔ وہ حالات اور موقع دیکھ کر اپنے مفاد کی خاطر کوئی بھی کروٹ لے سکتے ہیں۔

میں نے داؤد کے پاس سے رخصت ہونے سے پہلے پوچھا۔ "گرفتاری کے وقت پولیس والوں نے آپ کے دفتر کی تلاشی تو لی ہوگی؟"

اس نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔ "ہاں' انہوں نے میرے دفتر کا کونا کونا چھانا تھا اور میری میز کی دراز میں سے انہیں ایک پسٹل بھی مل گیا جو فوری طور پر انہوں نے اپنے قبضے میں کر لیا۔"

داؤد کے جواب پر میں چونک اٹھا اور پوچھا۔ "کیا وہ پستول آپ کی ملکیت ہے؟"

"جی ہاں' وہ میرا ذاتی پستول ہے۔" اس نے بتایا۔ "لائسنس یافتہ۔"

"کیا ظاہر شاہ سے ملنے کیلئے جاتے وقت آپ وہ پستول اپنے ساتھ لے گئے تھے؟" میں نے سوال کیا۔

اس نے نفی میں جواب دیا۔ ''نہیں' پستول یہیں میری میز کے اندر ہی موجود تھا' میں نے کافی عرصے سے اسے میز کی دراز میں سے نہیں نکالا۔'' ایک لمحے کا توقف کر کے اس نے اضافہ کیا۔ ''یہ ہتھیار میں نے احتیاط کے تقاضوں کے پیش نظر اپنے پاس رکھا ہوا ہے۔ آج تک اس کے استعمال کی نوبت نہیں آئی۔''

''لیکن اب وہ بالکل غلط ہاتھوں میں پہنچ گیا ہے۔'' میں نے متاسفانہ انداز میں کہا۔ ''آپ پولیس والوں کے ہاتھوں سے بخوبی آگاہ ہوں گے نا۔''

''ہاں' میں نے ان کے بارے میں بہت کچھ سن رکھا ہے۔'' وہ برا سا منہ بناتے ہوئے بولا۔ ''لیکن واسطہ پہلی مرتبہ پڑا ہے۔''

میں مزید دو چار ہدایات کے بعد اسے تسلی دے کر حوالات کے سامنے سے ہٹ گیا۔ اس دوران میں وہ کانسٹیبل ایک دو مرتبہ ادھر کا چکر لگا چکا تھا۔ ایک مرتبہ وہ مخصوص انداز میں کھنکارا بھی تھا جس کا واضح مطلب یہی تھا کہ اب ہمیں اس ملاقات کو ختم کر دینا چاہیے۔

میں تھانہ انچارج کے کمرے کے سامنے سے گزرا تو اس نے تمسخرانہ انداز میں بولا۔ ''بیگ صاحب! ملزم کو بیان رٹوا دیا آپ نے یا کوئی کسر رہ گئی ہے؟''

میں نے بھی جواباً طنزیہ لہجے میں کہا۔ ''آپ نے کوئی کسر چھوڑی تھی کہ میں اس مظلوم پر طبع آزمائی کرتا۔ بائی داوے' اس پستول کا آپ کیا کریں گے جو ملزم داؤد نظامی کے دفتر سے آپ لوگوں نے برآمد کیا ہے۔''

''ہم اس کا اچار ڈالیں گے۔'' وہ نیم مزاحیہ انداز میں بولا۔ اس کے ساتھ ہی اس نے اپنی مونچھ کو مروڑا دیا اور کہا۔ ''ایسے آتشیں کھلونوں کا بڑا چٹ پٹا اور لذیذ اچار بنتا ہے۔ اگر آپ خواہش کریں تو عدالت میں ایک آدھ پیس آپ کو بھی چکھا دیا جائے گا۔''

میں نے صرف مسکرانے پر اکتفا کیا اور تھانے سے باہر آ گیا۔

داؤد نظامی بیٹھے بٹھائے ایک مصیبت میں گرفتار ہو گیا تھا۔ میرے خیال میں اسے اپنے داماد کے بلانے پر اس کے دفتر نہیں جانا چاہیے تھا یا پھر یہ قدم اٹھانے سے پہلے وہ مجھ سے مشورہ کر لیتا تو اس ناگہانی سے بچ سکتا تھا۔

اس بات میں تو کسی شک وشبہے کی گنجائش نہیں ہو سکتی تھی کہ ظاہر شاہ واقعی قتل ہو چکا تھا ورنہ پولیس والوں کو اتنا کھٹ راگ پھیلانے کی کیا ضرورت تھی۔ یہ بات البتہ قابل غور تھی کہ ظاہر کو کس نے قتل کیا تھا۔ میں چاہتا تو تھانے دار سے ایف آئی آر کے بارے میں استفسار کر سکتا تھا لیکن اس کے تیوروں کو دیکھتے ہوئے میں نے یہ کوشش نہیں کی۔ مجھے یقین تھا کہ وہ کوئی کام کی بات اگل کر نہیں دے گا۔

میں گھر پہنچا تو تھوڑی ہی دیر بعد بیگم داؤد کا فون آ گیا۔ ''بیگ صاحب! زحمت دینے کیلئے پیشگی معذرت چاہتی ہوں۔ دراصل میں ضمانت کے سلسلے میں آپ سے تفصیل نہیں پوچھ سکی تھی۔ کل پولیس والے داؤد کو عدالت میں پیش کریں گے۔ میں چاہتی ہوں آپ کل ہی اس کی ضمانت کروا دیں۔''

''یقیناً' آپ کو ایسا ہی چاہنا بھی چاہیے سحرش صاحبہ!'' میں نے کہا۔ ''لیکن ایک بات کی میں وضاحت کر دوں کہ قتل کے ملزم کی ضمانت آسانی سے نہیں ہوتی۔''

''آسانی سے نہیں تو مشکل سے ہو جائے۔'' وہ سنجیدگی سے بولی۔ ''پیسہ خرچ کرنے میں نہ میں کنجوس ہوں اور نہ ہی داؤد تنگ دل ہے۔''

''میں اپنی پوری کوشش کروں گا سحرش صاحبہ!'' میں نے تسلی آمیز لہجے میں کہا۔ ''آپ اس سلسلے میں بے فکر ہو جائیں۔''

پھر میں نے اسے آئندہ دس منٹ تک ضمانت کے قانونی طریقہ کے بارے میں بتاتا رہا۔ جب سحرش نے فون بند کیا تو کافی حد تک مطمئن ہو چکی تھی۔

☆......☆......☆

اگلے روز پولیس نے ملزم داؤد کو عدالت میں پیش کر کے اس کا پندرہ دن کا ریمانڈ حاصل کرنا چاہا۔ میں نے اپنے موکل کی ضمانت کے کاغذات داخل کرتے ہوئے اس کی ضمانت کروانے کی بھرپور کوشش کی۔ مجھے کامیابی حاصل نہ ہو سکی۔ جج نے سات یوم کا ریمانڈ دے کر ملزم کو پولیس کی تحویل میں دے دیا۔ میرے لیے خلاف توقع کچھ نہیں ہوا تھا۔ میں جانتا تھا' میرے موکل کی ضمانت ہونا تقریباً ناممکن تھا۔

آئندہ پیشی پر پولیس نے چالان پیش کر دیا۔ جج نے فرد جرم پڑھ کر سنائی اور ملزم نے صحت جرم سے انکار کر دیا۔ اس پر جج نے وکیل استغاثہ کو اشارہ کیا جس کا واضح مطلب یہی تھا کہ وہ استغاثہ کو ثابت کرنے کیلئے گواہوں کی شہادت کا سلسلہ شروع کرے۔

عدالتی کارروائی کا احوال بیان کرنے سے قبل میں چند اہم باتیں بتانا چاہتا ہوں' میرے موکل کی پہلی بیوی فردوس اس کیس میں نہایت ہی لیڈنگ کردار ادا کر رہی تھی۔ وہ ایک طرح سے اس مقدمے کی مدعی ہونے کا رول ادا کر رہی تھی اور استغاثہ کے گواہوں کی فہرست میں بھی اس کا نام موجود تھا۔ فردوس کے بارے میں جن نئی باتوں کا پتا چلا وہ داؤد کے لیے بھی انکشاف انگیز تھیں جن کا ذکر عدالتی کارروائی کے دوران میں مناسب موقع پر آئے گا۔

پولیس نے اس واقعہ کو ایک سیدھا سادہ قتل کا کیس گردانا تھا۔ فردوس کی اطلاع پر پولیس جائے وقوعہ پر پہنچی تھی اور انہوں نے مقتول ظاہر شاہ کی لاش اس کے دفتر میں پائی۔ مقتول کو اس کی

کرسی پر بیٹھے ہوئے کھوپڑی میں دو گولیاں مار کر قتل کیا گیا تھا۔ مقتول کے دفتر میں دو تین مقامات پر ملزم کی انگلیوں کے نشانات بھی پائے گئے تھے۔ ازاں بعد فردوس کی نشاندہی پر پولیس نے ملزم کے ہوٹل پہنچ کر اس کے دفتر سے اسے گرفتار کرلیا تھا۔

اس موقع پر پوسٹ مارٹم کی رپورٹ کا ذکر کرنا بھی ضروری سمجھتا ہوں۔ اس رپورٹ کے مطابق مقتول کی موت اٹھارہ جنوری کی سہ پہر تین اور چار بجے کے درمیان واقع ہوئی تھی۔ اس موت کا سبب وہ دو گولیاں تھیں جو مقتول کی کھوپڑی میں عقبی سمت سے اتار دی گئی تھیں۔ گولیوں کا کیلی بر اعشاریہ تین آٹھ تھا اور وہ ایک سائلنسر لگے پستول سے فائر کی گئی تھیں۔

یہ ایک اتفاق تھا کہ پولیس نے ملزم کے دفتر سے جو پستول برآمد کیا اس کا کیلی بر بھی اعشاریہ تین آٹھ ہی تھا تاہم پولیس کے ہتھے چڑھنے والے پستول پر سائلنسر نہیں لگا ہوا تھا۔

استغاثہ کی جانب سے کم وبیش نصف درجن گواہوں کی فہرست دائر کی گئی جن میں زیادہ تعداد مقتول کی ٹریول ایجنسی کے سٹاف پر مشتمل تھی مگر میں یہاں پر صرف تین چار نہایت اہم گواہوں کا تذکرہ کروں گا تاکہ صفحات کا مخصوص کوٹا کام کی باتوں میں صرف ہو۔

سب سے پہلے انکوائری افسر نے واقعاتی شہادتوں کے ساتھ اپنے تیار کردہ چالانوں کی روشنی میں ایک مختصر سا بیان دیا جس میں اس بات کی وضاحت کی گئی تھی کہ پولیس نے کس بنا پر ملزم کو قاتل کے خانے میں فٹ کیا ہے۔

انکوائری افسر ایک سب انسپکٹر تھا۔ یہ وہی ایس آئی تھا جس سے چند روز قبل میں تھانے میں ملاقات کر چکا تھا۔ اب میری سمجھ میں آ گیا کہ اس روز وہ ملزم سے ملنے کیلئے میرے راستے میں روڑے کیوں اٹکا رہا تھا۔

وکیل استغاثہ نے دو چار سرسری نوعیت کے سوالات پوچھ کر اپنا کام نمٹا دیا۔ اس کے بعد میں جج کی اجازت سے اس کیس کے آئی او (انکوائری افسر) کی جانب متوجہ ہوگیا۔

''میں نے سوالات کا آغاز کرتے ہوئے کہا۔ ''میں آپ کا نام پوچھ سکتا ہوں اور کیا میں تفتیشی افسر یا انکوائری افسر کے بجائے آپ کو آپ کے نام سے مخاطب کرسکتا ہوں؟''

''بڑے شوق سے۔'' وہ دوستانہ انداز میں بولا تاہم اس کے چہرے کا تناؤ یہ ظاہر کرتا تھا کہ وہ خلاف مزاج ایسا نرم رویہ اختیار کرنے پر مجبور ہے پھر اس نے اپنا نام بھی بتا دیا۔ ''میرا نام گلزار خان ہے۔''

''گلزار صاحب!'' میں نے اس کے چہرے پر نگاہ جماتے ہوئے استفسار کیا۔ ''آپ کو وقوعہ کے بارے میں کس نے مطلع کیا تھا؟''

''مقتول کی سچی خیر خواہ فردوس بیگم نے۔''

''آپ نے یہ اندازہ کیسے لگالیا کہ فردوس بیگم مقتول کی سچی خیر خواہ ہیں؟'' میں نے پوچھا۔

اس نے بتایا۔ ''جو شخص مصیبت کے وقت کسی کے کام آئے وہ مصیبت زدہ شخص کا خیر خواہ ہی ہوتا ہے۔ پھر مجھے پتا چلا ہے کہ فردوس بیگم مقتول کی بزنس پارٹنر بھی ہیں۔''

داؤد نظامی اور میں چونک کر انکوائری افسر کو دیکھنے لگے۔ ہمارے لیے یہ انکشاف ہی تھا کہ فردوس بیگم ٹریول ایجنسی کے کاروبار میں ظاہر شاہ کی پارٹنر بھی تھی' میں نے تصدیق طلب انداز میں انکوائری افسر سے پوچھ لیا۔

''گلزار صاحب! بزنس پارٹنر سے آپ کی مراد ٹریول ایجنسی والے بزنس سے ہے؟''

''جی ہاں' میں اسی بزنس کی بات کر رہا ہوں۔'' وہ اثبات میں گردن ہلاتے ہوئے بولا۔

''کیا آپ کو یہ بات معلوم نہیں تھی؟''

''واقعی' میں یہ بات نہیں جانتا تھا۔'' میں نے کہا۔

''اس نے چوٹ کی۔'' تو پھر آپ بڑے بے خبر وکیل ہیں۔''

میں نے اس کی بات کی گہرائی میں جانا مناسب نہیں سمجھا اور اگلا سوال کیا۔ ''گلزار صاحب آپ کو وقوعہ کی اطلاع کتنے بجے دی گئی تھی؟''

اس نے جواب دیا۔ ''اٹھارہ جنوری' سہ پہر تین بج کر چھپیس منٹ پر ہمیں اطلاع ملی تھی کہ ''فلائی سٹار'' ٹریول ایجنسی میں قتل کی ایک واردات ہوگئی ہے۔''

فلائی سٹار (Fly Star) ظاہر شاہ کی ٹریول ایجنسی کا نام تھا۔ داؤد نے مجھے بتایا تھا کہ وہ لگ بھگ تین پندرہ پر ظاہر شاہ کے دفتر سے نکلا تھا۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ اس کے رخصت ہونے کے دس منٹ بعد فردوس بیگم نے پولیس کو فون کیا تھا۔

میں نے انکوائری افسر سے پوچھا۔ ''فردوس بیگم نے اس واردات کی اطلاع دیتے ہوئے کن الفاظ کا استعمال کیا تھا؟''

وہ تھوڑی دیر سوچنے کے بعد بولا۔ ''فون چونکہ میں نے ریسیو کیا تھا اس لیے مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ فردوس بیگم نے کہا تھا...... میرے بزنس پارٹنر ظاہر شاہ کو اس کے سسر نے قتل کر دیا ہے۔ آپ فوراً فلائی سٹار کے دفتر پہنچیں۔ اس کے بعد مذکورہ ٹریول ایجنسی کا ایڈریس سمجھایا گیا تھا۔''

میں نے سوال کیا۔ ''آپ کتنے بجے جائے واردات پر پہنچ گئے تھے؟''

''لگ بھگ چار بجے۔'' اس نے جواب دیا۔

''اس کے بعد کیا ہوا تھا؟'' میں نے پوچھا۔

وہ بولا۔ ''ہونا کیا تھا' میں نے موقع کی ضروری کارروائی نمٹائی۔ ظاہر شاہ کی لاش کو پوسٹ مارٹم کیلئے روانہ کیا اور خود قاتل کی گرفتاری کیلئے چل نکلا۔''

''قاتل کی نشاندہی بھی فردوس بیگم نے کی ہوگی؟'' میں نے کہا۔

''ظاہر ہے اور مجھے کوئی خواب تھوڑی آیا تھا۔'' وہ عجیب سے لہجے میں بولا۔

''آپ نے میرے موکل کو کتنے بجے گرفتار کیا تھا؟''

''ساڑھے پانچ بجے۔''

''گلزار صاحب!'' میں نے سوالات کے سلسلے کو دراز کرتے ہوئے کہا۔ ''پوسٹ مارٹم کی رپورٹ میں بتایا گیا ہے کہ مقتول کو سائلنسر لگے پستول سے ہلاک کیا گیا ہے۔ کیا آپ نے آلہ قتل برآمد کرلیا ہے۔''

''وہ ادھر بڑی میز میں رکھا ہے۔'' آئی او نے ایک میز کی جانب اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ ''یہ اعشاریہ تین آٹھ کیلی بر کا پستول ہمیں ملزم کی دراز سے ملا تھا۔''

میں نے مذکورہ میز کی طرف دیکھا۔ وہاں سیلوفین بیگ میں محفوظ ایک پستول رکھا تھا جو یقینی طور پر اعشاریہ تین آٹھ کیلی بر ہی کا تھا۔''

میں نے چونکنے کی اداکاری کرتے ہوئے کہا۔ ''مم...... مگر یہ تو سائلنسر کے بغیر ہے جب کہ پوسٹ مارٹم میں سائلنسر لگے پستول کا ذکر ہے۔ وہ سائلنسر کہاں گیا؟''

''مجھے کیا معلوم' کہاں گیا۔'' وہ بگڑ کر بولا۔ ''ممکن ہے ملزم نے واپسی میں سائلنسر راستے میں پھینک دیا ہو۔ مجھے یہ پستول بغیر سائلنسر کے ہی اس کی میز کی دراز سے ملا ہے۔''

میں نے پوچھا۔ ''پوسٹ مارٹم کی رپورٹ میں یہ بھی درج ہے کہ مقتول کی کھوپڑی میں عقبی سمت سے دو گولیاں اتار دی گئی تھیں۔ گلزار صاحب! آپ نے مقتول کی لاش کا تفصیلی معائنہ کیا ہوگا۔ کیا واقعی' ظاہر شاہ پر پچھلی طرف سے حملہ کیا گیا تھا؟''

اس نے تامل کرتے ہوئے اثبات میں جواب دیا۔

میں نے پوچھا۔ ''گلزار صاحب! مبینہ آلہ قتل وقوعہ کے فوراً بعد ہی آپ کے قبضے میں آ گیا تھا۔ کیا آپ نے اس کا لیبارٹری ٹیسٹ کروایا تھا؟''

''وہ کس لیے وکیل صاحب؟'' الٹا اس نے مجھ سے سوال کیا۔

میں نے کہا۔ ''تاکہ اس بات کی تصدیق ہوسکتی کہ مقتول کی کھوپڑی میں اترنے والی وہ دو موذی گولیاں اسی پستول سے فائر کی گئی تھیں۔''

وہ بولا۔ ''مقتول کے جسم سے برآمد ہونے والی گولیاں اعشاریہ تین آٹھ کیلی بر کی ہیں اور یہ پستول بھی اسی کیلی بر کا ہے۔ تصدیق کیلئے اتنا ہی کافی نہیں ہے؟''

''یہ کافی ہوتا۔'' میں نے اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہا۔ ''اگر دنیا میں اعشاریہ تین آٹھ کیلی بر کا صرف ایک ہی پستول ہوتا...... اور وہ بھی یہ پستول۔'' میں نے میز پر موجود سیلوفین بیگ

کے اندر رکھے پستول کی جانب اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ ''آپ کی باتوں اور کیس کے موجودہ ریکارڈ سے تو یہی ظاہر ہوتا ہے کہ آپ نے اس پستول کو لیبارٹری بھیجنے کی زحمت ہی نہیں کی۔ کیا میں غلط کہہ رہا ہوں؟''

اس نے کندھے اچکائے اور بغلیں جھانک کر رہ گیا۔

میں نے مزید ایک دو سوالات کے بعد جرح کا سلسلہ موقوف کردیا۔

☆......☆......☆

استغاثہ کا اگلا گواہ ''فلائی سٹار'' ٹریول ایجنسی کا ٹکٹنگ منیجر انجم کرمانی تھا۔ گزشتہ پیشی پر صرف آئی او سے سوال جواب ہوسکے تھے۔ باقی وقت عدالت کی ابتدائی کارروائی ہی میں گزر گیا تھا۔

انجم کرمانی کی عمر لگ بھگ بیالیس سال ہوگی۔ اس نے ڈریس پینٹ پر پھول دار شرٹ پہن رکھی تھی جو اس کے زندہ دل ہونے کا ثبوت تھا۔ وہ ایک صحت مند اور چاق چوبند نظر آنے والا شخص تھا۔ وٹنس باکس میں آنے کے بعد اس نے اپنا حلفیہ بیان ریکارڈ کروایا پھر وکیل استغاثہ جرح کیلئے آگے بڑھا۔

''انجم صاحب!'' وکیل استغاثہ نے اکیوزڈ باکس میں کھڑے میرے موکل کی جانب اشارہ کرتے ہوئے گواہ کو مخاطب کیا۔ ''کیا آپ اس شخص کو جانتے ہیں؟''

''بہت اچھی طرح جانتا ہوں۔'' گواہ نے جواب دیا۔ ''یہ میرے باس ظاہر شاہ کا سسر ہے...... بلکہ تھا۔ اب تو یہ رشتہ اس لیے ناپید ہو چکا ہے کہ داماد ہی دنیا میں موجود نہیں رہا۔''

وکیل استغاثہ نے پوچھا۔ ''وقوعہ کے روز یعنی اٹھارہ جنوری کو آپ ایجنسی میں اپنی ڈیوٹی انجام دے رہے تھے۔ کیا آپ نے ملزم کو وہاں دیکھا تھا؟''

''میں نے ملزم داؤد نظامی کو اس روز دو مرتبہ ایجنسی میں دیکھا تھا۔'' گواہ انجم کرمانی نے جواب دیا۔ ''ایک بار ایجنسی میں داخل ہوتے وقت اور دوسری دفعہ وہاں سے رخصت ہوتے وقت۔''

''پھر تو آپ نے اس کے چہرے کے تاثرات کا بھی جائزہ لیا ہوگا؟''

''جی ہاں۔'' گواہ نے اثبات میں جواب دیا۔ ''اس روز ملزم مجھے خاصا جلال میں نظر آیا تھا۔''

''ذرا اس جلال کی وضاحت کریں۔''

''وضاحت......'' وہ سوچنے والے انداز میں بولا۔ ''بس یوں سمجھیں کہ وہ اس دن بہت غصے میں تھا۔ ایجنسی میں آمد پر میں نے اس سے نظر ملتے ہی سلام بھی کیا تھا مگر اس نے میرے سلام کا جواب نہیں دیا اور دندناتے ہوئے باس کے کمرے میں گھس گیا۔ دیکھیں جی! میں تو اسے اپنے باس کا سسر سمجھ کر عزت دیتا تھا۔ اس نے میرے سلام کا مثبت جواب نہیں دیا تو میں نے ذرا بھی محسوس نہیں

کیا تاہم جب وہ باس کے کمرے سے نکلا تو مجھے اس کا چہرہ دیکھ کر حیرت ہوئی تھی۔ مجھے یوں محسوس ہوا تھا جیسے وہ دن دہاڑے وہاں ڈکیتی مار کر فرار ہونے کی کوشش کر رہا ہو۔''

گواہ کی بات ختم ہوئی تو وکیل استغاثہ نے مزاح کے رنگ میں پوچھا۔ ''مسٹر کرمانی! آپ نے فرار ہوتے ہوئے ایک ڈکیت کو روکنے کی کوشش نہیں کی تھی؟''

وہ گڑبڑا گیا اور بولا۔ ''جناب! میں نے تو ملزم کی اس وقت کی کیفیت بیان کی ہے۔ وہ واقعتاً تو ڈکیتی کی واردات کر کے فرار نہیں ہو رہا تھا۔''

''چلیں ٹھیک ہے۔'' وکیل استغاثہ نے مضحکہ خیز انداز میں میری جانب دیکھتے ہوئے کہا پھر گواہ کی طرف متوجہ ہو گیا۔ ''مسٹر کرمانی! جب ملزم چوروں کی طرح ایجنسی سے ''فرار'' ہونے میں کامیاب ہو گیا تو اس کے بعد کیا ہوا تھا؟''

''اس کے فوراً بعد میڈم فردوس باس کے کمرے سے باہر نکلیں اور انہوں نے چیخ کر کہا...... پکڑو اس مردود بڈھے کو۔ وہ ظاہر کو قتل کر کے فرار ہو رہا ہے۔''

''پھر؟'' وکیل استغاثہ نے جلدی سے کہا۔

''پھر کیا۔'' گواہ نے ایک گہری سانس خارج کرتے ہوئے کہا۔ ''ملزم تو اس وقت تک وہاں سے جا چکا تھا۔ میڈم فردوس نے فوراً فون کر کے پولیس کو بلا لیا۔ اس کے بعد جو کچھ پیش آیا' وہ قانون کے عدالتی کاغذات میں محفوظ ہو چکا ہے۔''

وکیل استغاثہ نے جرح ختم کر دی۔

میں اپنی باری پر جرح کرنے کیلئے گواہوں والے کٹہرے کے پاس آیا۔ چند لمحات تک خاموشی سے گواہ انجم کرمانی کو دیکھتا رہا پھر سوالات کا آغاز کرتے ہوئے کہا۔

''انجم کرمانی صاحب! آپ ماشاء اللہ بہت سمجھ دار اور بردبار دکھائی دیتے ہیں۔ مجھے امید ہے' آپ میرے سوالوں کے مناسب اور ٹھیک ٹھاک جواب دیں گے۔''

وہ منہ سے کچھ نہیں بولا' بس مسکرا کر رہ گیا۔ میں نے یہ بات خواہ مخواہ ہی کی تھی جس کا کوئی خاص مقصد نہیں تھا۔ گواہ منتظر نگاہ سے میری جانب دیکھنے لگا۔ میں نے اس سے پوچھا۔

''مسٹر انجم! آپ کو فلائی سٹار ٹریول ایجنسی میں کام کرتے ہوئے کتنا عرصہ ہوا ہے۔''

''کم و بیش پانچ سال۔'' گواہ نے جواب دیا۔ ''میں ایجنسی کے ابتدائی دنوں ہی سے باس ظاہر شاہ کے ساتھ تھا۔''

''ایجنسی کو قائم ہوئے کتنا عرصہ ہوا ہے؟''

''کوئی چھ' ساڑھے چھ سال۔''

''کیا شروع ہی سے ایجنسی ایسی ہی تھی جیسی آج ہے؟''

''نہیں۔'' اس نے نفی میں گردن ہلاتے ہوئے بتایا۔ ''پہلے ابتداء میں یہ ایجنسی صرف ایک دکان پر مشتمل تھی پھر جب بعد میں کام بڑھ گیا تو ظاہر صاحب نے برابر کی دکان کو بھی خرید کر ایجنسی میں شامل کر لیا۔ اس سے کئی فائدے ہوئے۔ ایک تو سٹاف کو کھلم کھلا کام کرنے کیلئے ایک وسیع ہال میسر آ گیا اور پھر باس نے اپنا عالی شان علیحدہ دفتر بھی بنا لیا۔ پہلے باس دکان کے ایک کونے میں چھوٹے سے کیبن میں بیٹھتے تھے اور سٹاف کا ایک حصہ ہی نظر آتے تھے۔''

''مسٹر انجم! آپ نے اپنے باس کے آفس کی خصوصاً تعریف کی ہے۔ کیا وہ بے پناہ خوبیوں کا حامل ہے؟'' میں نے ایک خاص مقصد کے تحت یہ سوال کیا تھا۔

وہ بولا۔ ''ظاہر ہے جناب! جب کھلے ہاتھ سے پیسہ خرچ کیا جائے تو چیز میں خوبیاں ہی خوبیاں جمع ہو جاتی ہیں۔ وہ آفس دو حصوں پر مشتمل ہے اور دونوں حصوں کی خوبی یہ ہے کہ وہ مکمل طور ساؤنڈ پروف ہیں۔ اگر ان کے دروازے بند کر دیئے جائیں تو اندر کی آواز باہر اور باہر کی آواز اندر نہیں جا سکتی۔ اس طرح باس اور اسٹاف کے درمیان ایک مکمل پردہ بھی حائل ہو گیا جو اطمینان بخش اور معیاری کام کیلئے ضروری ہے۔ اس کے علاوہ آفس میں استعمال ہونے والی ہر شے اعلیٰ درجے کی اور انتہائی قیمتی ہے۔''

''مسٹر انجم! آپ نے اپنی پانچ سالہ سروس کے دوران میں اپنے باس ظاہر شاہ کو کیسا پایا تھا؟'' میں نے سوالات کے سلسلے کو آگے بڑھاتے ہوئے پوچھا۔

''ایک فرسٹ کلاس'' وہ جلدی سے بولا۔ ''باس تمام اسٹاف کے ساتھ بہت اچھے تھے اور ان کے دکھ سکھ میں شرکت ضروری سمجھتے تھے۔''

میں نے پوچھا۔ ''مسٹر انجم! آپ نے وکیل استغاثہ کے ایک سوال کے جواب میں بتایا ہے کہ ملزم کے ایجنسی سے رخصت ہونے کے فوراً بعد میڈم فردوس دفتر سے برآمد ہوئیں اور انہوں نے چیخ کر کہا۔ ''پکڑو اس مردود بڈھے کو...... وہ ظاہر کو قتل کر کے فرار ہوا ہے۔ اس کے فوراً بعد میڈم نے پولیس کو اطلاع دے دی تھی۔''

''جی ہاں' میں نے یہی بیان دیا ہے۔'' گواہ نے کہا۔

میں نے پوچھا۔ ''اس کا مطلب تو یہ ہے کہ میڈم فردوس پہلے سے وہاں دفتر کے اندر موجود تھیں؟''

''جی ہاں' اس کا واقعی یہی مطلب ہے۔''

''چند روز پہلے مجھے پتا چلا ہے کہ میڈم فردوس ''فلائی سٹار'' ٹریول ایجنسی میں حصے دار ہیں۔ اس شراکت داری کی کیا نوعیت ہے؟'' میں نے چبھتے ہوئے لہجے میں دریافت کیا۔

وہ بولا۔ ''میرا خیال ہے ان کے درمیان ''ففٹی ون'' اور ''فورٹی نائن'' کی شراکت داری

ہے۔"

"ففٹی ون کون ہے؟"

"جہاں تک میری معلومات ہیں' میڈم فردوس ففٹی ون کی پارٹنر ہیں۔"

یہ ایک اور انکشاف تھا۔ اس کا مطلب یہی تھا کہ فردوس نے ظاہر شاہ ہی کو نہیں اس کے بزنس کو بھی گھیرے میں لے رکھا تھا۔ وہ اس مقصد میں کیونکر کامیاب ہو سکی تھی یہ سب کچھ گواہ سے پوچھنا فضول تھا اس لیے میں نے اسے دوسرے زاویے سے آزمایا۔

"مسٹر انجم کرمانی! اس کا مطلب ہے' میڈم فردوس بھی ظاہر شاہ کی طرح تمہاری لیڈی باس ہیں بلکہ وہ کچھ زیادہ ہی ہیں؟"

"اس میں کیا شک ہے۔" وہ کندھے اچکاتے ہوئے بولا۔

میں نے پوچھا۔ "کیا میڈم فردوس بھی باقاعدگی سے دفتر میں آ کر بیٹھتی ہیں؟"

"وہ باقاعدہ بیٹھتی تو نہیں البتہ دن میں ایک آدھ چکر ضرور لگا لیتی ہیں۔"

"وقوعہ کے روز وہ کتنے بجے فلائی سٹار پہنچی تھیں؟"

"میرا خیال ہے' دوپہر ایک بجے۔"

"کیا وہ اکیلی آئی تھیں؟"

"نہیں۔" اس نے نفی میں گردن ہلائی۔ "ان کے ساتھ ایک نوجوان لڑکا بھی تھا جو انہیں دفتر کے اندر پہنچا کر واپس چلا گیا تھا۔"

"کیا آپ اس لڑکے کو جانتے ہیں؟"

"نہیں' میں نے اسے اس روز پہلی مرتبہ دیکھا تھا۔" گواہ نے جواب دیا۔

"مسٹر انجم! کیا مقتول یعنی تمہارے سابق باس ظاہر شاہ کے کمرے (دفتر) تک پہنچنے کیلئے سٹاف والے ہال سے گزرنا پڑتا ہے؟"

"جی ہاں' عموماً ہال ہی میں سے گزر کر سب ملاقاتی باس کے کمرے تک پہنچتے ہیں۔" اس نے جواب دیا۔ "اس طرح وہ تمام لوگ ہماری نظر میں بھی رہتے ہیں۔"

"آپ نے لفظ "عموماً" استعمال کیا ہے۔" میں نے گواہ انجم کرمانی کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہا۔ "خصوصاً" کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟"

وہ گڑبڑا گیا پھر سنبھلتے ہوئے بولا۔ "دیکھیں جناب! باس کے کمرے تک جانے کیلئے ایجنسی کے ہال سے گزرنا ضروری ہے۔ باس کے دفتر کے دوسرے حصے کا ایک دروازہ عقبی جانب بغلی گلی میں بھی کھلتا ہے جو عموماً بند ہی رہتا ہے۔ باس اسے استعمال نہیں کرتے لیکن اس کے استعمال پر قدرت رکھتے ہیں۔ اس حوالے سے میں نے عمومی گزرگاہ کا ذکر کیا تھا۔"

"ٹھیک ہے' ٹھیک ہے۔ اس وضاحت کا شکریہ۔" میں نے کہا پھر پوچھا۔ "مسٹر کرمانی! کیا آپ کو معلوم ہے' آپ کی میڈم فردوس اور ملزم داؤد نظامی کے درمیان ماضی میں کیا رشتہ رہا ہے؟"

وہ اثبات میں گردن ہلاتے ہوئے بولا۔ "جی ہاں' میڈم پہلے ملزم کی بیوی ہوا کرتی تھیں۔ دو سال پہلے یہ رشتہ ختم ہو گیا۔"

"اس رشتے کے ختم ہونے کی وجوہات آپ کو معلوم ہیں؟"

"میں کسی کی ذاتی زندگی میں زیادہ دلچسپی نہیں لیتا۔" وہ نگاہ چراتے ہوئے بولا۔

میں نے کہا۔ "میڈم فردوس آپ کی لیڈی باس ہیں' دوسری جانب ظاہر شاہ نہ صرف میڈم کا بلکہ ملزم کا بھی داماد تھا۔ آپ کو ان کی ذاتی زندگی میں دلچسپی ہونا چاہیے تھی۔ آپ نے ایک غیر فطری بات کی ہے۔ انسان کا تجسس اور جبلی تقاضے اسے بہت کچھ جاننے پر اکساتے رہتے ہیں۔"

"میں اپنے کام سے کام رکھنے والا آدمی ہوں۔" وہ رکھائی سے بولا۔

"گویا آپ آدمی ہیں بہت کام کے۔" میں نے مبہم انداز میں کہا۔

وہ خاموشی سے مجھے تکنے لگا۔

میں نے پوچھا۔ "مسٹر کرمانی! کیا آپ یہ بتانا پسند فرمائیں گے کہ آپ کی میڈم فردوس روز اول ہی سے "فلائی سٹار" کی شراکت دار ہیں یا وہ بعد میں اس بزنس میں شریک ہوئی ہیں۔ آپ تو ماشاءاللہ کم و بیش پانچ سال سے ایجنسی کی اونچ نیچ سے آگاہ ہیں۔"

اس نے جواب دیا۔ "مجھے اچھی طرح یاد ہے' میڈم دو سال پہلے اس بزنس میں شامل ہوئی ہیں۔ ظاہر شاہ اور میڈم فردوس کے درمیان پارٹنر شپ بزنس کا ایگری منٹ بھی جبھی ہوا تھا۔ ویسے وہ پہلے بھی باقاعدگی سے ایجنسی آتی جاتی رہتی تھیں۔"

"دو سال پہلے کا مطلب یہ ہوا کہ ملزم سے طلاق پانے کے بعد وہ فلائی سٹار میں شامل ہوئی تھیں؟" میں نے سوچ میں ڈوبے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

"میں نے بتایا ہے نا' ان طلاق اور علیحدگی کے معاملات سے مجھے کوئی سروکار نہیں۔" گواہ انجم کرمانی نے چڑ کر کہا۔ "بس مجھے جو معلوم تھا وہ میں نے آپ کو بتا دیا ہے۔ حقیقت یہی ہے کہ میڈم دو سال پہلے فلائی سٹار میں شامل ہوئی ہیں۔"

"اگر آپ اپنے مالکان کے ذاتی معاملات میں دلچسپی نہیں رکھتے تو پھر آپ کو یہ بھی معلوم نہیں ہوگا کہ آپ کی میڈم فردوس نے ملزم داؤد نظامی سے طلاق پانے کے بعد ایک ریٹائرڈ اعلیٰ سرکاری افسر سے شادی کر لی تھی جو صرف چھ ماہ قائم رہ سکی؟"

"میں اس بارے میں کچھ نہیں جانتا۔" وہ خشک لہجے میں بولا۔

میں نے کہا۔ "اور آپ یہ بھی نہیں جانتے ہوں گے کہ آپ کے باس ظاہر شاہ کا اس کی

بیوی یاسمین سے شدید جھگڑا چل رہا تھا جس کے نتیجے میں یاسمین نے خلع کا دعویٰ دائر کر رکھا ہے؟''

''میں نے کہا نا' مجھے ان معاملات سے کوئی دلچسپی نہیں۔'' وہ بیزاری سے بولا۔

میں نے اس کی چڑچڑاہٹ اور بیزاری کو نظر انداز کرتے ہوئے اپنے مخصوص تیکھے سوالات کا سلسلہ جاری رکھا اور کہا۔''مسٹر انجم کرمانی! آپ تو اس بات سے بھی بے خبر ہوں گے کہ وقوعہ کے روز ملزم کیوں اور کس مقصد کیلئے اپنے داماد سے ملنے آیا تھا؟''

اس نے منہ سے کچھ بولنے کے بجائے نفی میں گردن جھٹک دی۔

میں نے کہا۔''آپ نے کبھی یہ معلوم کرنے کی کوشش بھی نہیں کی ہوگی کہ آپ کے دونوں باسز کے درمیان کس قسم اور کس نوعیت کے تعلقات ہیں۔ آپ جان بھی کیسے سکتے ہیں۔ ان کی ملاقاتیں ساؤنڈ پروف کمروں میں ہوتی تھیں کیا میں غلط کہہ رہا ہوں؟''

میرے سوال کے جواب میں گواہ انجم کرمانی کے بجائے وکیل استغاثہ چلا اٹھا۔ وہ کافی دیر کے بعد بولا تھا اور بہت ہی ستھرا بولا تھا۔ جیسے مردہ کفن پھاڑ کو بولتا ہے۔

وکیل استغاثہ نے اپنی فائلوں پر ایک زوردار گھونسا رسید کرتے ہوئے احتجاجی لہجے میں کہا۔

''آبجیکشن یور آنر! اٹ از ٹو مچ؟ میرے فاضل دوست اپنے غیر متعلقہ اور بے معنی سوالات سے گواہ کو ٹینشن میں مبتلا کرنے کی سعی کر رہے ہیں۔ انہیں اس قسم کی حرکت سے باز رہنے کی تلقین کی جائے۔''

جج نے وکیل استغاثہ کے اعتراض کو درست تسلیم کرتے ہوئے مجھ سے کہا۔''بیگ صاحب! آپ اپنے سوالات کو زیر سماعت مقدمے تک محدود رکھیں۔''

''مجھے اور کچھ نہیں پوچھنا یور آنر!'' میں نے بڑے مؤدب انداز میں گردن جھکاتے ہوئے کہا اور اپنے لیے مخصوص نشست پر آ کر بیٹھ گیا۔

اس کے ساتھ ہی عدالت کا مقررہ وقت ختم ہوگیا۔ جج نے پندرہ روز بعد کی تاریخ دے کر عدالت برخاست کرنے کا اعلان کر دیا۔

ہم عدالت کے کمرے سے باہر آئے تو بیگم داؤد یعنی سحرش نے مجھ سے کہا۔''بیگ صاحب! آپ تو جرح کے آخری حصے میں خاصے جذباتی ہو گئے تھے۔ وہ تو اچھا ہوا' آج فردوس عدالت میں موجود نہیں تھی ورنہ کوئی بھی ہنگامہ پھوٹ سکتا تھا۔''

میں نے کہا۔''سحرش صاحبہ! مجھے یہ بات معلوم تھی کہ فردوس آج غیر حاضر ہے ویسے اگر وہ موجود بھی ہوتی تو کسی قسم کے ہنگامے کے امکانات نہیں تھے۔ شاید آپ پہلے کبھی عدالت نہیں آئیں۔''

''ہاں' یہ میرا پہلا اتفاق ہے۔'' وہ صاف گوئی سے کام لیتے ہوئے بولی۔

میں نے کہا۔''سحرش صاحبہ! عدالت کے کمرے میں اور خصوصاً جج کی موجودگی میں تو چھوٹے موٹے ہنگامے کا بھی مطلب ہوتا ہے...... سزا...... یعنی جیل...... یہاں سب کچھ سننا پڑتا ہے۔''

''ویسے آپس کی بات ہے۔'' سحرش نے رازدارانہ انداز میں کہا۔ اس وقت تک جیل کی گاڑی داؤد نظامی کو لے کر جا چکی تھی اور ہم اپنی اپنی گاڑی میں بیٹھنے کیلئے پارکنگ لاٹ کی طرف جا رہے تھے۔ میں سحرش کی جانب متوجہ ہوا تو وہ بولی۔''آپ نے استغاثہ کے گواہ انجم کرمانی سے آخری دو تین سوالات کسی خاص مقصد کے تحت کیے تھے؟''

''ہاں' آپ کا اندازہ بالکل درست ہے۔'' میں نے اثبات میں جواب دیا۔''واقعی ان سوالات سے میں ایک خاص مقصد حاصل کرنا چاہتا تھا اور میں اپنے مقصد کے حصول میں کامیاب بھی رہا ہوں۔ جب میں میڈم فردوس پر جرح کروں گا تو آپ بھی میرے منصوبے سے آگاہ ہو جائیں گی۔ میں فردوس کو سوالات کی چکی میں پیس کر رکھ دوں گا۔''

''میں آپ کے منصوبے کے بارے میں کوئی سوال نہیں کروں گی۔'' سحرش نے سمجھداری کا ثبوت دیتے ہوئے کہا۔''ویسے میں جتنے دن عدالتی کارروائی دیکھنے آئی ہوں اس سے میں نے اندازہ لگا لیا ہے کہ عدالت کا کمرہ کسی اکھاڑے سے کم نہیں۔''

''آپ کا اندازہ صد فیصد درست ہے سحرش صاحبہ!''

مزید دو چار ضروری باتوں کے بعد ہم اپنی اپنی گاڑی کی جانب بڑھ گئے۔

☆......☆......☆

منظر عدالت کا تھا اور گواہوں کے کٹہرے میں استغاثہ کی سب سے معتبر گواہ فردوس بیگم کھڑی تھی۔ وہ دراز قامت اور قبول صورت عورت تھی۔ اس روز اس نے فیروزی کام دار ساری زیب تن کر رکھی تھی۔ فردوس بیگم کی عمر چھیالیس سینتالیس سال رہی ہوگی لیکن اس نے خود کو بہت سنبھال کر رکھا تھا۔ اس کی صحت اور شادابی کو دیکھ کر کوئی نہیں کہہ سکتا تھا کہ وہ ایک پانچ سالہ بچے کی نانی بھی ہے۔ اور دو شوہروں کے یکے بعد دیگرے بیوی رہ چکی ہے جن میں پہلی ازدواجی زندگی کی رفاقت کا عرصہ کم و بیش بیس سال پر محیط رہا تھا۔

فردوس بیگم نے سچ بولنے کا حلف اٹھایا پھر معزز عدالت کے روبرو اپنا بیان ریکارڈ کروایا۔ یہ بیان کم و بیش وہی تھا جو وہ پہلے پولیس کو دے چکی تھی۔ وہ اس وقت خاصی پراعتماد نظر آتی تھی۔

وکیل استغاثہ نے سرسری سے چند سوالات کے بعد اپنی جرح ختم کر دی۔ اس کے بیشتر سوالات کا مقصد صرف یہ ظاہر کرنا تھا کہ میرا موکل داؤد نظامی ایک ظالم' تنگ نظر اور شکی انسان ہے۔ وہ اپنے داماد سے شدید نفرت کرتا تھا اور اس کی روز افزوں ترقی سے حسد میں مبتلا ہو گیا تھا۔ خاص طور

پر فردوس کو طلاق دینے کے بعد وہ ظاہر شاہ کا کچھ زیادہ ہی دشمن ہو گیا تھا کیونکہ ظاہر' فردوس کا دور پار کا رشتہ دار بھی تھا اور اس دشمنی میں بالآخر ملزم نے اپنے داماد کی جان لے لی۔

اپنی باری پر میں جرح کیلئے فردوس بیگم والے کٹہرے کے پاس آ گیا۔ میں نے کھنکار کر گلا صاف کیا اور اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے سوال کیا۔ ''میڈم! آپ نے ابھی معزز عدالت کو جو بیان دیا ہے وہ من و عن وہی ہے جو آپ پہلے پولیس والوں کو بتا چکی ہیں یا تو آپ کی یادداشت حیرت انگیز طور پر بہت قوی ہے یا پھر آپ نے یہ بیان بہت مہارت کے ساتھ رٹا ہوا ہے۔''

''آپ کے دونوں اندازے غلط ہو گئے وکیل صاحب!'' وہ طنزیہ انداز میں بولی۔ ''میں نے اس بیان کو رٹا نہیں لگایا اور نہ ہی میری یادداشت اتنی حیرت انگیز ہے۔'' وہ ایک لمحے کو رکی پھر حاضرین عدالت پر ایک اچٹتی سی نگاہ ڈالنے کے بعد بولی۔ ''درحقیقت سچائی بذات خود بہت مضبوط اور جاندار ہوتی ہے اسے یاد رکھنے کیلئے کسی قسم کی اضافی صلاحیت کی ضرورت نہیں ہوتی میں نے پہلے اور اب جو کچھ بیان کیا ہے' اس کا ایک ایک لفظ مبنی بر سچ ہے۔''

''تھینک یو میڈم!'' میں نے اس کا شکریہ ادا کیا پھر پوچھا۔ ''آپ نے ایک طویل عرصہ ملزم کے ساتھ گزارا ہے مگر وکیل استغاثہ کے سوالات کے جوابات میں آپ نے جو کچھ بتایا ہے اس سے ملزم کا جو خاکہ بنتا ہے' ایسے شخص کے ساتھ تو ایک دن بھی گزارنا مشکل ہے پھر آپ جیسی خاتون نے لگ بھگ بیس سال کس طرح بتا دیئے؟''

''کیا اس کارنامے پر مجھے صبر و برداشت کا نوبل پرائز نہیں ملنا چاہیے؟'' اس نے الٹا مجھ سے سوال کر دیا۔

میں بھلا کہاں چوکنے والا تھا۔ میں نے کہا۔ ''میرا موکل بھی کچھ اسی قسم کا مطالبہ کر رہا ہے۔''

فردوس بیگم نے نفرت سے گھور کر داؤد نظامی کو دیکھا اور منہ دوسری طرف پھیر لیا۔

میں نے کہا۔ ''میڈم فردوس! کیا آپ معزز عدالت کو بتانا پسند کریں گی کہ ملزم نے آپ کو کن وجوہات کی بنا پر طلاق دی تھی؟''

''مجھے سخت اعتراض ہے جناب عالی!'' وکیل استغاثہ نے تیز آواز میں کہا۔ ''معزز گواہ کی طلاق کا زیر سماعت مقدمے سے کوئی تعلق نہیں۔ وکیل صفائی خواہ مخواہ گواہ کی عزت کو اچھالنے کی کوشش کر رہے ہیں۔''

جج نے مجھے تنبیہ کی کہ میں اپنے سوالات کو موجودہ کیس تک محدود رکھوں لیکن جج کی بات ختم ہوتے ہی فردوس بڑے زور دار انداز میں بولی۔ ''جناب عالی! میں وکیل صفائی کے اس سوال کا جواب ضرور دوں گی بلکہ اگر وہ اس قسم کے مزید سوالات بھی کریں گے تو میں ان کے بھی تسلی بخش جواب دوں گی۔ جواب سے احتراز برتنے سے میری ذات شکوک کی دبیز چادر میں لپٹ جائے گی اور

میں ایسا نہیں چاہتی۔''

جج کندھے اچکا کر رہ گیا۔ وکیل استغاثہ کو اپنے گواہ کی یہ حرکت ایک آنکھ نہ بھائی' میں نے نہایت ہی سنجیدگی سے اپنا سوال دہرایا تو فردوس نے جواب دیا۔

''یہ شخص!'' اس نے کٹہرے میں کھڑے میرے موکل داؤد نظامی کی جانب اشارہ کیا اور بولی۔ ''میرے کردار کو شک کی نگاہ سے دیکھتا تھا۔ اس نے مجھ پر الزام لگایا تھا کہ میں اپنے داماد مقتول ظاہر شاہ سے غیر اخلاقی تعلقات رکھتی ہوں۔ غضب خدا کا ساس اور داماد کے رشتے کے حوالے سے اس قسم کی گھٹیا الزام تراشی کسی داؤد جیسے نیچ اور کم ظرف انسان ہی کو زیب دیتی ہے۔'' وہ ایک لمحے کو سانس لینے کیلئے رکی پھر جذباتی انداز میں بولی۔ ''وہ تو خدا کا شکر ہے' اس نے مجھے خود ہی آزاد کر دیا۔ اگر یہ مجھے طلاق نہ دیتا تو میں خود اس سے خلع لے لیتی۔ اس طرح کی ذلت کے بعد اس کمینے کے ساتھ ایک پل رہنا مجھے گوارا نہیں تھا۔''

''اس کا مطلب ہے' آپ میرے موکل کے الزام کی تردید کرتی ہیں؟''

''میں اس تردید میں فخر محسوس کرتی ہوں۔'' وہ سینہ تانتے ہوئے بولی۔ ''کیونکہ میرا دامن پاک ہے۔ ساس اور داماد میں ماں بیٹے کا رشتہ ہوتا ہے۔ ہم پر گھناؤنا الزام لگانے والا اب خود ہتھکڑی پہنے کھڑا ہے۔ بہت جلد اسے پھانسی ہو جائے گی۔ قدرت انصاف کے تقاضے ضرور پورے کرے گی۔ مجھے پوری امید ہے۔''

وہ بولتے بولتے خاصی جذباتی ہو گئی تھی۔ اگر میں اس کی اصلیت سے واقف نہ ہوتا تو اس کی اس وقت کی اداکاری سے خاصا متاثر ہو جاتا۔ میں نے جرح کے سلسلے کو آگے بڑھاتے ہوئے پوچھا۔

''میڈم فردوس! اب یہ بات ڈھکی چھپی نہیں رہی کہ آپ ''فلائی سٹار'' میں مقتول کی پارٹنر تھیں۔''

وہ میری بات پوری ہونے سے پہلے ہی بول اٹھی۔ ''یہ بات تو پہلے بھی ڈھکی چھپی نہیں تھی۔ میں نے اپنے داماد کے ساتھ شراکت داری کر کے جرم نہیں کیا تھا کہ اسے پوشیدہ رکھنے کی کوشش کرتی۔ ہاں' یہ بات دوسری ہے کہ آپ کو ہماری پارٹنرشپ کا اب پتا چلا ہے۔'' بات ختم کر کے اس نے باری باری مجھے اور داؤد نظامی کو دیکھا۔ دیکھنے کے انداز میں طنز کے ساتھ ساتھ تمسخر بھی شامل تھا۔

میں نے کہا۔ ''مجھے پتا چلا ہے' آپ اس بزنس میں ''ففٹی ون'' کی شراکت دار ہیں؟''

''آپ کو بالکل ٹھیک پتا چلا ہے۔''

میں نے پوچھا۔ ''کیا آپ باقاعدہ ایجنسی کے دفتر میں بیٹھتی تھیں؟''

''نہیں' میں نے اس کی کبھی ضرورت محسوس نہیں کی۔'' وہ ٹھہرے ہوئے لہجے میں بولی۔

"میں اپنے داماد پر آنکھیں بند کر کے اعتماد کرتی تھی۔ ازیں علاوہ ہمارے درمیان پارٹنر شپ ڈاکومنٹس تیار ہوتے وقت یہ بات طے ہوگئی تھی کہ میں باقاعدہ ایجنسی کو وقت نہیں دوں گی۔"

میں نے زاویہ سوال تھوڑا تبدیل کرتے ہوئے پوچھا۔ "کیا یہ بات آپ کے علم میں تھی کہ آپ کی بیٹی نے اپنے وکیل یعنی میرے ذریعے عدالت میں خلع کی درخواست دے رکھی تھی؟"

"نہیں، مجھے اس بارے میں کچھ پتا نہیں تھا۔"

"یہ ناممکن سی بات نہیں؟"

"اس میں ایسا ناممکن کیا ہے؟"

میں نے کہا۔ "یہ آپ کے داماد کا معاملہ تھا جو آپ کا بزنس پارٹنر بھی ہے اور پھر روزانہ اس سے آپ کی ملاقات بھی ہوتی تھی۔ خلع والی بات آپ سے چھپی نہیں رہ سکتی تھی۔"

وہ متحمل لہجے میں بولی۔ "پہلی بات تو یہ ہے کہ جب سے میں داؤد کی زندگی سے نکلی ہوں، ظاہر شاہ کے ساتھ میری ڈیلنگ ایک رشتے دار کے بجائے ایک بزنس پارٹنر جیسی ہوگئی تھی۔ ویسے بھی ظاہر کی عادت تھی، وہ اپنے مسائل کو چھپا کر رکھتا تھا۔ اس نے کبھی اس سلسلے میں مجھ سے بات نہیں کی اور نہ ہی میں نے کبھی کریدنے کی کوشش کی۔"

"یہ عجیب بات کہی آپ نے کہ داؤد سے ناتا ٹوٹنے کے بعد ظاہر سے آپ کی رشتے داری کی نوعیت بدل گئی تھی۔" میں نے کہا۔ "بھئی، یاسمین تو ہر حال میں آپ کی بیٹی تھی۔ درحقیقت خلع والا معاملہ یاسمین اور ظاہر ہی سے متعلق تھا۔"

فردوس نے کہا۔ "طلاق والے معاملے میں یاسمین مجھے غلط اور اپنے باپ کو ٹھیک سمجھتی تھی، گویا اسے بھی میری بدکرداری کا یقین تھا۔ میں نے یاسمین کا یہ رویہ دیکھتے ہوئے اس کی شکل پر لعنت بھیج دی تھی۔ وہ طلاق والے دن ہی میرے لیے ہمیشہ ہمیشہ کیلئے مرگئی تھی پھر اس کے معاملات کی خبر رکھنا میں کیوں ضروری سمجھتی۔"

اس نے روانی اور جذبات میں ایک ایسی بات کہہ دی تھی جو سراسر اس کے خلاف جاتی تھی۔ معمولی سی سمجھ بوجھ رکھنے والا کوئی شخص بھی یہ اندازہ لگا سکتا تھا کہ جب یاسمین کو اپنے شوہر اور ماں کے کردار پر شک تھا تو پھر فردوس اس معاملے سے بری الذمہ نہیں سمجھی جاسکتی تھی۔ یاسمین، ظاہر شاہ کی بیوی تھی۔ اس کی رائے کو آسانی سے رد نہیں کیا جاسکتا تھا۔ تاہم میں نے اس حوالے سے فردوس کو زیادہ پریشان کرنا مناسب نہ سمجھا اور اصل موضوع کی طرف آتے ہوئے سوال کیا۔

"میڈم فردوس! وقوعہ کے روز آپ کتنے بجے ایجنسی پہنچی تھیں؟"

"تقریباً ایک بجے دوپہر کو۔"

اس کا جواب ٹکٹنگ منیجر انجم کرمانی کے بیان سے لگا کھاتا تھا۔ میں نے پوچھا۔ "کیا آپ

روزانہ اتنے بجے ہی ایجنسی آیا کرتی تھیں؟"

"جی ہاں کم وبیش۔" اس نے جواب دیا۔

"وقوعہ کے روز آپ کے ساتھ کوئی نوجوان ہینڈسم لڑکا بھی ایجنسی آیا تھا۔" میں نے کہا۔ "ایجنسی کے سٹاف نے اسے پہلی مرتبہ دیکھا تھا۔ وہ کون تھا؟"

فردوس نے جواب دینے سے پہلے معاندانہ نظر سے مجھے دیکھا پھر بولی۔ "اس لڑکے کا نام فدا حسین ہے، عمر لگ بھگ بائیس سال۔ وہ میرے ایک جاننے والے کا بیٹا ہے۔ مستقبل میں ٹریول ایجنسی کھولنا چاہتا ہے۔ وہ ظاہر سے ملنے کیلئے میرے ساتھ آیا تھا۔ وہ کچھ ضروری معلومات حاصل کرنا چاہتا تھا اور یہ حقیقت ہے، ظاہر اس فیلڈ کے بارے میں مجھ سے کہیں زیادہ جانتا ہے۔"

وہ سراسر دروغ گوئی کا سہارا لے رہی تھی۔ جب سے مجھے پتا چلا تھا کہ وہ نوجوان فردوس کے ساتھ ایجنسی آیا تھا میں اس کے بارے میں متجسس ہوگیا تھا۔ میں نے اپنے تئیں اس شخص کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کی کوشش کی تھی اور نہایت ہی خوفناک انکشافات سے میرا واسطہ پڑا تھا۔ اس لڑکے کا نام فدا حسین ہی تھا۔ وہ ایک امیر گھرانے کا بگڑا ہوا لڑکا تھا۔ اس قبیل کے لڑکے سنسنی اور مہم جوئی کے لیے ہر قسم کے جرائم کرنے پر تیار ہو جاتے ہیں۔ فدا اور فردوس اپنی اپنی جگہ ایک دوسرے سے کھیل رہے تھے۔ وہ ایک دوسرے کو شکار کرنے کے چکر میں تھے۔ فردوس اسے شیشے میں اتار کر اس سے شادی رچانے کا ارادہ رکھتی تھی اور فدا حسین شادی کا یقین دلا کر اسے حاصل کر لینے کی تگ ودو میں لگا ہوا تھا۔ میری تازہ ترین معلومات کے مطابق دونوں ابھی تک اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہو سکے تھے تاہم ان کی کوششوں میں کوئی کمی نہیں آئی تھی۔ شاید اسی لیے کہا جاتا ہے، دنیا امید پر قائم ہے۔ دونوں خاصے پرامید نظر آتے تھے۔

میں نے کٹہرے میں کھڑی جھوٹوں کی ملکہ فردوس بیگم کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ "کمال ہے میڈم، آپ فدا کو ظاہر سے ملوانے لائیں اور پانچ منٹ بعد ہی وہ واپس چلا گیا۔ یہ کس قسم کی ملاقات تھی بھئی؟"

وہ تھوڑا سا گڑبڑائی اور بولی۔ "دراصل، ظاہر نے کہا تھا کہ کوئی ملاقاتی اس کے پاس ضروری کام سے آنے والا ہے اس لیے فدا دوسرے روز آجائے۔ اس لیے فدا پانچ منٹ بعد ہی واپس لوٹ گیا تھا۔"

میں نے اس مکار کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے پوچھا۔ "ظاہر شاہ نے آپ کو یہ تو بتایا ہوگا، کون سا ملاقاتی اس سے ملنے کیلئے آنے والا تھا؟"

"نہیں۔" وہ قطعیت سے بولی۔ "نہ اس نے بتایا اور نہ ہی میں نے پوچھا۔"

"جب آپ ظاہر شاہ کے کمرے میں پہنچیں تو وہ کیا کر رہا تھا؟"

"اپنے دفتری کاموں میں مصروف تھا۔" اس نے گول مول جواب دیا۔

میں نے پوچھا۔ "ملزم وہاں کتنے بجے پہنچا تھا؟"

"اس وقت تین بجنے والے تھے۔"

"کیا ظاہر شاہ نے آپ کے سامنے ہی ملزم کو فون کر کے بلایا تھا؟"

"مقتول نے اس نوعیت کا کوئی فون نہیں کیا تھا۔"

داؤد نظامی مجھے بتا چکا تھا کہ دوپہر دو بجے اسے ظاہر شاہ کا فون موصول ہوا تھا۔ اڑھائی بجے وہ ہوٹل سے نکلا اور کم و بیش تین بجے ایجنسی پہنچا۔ فردوس ایک بجے سے وہاں موجود تھی۔ اگر وہ مذکورہ فون کال سے انکاری تھی تو اس کا یہی مطلب تھا کہ وہ بڑی ڈھٹائی سے جھوٹ بول رہی تھی۔ بہرحال، داؤد کا کہا ہوا میرے لیے زیادہ معتبر تھا۔

میں نے گواہ فردوس بیگم سے پوچھا۔ "جب ملزم داؤد مقتول ظاہر کے کمرے میں داخل ہوا تو آپ کہاں تھیں اور کیا کر رہی تھیں؟"

"میں مقتول کے کمرے میں بیٹھی گزشتہ ماہ کا کھاتا دیکھ رہی تھی۔" اس نے جواب دیا۔

میں نے سوال کیا۔ "کیا ملزم کی آمد کے بعد بھی آپ وہیں بیٹھی رہی تھیں؟"

"میرا کوئی دماغ خراب ہوا تھا جو وہاں بیٹھی رہتی؟" وہ ناپسندیدہ نظر سے داؤد کو تکتے ہوئے بولی۔ "میں اس شخص کو ایک نگاہ دیکھنے کی روادار نہیں۔"

"حالانکہ عدالت کے کمرے میں آپ کافی دیر سے ملزم کو دیکھ رہی ہیں۔" میں نے بڑبڑانے والے انداز میں کہا۔

یا تو میرے الفاظ فردوس تک نہیں پہنچے تھے یا پھر وہ دانستہ خاموش رہی تھی۔ بہرحال اس نے میری بڑبڑاہٹ کا جواب نہیں دیا۔

میں نے کہا۔ "اگر آپ مقتول کے کمرے میں بیٹھی نہیں رہی تھیں تو اس کا مطلب ہے، آپ دفتر سے باہر نکل آئی تھیں۔"

"باہر میں کیوں آتی۔" وہ برہمی سے بولی۔ "اور وہ بھی اس منحوس آدمی کی خاطر۔" بات ختم کرتے ہی فردوس نے داؤد کی جانب اشارہ کیا۔

عدالتی کارروائی کے دوران میں سب سے قابل رحم اور ہمدردی کے لائق بے چارہ ملزم ہوتا ہے۔ اسے استغاثہ کے ہر فرد کی کڑوی کسیلی اور نکیلی باتیں سن کر خاموش رہنا پڑتا ہے۔

میں نے چہرے پر حیرت کے تاثرات سجاتے ہوئے کہا۔ "میڈم آپ نہ تو مقتول کے کمرے میں بیٹھی رہیں اور نہ ہی دفتر سے باہر آئیں پھر آپ کہاں چلی گئی تھیں۔" کیا آپ نے اس وقت سلیمانی ٹوپی پہن لی تھی؟ کیونکہ ملزم کو تو آپ ایک آنکھ دیکھنے کی روادار نہیں ہیں؟"

وہ کھا جانے والی نظر سے مجھے دیکھتی ہوئی بولی۔ "میں وہاں سے اٹھ کر دوسرے کمرے میں چلی گئی تھی۔"

"یعنی ریسٹ روم میں؟"

"جی ہاں، وہ کمرہ آرام کرنے کیلئے ہی استعمال ہوتا ہے۔" اس نے بتایا۔ "وہاں ایک آرام دہ صوفہ کم بیڈ لگا ہوا ہے۔"

میں نے پوچھا۔ "کیا آپ نے اس حصے میں داخل ہونے کے بعد ریسٹ روم کا دروازہ بند کر لیا تھا؟"

"جی ہاں، میں نے وہ دروازہ اچھی طرح بند کر لیا تھا۔"

"ملزم داؤد نظامی تقریباً کتنی دیر وہاں رکا تھا۔"

"دس پندرہ منٹ سے زیادہ نہیں۔"

"اتنی جلدی واپسی کی کیا وجہ تھی؟"

"باتوں کے دوران ہی میں ان کے درمیان تلخ کلامی ہو گئی تھی۔" فردوس نے بتایا۔ "نتیجے میں ملزم نے مقتول کی کھوپڑی میں دو گولیاں اتاریں اور وہاں سے فرار ہو گیا۔"

"ایک منٹ میڈم فردوس!" میں نے ایک خاص ادا سے کہا۔ "آپ نے بتایا کہ مقتول اور ملزم کے درمیان تلخ کلامی ہو گئی تھی۔ کیا آپ معزز عدالت کو بتانا پسند فرمائیں گی کہ ان کے درمیان اس وقت کون سا موضوع زیر بحث تھا؟"

"اس میں چھپانے والی کون سی بات ہے۔" وہ سینہ پھلاتے ہوئے بولی۔ "میں نے ان کے مابین ہونے والی ایک ایک بات سنی تھی۔ ملزم اپنی بیٹی کو خلع دلوانا چاہتا تھا جبکہ مقتول کی خواہش تھی کہ اس کا گھر نہ اجڑے۔ وہ طلاق یا خلع کی قیمت پر ملزم کی ہر بات ماننے کو تیار تھا مگر ملزم کی سوئی ایک ہی مقام پر اٹک کر رہ گئی تھی۔ اسے ہر قیمت پر اپنی بیٹی یاسمین کی آزادی مقصود تھی۔"

فردوس بڑی ڈھٹائی سے جھوٹ بول رہی تھی۔ داؤد مجھے بتا چکا تھا کہ مقتول نے جوڑ توڑ کیلئے اسے اپنے دفتر میں بلایا تھا۔ وہ یاسمین کی آزادی کے عوض ملزم سے پچاس لاکھ روپے کا مطالبہ کر رہا تھا لیکن ملزم نے اس کی ایک بات نہ مانی اور برہمی سے وہاں سے اٹھ آیا تھا۔ میں دوبارہ فردوس بیگم کی جانب متوجہ ہو گیا۔

"میڈم! آپ نے بتایا ہے کہ مقتول اور ملزم کے درمیان ہونے والی تلخ کلامی فائرنگ پر منتج ہوئی تھی۔ کیا آپ نے گولیاں چلنے کی آواز سنی تھی؟"

"میں فائرنگ کی آواز پر ہی تو بوکھلا کر ریسٹ روم سے باہر نکلی تھی۔" وہ جلدی سے بولی۔

"باہر آ کر آپ نے کیا دیکھا؟"

''مقتول اپنی کرسی پر مردہ پڑا تھا۔ کھوپڑی میں لگنے والی گولیوں نے اسے فوراً ہلاک کر دیا تھا۔''

میں نے پوچھا۔ ''کیا اس وقت ملزم بھی کمرے میں موجود تھا؟''

''نہیں، وہ اس دوران میں دفتر سے نکل کر جا چکا تھا۔''

''پھر آپ نے کیا کیا؟''

''میں لپک کر دفتر سے باہر آئی۔'' وہ کارگزاری پیش کرنے والے انداز میں بولی۔ ''اور میں نے ہال کی طرف رخ کر کے کہا تھا کہ ملزم کو فوراً پکڑا جائے۔''

میں نے کہا۔ ''آپ نے غالباً یہ الفاظ استعمال کیے تھے...... پکڑو اس مردود بڈھے کو وہ ظاہر کو قتل کر کے فرار ہوا ہے۔''

''ہاں، میں نے چلا کر یہی الفاظ ادا کیے تھے۔'' اس نے تائید کی۔

میں نے کہا۔ ''جب ملزم کے وہاں آثار نہ ملے تو آپ نے فوراً پولیس کو فون کر دیا۔ آپ نے متعلقہ پولیس اسٹیشن والوں کو ''فلائی سٹار'' کا ایڈریس بتانے کے بعد کہا تھا...... میرے بزنس پارٹنر ظاہر شاہ کو اس کے سسر نے قتل کر دیا ہے۔ آپ فوراً پہنچیں۔''

''ہاں، میں نے یہی اطلاع دی تھی۔'' وہ پراعتماد انداز میں بولی۔ پھر مجھ سے استفسار کیا۔ ''کیا مجھے ایسا نہیں کہنا چاہیے تھا؟''

''میں نے اس کے سوال کو نظر انداز کرتے ہوئے کہا۔ ''آپ نے ایجنسی کے اسٹاف اور پولیس اسٹیشن والوں کو بڑے یقینی انداز میں ظاہر شاہ کی موت کی اطلاع دی تھی۔ کیا آپ کو یقین تھا کہ مقتول واقعی اب اس دنیا میں باقی نہیں رہا؟''

وہ خفگی آمیز انداز میں بولی۔ ''جس شخص کی کھوپڑی میں دو گولیاں اتار دی جائیں وہ زندہ کس طرح رہ سکتا ہے وکیل صاحب؟''

''آپ بجا فرما رہی ہیں۔'' میں نے گول مول انداز میں کہا۔ ''آپ کے وثوق سے لگتا ہے کہ آپ نے ریسٹ روم سے برآمد ہوتے ہی مقتول کی کھوپڑی کا بغور معائنہ کر لیا تھا؟''

''مجھے اس معائنے کیلئے کوئی اسپیشل کوشش نہیں کرنا پڑی تھی۔'' وہ مضبوط لہجے میں بولی۔ ''میں جیسے ہی ریسٹ روم کا دروازہ کھول کر باہر آئی، میری نگاہ مقتول کے سر کی جانب اٹھ گئی جہاں سے تازہ تازہ خون نکل رہا تھا۔ اس کے سر کا عقبی حصہ خون سے تربتر تھا۔''

''جی ہاں، وہ اپنی کرسی ہی میں بیٹھا تھا۔'' اس نے جواب دیا۔ ''تاہم اس کا سر سامنے میز پر ٹکا ہوا تھا۔''

''مجھے اور کچھ نہیں پوچھنا جناب عالی!'' میں نے جج کی جانب روئے سخن پھیرتے ہوئے

کہا۔

پھر میں گواہوں والے کٹہرے کے پاس سے ہٹ گیا اور اپنی مخصوص نشست کی جانب قدم بڑھا دیئے۔ عدالت کا وقت ختم ہونے میں صرف پانچ منٹ باقی رہ گئے تھے۔

جج نے وکیل استغاثہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ''آپ کے تمام گواہ بھگت گئے یا ابھی کوئی اور باقی ہے؟''

''یہ آخری گواہ تھا یور آنر۔'' وکیل استغاثہ نے کٹہرے میں کھڑی فردوس بیگم کی جانب اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

جج نے دلائل کیلئے دس روز بعد کی تاریخ دے کر عدالت برخاست کرنے کا اعلان کر دیا۔

''دی کورٹ از ایڈجارنڈ!''

☆......☆......☆

جج اپنی کرسی انصاف پر براجمان ہو چکا تو دلائل کے سلسلے کا آغاز ہوا۔ پہلے وکیل استغاثہ نے میرے موکل کے خلاف پرزور دلائل دیئے۔ اس کا سارا زور اس بات پر تھا کہ میرا موکل مقتول سے شدید دشمنی رکھتا تھا۔ وہ ہر قیمت پر اپنی بیٹی کو آزاد کروانا چاہتا تھا۔ جب مقتول نے کسی بھی طور پر اس کی بات نہ مانی تو طیش میں آ کر اس نے مقتول کو قتل کر دیا۔ اس کے علاوہ ملزم کی دشمنی کی بنا فردوس اور ظاہر شاہ کی پارٹنرشپ بھی بتائی گئی تھی کہ اسے یہ گوارا نہیں تھا کہ اس کا داماد ایک ایسی عورت کے ساتھ کاروبار میں شراکت داری کرے جسے وہ طلاق دے چکا تھا۔ اسی قسم کی اور بھی بہت سی باتیں تھیں۔

اپنی باری پر میں دلائل کیلئے اٹھ کر کھڑا ہوا اور روئے سخن جج کی جانب موڑتے ہوئے کہا۔

''جناب عالی! میرا موکل سراسر بے گناہ اور بے قصور ہے۔ اسے ایک سوچی سمجھی سازش کے تحت قتل کے اس کیس میں پھانسا گیا ہے۔ میں اپنے موکل کی حمایت میں ترتیب وار دلائل دینا چاہتا ہوں۔

''یور آنر! استغاثہ میں اس بات کو بہت اہمیت دی گئی ہے کہ ملزم مقتول سے گہری دشمنی رکھتا تھا اور اس دشمنی کی بنیاد خاص طور پر دو باتوں کو بتایا گیا ہے۔ نمبر ایک مقتول چونکہ ملزم کی مطلقہ کے ساتھ مل کر بزنس کر رہا تھا اس لیے ملزم مقتول کے خلاف ہو گیا تھا کیونکہ ملزم کو اس میں اپنی ہتک محسوس ہوتی تھی۔ نمبر دو، ملزم اپنی بیٹی یاسمین کو مقتول کے نکاح سے خارج کروانا چاہتا تھا اور مقتول اس کی بات ماننے کو تیار نہیں تھا۔ میں ان دونوں نکات کی وضاحت کرتا ہوں۔''

میں چند لمحے سانس لینے کو رکا پھر بات جاری رکھتے ہوئے کہا۔ ''جناب عالی! پہلی بات تو یہ ہے کہ مقتول اور گواہ فردوس کی پارٹنرشپ کے بارے میں ملزم کو اس وقت معلوم ہوا جب اس کا داماد موت کے منہ میں جا چکا تھا لہٰذا اس دشمنی کی وجہ سمجھ میں نہ آنے والی بات ہے۔ میرا موکل طلاق کے

بعد فردوس بیگم کی طرف سے بالکل غافل ہو گیا تھا۔ یہ حقیقت ہے کہ وہ پارٹنر شپ بزنس سے قطعی لاعلم تھا۔ اب میں دوسرے نکتے کی طرف آتا ہوں۔ یہ بات یہیں کی ایک عدالت کے ریکارڈ پر موجود ہے کہ میں نے یاسمین کے ایما پر خلع کی درخواست دائر کر رکھی ہے۔ مذکورہ درخواست سات جنوری کو داخل عدالت کی گئی ہے جس پر قانونی کارروائی بھی ہو چکی ہے۔ بیس جنوری کو دونوں فریقین کو عدالت میں حاضر ہونا تھا اور اٹھارہ جنوری کو ظاہر شاہ کے قتل کا واقعہ پیش آ گیا۔ کیا یہ ممکن ہے کہ میرا موکل ان نازک حالات میں قتل ایسی واردات میں ملوث ہو جاتا جبکہ یاسمین کی خلع کا مقدمہ آخری مراحل میں ہو۔ ناممکن!''

میں نے خاموش ہو کر حاضرین عدالت کے چہروں کا جائزہ لیا پھر دوبارہ جج کی طرف مڑتے ہوئے دلائل کا سلسلہ جاری رکھا۔ ''اب ذرا پولیس کی کارکردگی کا بھی جائزہ لیتے ہیں۔ پولیس کے کام میں کئی مقامات پر جھول موجود ہیں۔ میں یہاں سب سے بڑے جھول کا تذکرہ کروں گا۔ پوسٹ مارٹم کی رپورٹ کے مطابق مقتول کی موت اعشاریہ تین آٹھ کیلی برکی دو گولیوں کے سبب واقع ہوئی ہے۔ یہ دونوں گولیاں مقتول کی کھوپڑی کے عقبی حصے میں لگی تھیں۔ پولیس افسر نے ملزم کے دفتر سے جو پستول برآمد کیا اتفاق سے وہ بھی متذکرہ بالا کیلی برہی کا ہے' اس موقع پر پولیس کا فرض اول یہ بنتا تھا کہ وہ ملزم کے پاس سے برآمد ہونے والے پستول کا لیبارٹری ٹیسٹ کرواتے کہ آیا مقتول کی کھوپڑی میں اترنے والی گولیاں اسی پستول سے فائر کی گئی تھیں یا نہیں۔ مگر پولیس نے ایسی کوئی کوشش نہیں کی۔ اسے پولیس کی تن آسانی بھی کہا جا سکتا ہے' بدنیتی بھی اور کوتاہی بھی۔ بس یہ فرض کر لیا گیا کہ ملزم کے دفتر کی میز سے ملنے والے پستول ہی سے مقتول کو موت کے گھاٹ اتارا گیا ہو گا۔ پولیس کا یہ طرزِ عمل مضحکہ خیز اور افسوسناک ہے۔

میں نے چند لمحات تک خاموش ہو کر اپنی فائلوں کی ورق گردانی کی وہاں مجھے کچھ بھی نہیں تلاش کرنا تھا۔ میں دراصل سناٹے کا لطف اٹھانا چاہتا تھا جو اس وقت عدالت کے کمرے پر طاری تھا۔

کچھ دیر بعد میں نے جج کو مخاطب کرتے ہوئے اپنے دلائل کے سلسلے کو آگے بڑھایا اور کہا۔

''جناب عالی! استغاثہ کے گواہ ٹلنگ منیجر انجم کرمانی نے بہت ہی نپا تلا اور ٹو دی پوائنٹ بیان دیا ہے۔ میں اس کے بیان میں موجود مستند باتوں کی روشنی میں استغاثہ کی دوسری گواہ فردوس بیگم پر بات کروں گا۔ کرنے کو تو بہت سی باتیں ہیں لیکن میں نہایت ہی اہم نکات کی طرف آتا ہوں۔

''فردوس بیگم نے اپنے بیان میں اور میرے سوالات کے جواب میں متعدد مقامات پر غلط بیانی سے کام لیا ہے۔ گواہ کا کہنا ہے کہ وہ فدا حسین کو مقتول سے ملوانے لائی تھی مگر مقتول کے کسی ملاقاتی کے باعث اسے واپس بھیج دیا جبکہ حقیقت یہ ہے کہ ظاہر شاہ نے ایسے کسی ملاقاتی کا ذکر نہیں

کیا تھا۔

''پھر فردوس بیگم کا کہنا ہے کہ وہ یاسمین کے خلع والے معاملے سے بے خبر تھی مگر ازاں بعد اس نے بتایا ہے کہ ریسٹ روم میں' اس نے مقتول اور ملزم کے درمیان ہونے والی گفتگو سنی تھی جس میں طلاق اور خلع کا بار بار ذکر آیا تھا اور بقول گواہ' مقتول کے انکار پر ملزم نے اسے سپردِ موت کر دیا۔

''گواہ فردوس بیگم کا بیان ہے کہ جب ملزم مقتول کے دفتر میں داخل ہوا تو وہ اٹھ کر دفتر کے دوسرے حصے یعنی ریسٹ روم میں چلی گئی تھی اور اس نے ریسٹ روم کا دروازہ بھی اچھی طرح بند کر لیا تھا۔''

یہاں تک پہنچ کر میں نے ٹٹولتی ہوئی نظر سے وکیل استغاثہ کو دیکھا اور ڈرامائی انداز اختیار کرتے ہوئے کہا۔ میرا روئے سخن جج کی جانب تھا۔

''جناب عالی! سوال نہایت ہی اہم یہ پیدا ہوتا ہے کہ ریسٹ روم میں بند گواہ فردوس بیگم نے مقتول اور ملزم کے مابین ہونے والی تلخ کلامی کیسے سن لی جبکہ گواہ انجم کرمانی کا دعویٰ ہے کہ دفتر کے وہ دونوں کمرے مکمل طور پر ساؤنڈ پروف ہیں اور یہ ایک حقیقت بھی ہے جسے کسی بھی لمحے چیک کیا جا سکتا ہے۔''

میرے انکشاف پر عدالت میں موجود سامعین میں چہ میگوئیاں ہونے لگیں۔ جب شور قدرے بلند ہو گیا کہ جج نے خاموشی...... مکمل خاموشی کے احکامات صادر کر دیئے۔

جیسے ہی شور تھما' میں نے با آواز بلند بولنا شروع کر دیا۔ ''جناب عالی! نہ صرف گواہ نے مقتول اور ملزم کی باہمی تلخ گفتگو واضح طور پر سنی بلکہ ساؤنڈ پروف کمرے میں رہتے ہوئے اس نے ان کی تلخ کلامی کا بھیانک نتیجہ بھی سماعت کر لیا۔ یعنی اعشاریہ تین آٹھ کیلی برکی دو گولیوں کے فائر کی آواز بھی گواہ تک پہنچ گئی جبکہ پوسٹ مارٹم کی رپورٹ کے مطابق مقتول کی کھوپڑی میں اترنے والی گولیاں سائلنسر لگے ہوئے پستول سے چلائی گئی تھیں۔''

میں نے ایک لمحے کو رک کر وکیل استغاثہ کی جانب تحقیر آمیز نگاہ سے دیکھا اور بڑے جارحانہ انداز میں کہا۔ ''استغاثہ نے اس کیس میں ایک سپر فکشن گواہ کو پیش کیا ہے جو کسی ساؤنڈ پروف کمرے میں بیٹھ کر باہر ہونے والی ایسی فائرنگ کی آواز بھی سن سکتا ہے جو سائلنسر لگے پستول سے کی گئی ہو۔ ہے نا حیرت انگیز اور مضحکہ خیز بات؟''

جج بات کی تہ تک پہنچ چکا تھا۔ اس نے ناگواری سے استغاثہ کی گواہ فردوس بیگم کی جانب دیکھا جو اس وقت عدالت کے کمرے میں موجود تھی' پھر جج کی سوالیہ نگاہ وکیل استغاثہ کی طرف اٹھ گئی۔ فردوس استغاثہ کی گواہ ہونے کے ساتھ ساتھ مدعی کا رول بھی ادا کر رہی تھی اس لیے ایک آدھ پیشی کو چھوڑ کر وہ ہر وقت عدالت میں نظر آئی تھی۔

میں نے روئے پر ردا چڑھاتے ہوئے کہا۔ ''یور آنر! استغاثہ کی گواہ فردوس بیگم نے جہاں میرے موکل کو پھانسی کے تختے تک پہنچانے کیلئے جھوٹوں کا انبار کھڑا کیا ہے' وہیں بے دھیانی یا روا روی یا ناسمجھی میں یا لاشعوری طور پر اس نے ایک ایسا اعتراف بھی کر ڈالا ہے جو میرے موکل کی بے گناہی پر مہر ثبت کرتا ہے۔''

چونک کر جج نے سوالیہ نظر سے مجھے دیکھا اور پوچھے بغیر نہ رہ سکا۔ ''بیگ صاحب! گواہ نے ایسا کون سا اعتراف کیا ہے؟''

میں نے کھنکار کر گلا صاف کیا اور پھر کراری آواز میں کہا۔ ''جناب عالی! گواہ نے بتایا ہے کہ جب وہ گولیوں کی آواز سن کر ریسٹ روم سے باہر نکلی تو ملزم وہاں سے فرار ہو چکا تھا اور مقتول اپنی کرسی میں میز پر سر ٹیکے پڑا تھا۔ اس کی کھوپڑی کے عقبی حصے میں گولیاں لگی تھیں۔'' میں نے ایک لمحے کو توقف کیا پھر بات جاری رکھتے ہوئے کہا۔ ''مقتول کی کھوپڑی کی عقبی جانب گولیوں کا لگنا یہ ظاہر کرتا ہے کہ اس پر عقبی جانب سے فائرنگ کی گئی تھی۔ اگر میرا موکل مقتول کو گولیوں کا نشانہ بناتا تو اس کے جسم کے سامنے والے حصے متاثر ہوتے۔''

عدالت کے کمرے میں پن ڈراپ خاموشی چھا گئی۔ میں نے انکشافات کا سلسلہ جاری رکھتے ہوئے کہا۔ ''جناب عالی! ریسٹ روم مقتول کے دفتری حصے کے عین عقب میں واقع ہے جس کسی نے بھی ظاہر شاہ کو قتل کیا ہے وہ عقبی سمت سے حملہ آور ہوا ہوگا اور واقعاتی شہادت چیخ چیخ کر بتا رہی ہے کہ مقتول کے عقب سے نمودار ہونے والی صرف اور صرف فردوس بیگم تھی۔ یا اگر وہاں اس وقت کوئی اور بھی موجود تھا تو اس بارے میں بھی گواہ فردوس بیگم ہی بتا سکتی ہے۔ گویا' ہر لحاظ سے گیند میڈم فردوس کی کورٹ میں پہنچ گئی ہے۔ میں ان کے اسٹروک کا منتظر ہوں۔''

پھر میں دلائل کا سلسلہ ختم کر کے اپنی مخصوص سیٹ پر بیٹھ گیا۔

اسی وقت عدالت میں شور مچ گیا۔ میں نے آوازوں کی افراط کی سمت نظر اٹھائی اور فوراً سمجھ گیا کہ گواہ فردوس کے ساتھ کچھ ہو گیا ہے۔ وہ اسی کونے میں بیٹھی ہوئی تھی۔

جلد ہی صورتحال واضح ہو گئی۔ فردوس بیگم بیٹھے بیٹھے اچانک اپنی کرسی سے گر کر بے ہوش ہو گئی تھی۔ میں اور عدالت میں موجود ہر ذی شعور شخص سمجھ رہا تھا کہ فردوس کی بے ہوشی کا سبب کیا ہو سکتا تھا۔ وہ یا تو قاتل تھی یا پھر قاتل کو اچھی طرح جانتی تھی۔

جج نے انکوائری افسر سے پوچھا۔ ''آپ اس صورت حالات کے بارے میں کیا کہتے ہیں؟''

''جناب عالی! مجھے نئے سرے سے اس کیس کو دیکھنا ہوگا۔'' وہ شرمندگی سے بولا۔ ''یہاں تو خاصی گڑبڑ کے آثار پیدا ہو گئے ہیں۔''

تھوڑی دیر بعد فردوس کو ہوش آ گیا۔ تاہم وہ بیان دینے کے قابل نہیں تھی۔ جج نے انکوائری افسر کو احکام دیئے کہ وہ سات روز کے اندر اندر نیا چالان پیش کرے۔ اس کے ساتھ ہی گواہ فردوس کو پولیس کی تحویل میں دے دیا گیا۔

نئے چالان کی ہدایت درحقیقت میرے موکل داؤد نظامی کی بریت کا واضح اعلان تھا۔ اس کی ہتھکڑی کھول دی گئی۔ تاہم جج نے اسے پابند کر دیا کہ جب تک پولیس نیا چالان پیش نہیں کر دیتی' وہ باقاعدگی سے عدالت میں حاضر ہوگا۔

☆......☆......☆

آئندہ پیشی پر عدالت نے داؤد نظامی کو باقاعدہ باعزت بری کر دیا کیونکہ پولیس کی تحویل میں فردوس نے سب کچھ قبول کر لیا تھا۔ ظاہر شاہ کو اس نے نہیں' بلکہ فدا حسین نے شوٹ کیا تھا۔ پولیس نے اصل قاتل کو گرفتار کر کے نہ صرف آلہ قتل برآمد کر لیا بلکہ اس سے اعتراف جرم بھی کروا لیا۔

فدا حسین پولیس کی سختی برداشت نہ کر سکا اور دو چار لات مکوں کے بعد اس نے اگل دیا کہ وہ قتل اس نے فردوس کے ایما پر کیا تھا۔ بظاہر وہ فردوس کو وقوعہ کے روز مقتول کے دفتر میں چھوڑ کر چلا گیا تو فردوس نے ہال میں آ کر واویلا مچانا شروع کر دیا تھا۔ فردوس نے انکشاف کیا کہ وہ ظاہر شاہ کے اس پروگرام سے آگاہ تھی کہ وہ داؤد کو اپنے پاس بلا کر بارگیننگ کرنے والا ہے۔ اس نے اس موقع کو غنیمت جان کر ڈبل گیم کھیلنے کا پروگرام بنا لیا۔

ظاہر شاہ اب اس کے کام کا نہیں رہا تھا۔ وہ اسے راستے سے ہٹا کر داؤد کو اس قتل کے الزام میں پھانسی کے پھندے تک پہنچا دیتی۔ اس طرح اس کا انتقام بھی پورا ہو جاتا۔ فدا حسین فلائی سٹار میں کثیر سرمایہ لگانا چاہتا تھا۔ یہ فردوس کا خیال تھا جبکہ فدا صرف سنسنی کیلئے سب کچھ کر رہا تھا حتیٰ کہ وہ اسی سنسنی کے حصول کیلئے قتل بھی کر بیٹھا۔

چلتے چلتے یہ بھی بتاتا چلوں کہ داؤد نظامی کے ہوٹل میں میرا اور میرے ساتھ جانے والوں کا قیام وطعام تاحیات فری ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ میں نے داؤد صاحب کی اس پیشکش سے کبھی فائدہ نہیں اٹھایا۔

☆......☆......☆

لاٹری

سال میں ایک آدھ کیس میں ایسا بھی پکڑ لیتا ہوں، جس میں کمائی کے امکانات زیادہ روشن نہیں ہوتے۔ میں سمجھتا ہوں، اس طرح میرے پیشے کی زکوٰۃ ادا ہوجاتی ہے اور کسی پریشان حال انسان کا بھلا بھی۔ آج میں آپ کی خدمت میں ایک ایسے ہی کیس کی روداد پیش کررہا ہوں۔

وہ منگل کا دن تھا اور میں اپنے دفتر سے اٹھنے کا ارادہ ہی کررہا تھا کہ میری سیکرٹری نے انٹرکام پر کسی کلائنٹ کی آمد کی اطلاع دی۔ میں نے مذکورہ ملاقاتی کو اپنے چیمبر میں بلالیا۔ تھوڑی دیر بعد وہ میرے سامنے موجود تھا۔ میرے اشارے پر اس نے کرسی سنبھال لی۔

اس شخص نے اپنا نام عبدالباقی بتایا تھا۔ عمر چون سال رہی ہوگی۔ اس نے عام سے کپڑے کا شلوار سوٹ پہن رکھا تھا۔ شخصیت میں قابل بیان بات کوئی نہیں تھی۔ خاصے بڑے سائز کے مستطیل چشمے نے اس کے چہرے کی حماقت مآبی میں اضافہ کررکھا تھا۔ صحت مخدوش اور ڈانواں ڈول تھی۔ اس کو دیکھ کر میرے ذہن میں یہ جملہ ابھرا.... یار زندہ، عبدالباقی!

رسمی علیک سلیک کے بعد میں نے اس کی آمد کا مقصد دریافت کیا۔ اس عمل کے دوران میں ایک مخصوص پیشہ ورانہ مسکراہٹ میرے ہونٹوں پر سجی رہی۔

''جناب وکیل صاحب!'' عبدالباقی اپنی گردن کو زوردار انداز میں ہلاتے ہوئے بولا ''میں آپ کا پرستار ہوں۔ آپ بہت دھانسو قسم کے وکیل ہیں۔''

اس کے تعریفی انداز تکلم نے مجھے سیدھا ہوکر بیٹھنے پر مجبور کردیا۔ میں نے کہا ''بھئی! میں نے تو سنا ہے، لوگ فلمی ستاروں کے پرستار ہوتے ہیں۔ میں نے آج تک کسی فلم میں کام نہیں کیا۔ تم کس مد میں میری پرستش کے دعویدار ہو؟''

''آپ نے فلموں میں کام نہیں کیا تو کیا ہوا؟'' وہ عقیدت بھرے لہجے میں بولا۔ ''آپ جو کام کررہے ہیں وہ فلم انڈسٹری میں کام کرنے سے زیادہ اہم ہے۔ میں نے آپ کے بہت سے کارنامے پڑھے ہیں۔''

انکشاف انگیز انداز میں بات کرتے ہوئے اس کی آنکھیں سکڑ گئی تھیں، جبکہ اس کے برخلاف باچھوں میں غیر معمولی وسعت دیکھنے میں آرہی تھی۔

میں نے حیرت بھرے لہجے میں استفسار کیا ''تم میرے کون سے کارناموں کا ذکر کررہے ہو؟''

''جناب! میں آپ کی کہانیاں باقاعدہ پڑھتا ہوں۔'' اس نے گویا بہت ہی اہم راز مجھ تک پہنچا دیا۔ ''آپ کے دلائل پڑھ کر دل جھوم اٹھتا ہے۔ مجھے امید ہے، آپ میری بھی بھرپور مدد کریں گے۔ میں اپنے ساتھ، آپ کے ایک دوست کی سفارش بھی لے کر آیا ہوں۔''

میں سمجھ گیا، وہ سسپنس ڈائجسٹ کا قاری تھا، کیونکہ ملک کا واحد یہی میگزین ہے، جہاں میرے مقدمات کی روداد شائع ہوتی ہے۔ گاہے بہ گاہے ایسے افراد سے میل ملاقات ہوجاتی ہے، جو سسپنس کے توسط سے، مجھ سے ملنے سے پہلے میرے بارے میں بہت کچھ جان چکے ہوتے ہیں۔ اس سے، اس ماہ نامے کی مقبولیت اور ہردلعزیزی کا بھی اندازہ ہوتا ہے۔

عبدالباقی نامی شخص نے اپنی جیب سے ایک تہ شدہ کاغذ نکال کر میری جانب بڑھا دیا۔ میں نے اس رقعہ نما کاغذ کی تہیں کھول دیں۔ صفحے کے کونے پر ایک سماجی کارکن شیخ باقر کا وزیٹنگ کارڈ پن کیا ہوا تھا۔ رقعے کی تحریر شیخ صاحب ہی کی طرف سے تھی، جس میں اس نے مجھ سے درخواست کی تھی کہ میں عبدالباقی نامی اس مصیبت زدہ شخص کی قانونی مدد کروں۔ عبدالباقی کے ساتھ کوئی فراڈ ہوگیا تھا۔ شیخ باقر نے اس بات کی وضاحت کردی تھی کہ بندے کے پلے کچھ بھی نہیں۔ مجھے جو کچھ بھی کرنا ہے، فی سبیل اللہ ہی کرنا ہوگا۔ اس رقعے میں فراڈ کی تفصیل یا نوعیت درج نہیں تھی۔ شیخ باقر سماجی فلاح و بہبود کا ایک مقامی ادارہ چلاتا تھا اور مجھ سے اس کے دوستانہ مراسم قائم تھے۔ میں اس کی بات کو ٹال نہیں سکتا تھا۔

میں نے رف پیڈ اور قلم سنبھال لیا، پھر عبدالباقی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا ''رقعہ میں نے پڑھ لیا ہے۔ مجھے تفصیل سے بتاؤ، تمہارے ساتھ کس قسم کا فراڈ ہوا ہے؟''

''جناب! یہ سو دو سو کی نہیں، بلکہ پورے بیس ہزار روپے کی کہانی ہے۔'' وہ حد سے زیادہ سنجیدہ ہوتے ہوئے بولا۔ ''اگر آپ فاخرہ بیگم سے مجھے یہ رقم واپس دلوا دیں، تو میں آپ کو خوش کردوں گا۔ میں پیشگی آپ کی فیس ادا کرنے کی پوزیشن میں نہیں ہوں۔ آج کل تو میری جیب میں پھوٹی کوڑی بھی نہیں۔ شیخ صاحب نے رقعے میں تذکرہ تو کیا ہے، میں زبانی بھی آپ کو بتارہا ہوں۔''

''ٹھیک ہے، ٹھیک ہے''۔ میں نے اسے پٹری سے اترتے ہوئے دیکھا تو ہاتھ کے اشارے کے بعد کہا ''میں شیخ باقر کی فرمائش پر تم سے کوئی فیس نہیں لوں گا، بعد کی باتیں تم جانو۔'' ایک لمحے کا توقف کرکے میں نے پوچھا ''تم مجھے پہلے یہ بتاؤ، فاخرہ بیگم کون ذات شریف ہے اور تم

نے بیس ہزار روپے اسے کس مد میں دیئے تھے؟''

وہ چند لمحے خاموش رہنے کے بعد بولا ''بیگ صاحب! فاخرہ نامی یہ عورت میری پڑوسن ہے اور میں نے...''

وہ بولتے بولتے اچانک رُک گیا۔ اس کے انداز میں جھینپ پائی جاتی تھی۔ میں نے جلدی سے کہا ''بولتے رہو' تم نے بیس ہزار کی رقم فاخرہ بیگم کو کس سلسلے میں دی تھی؟''

''یہ رقم میں نے اسے یکمشت نہیں دی''۔ اس نے بتایا ''گزشتہ ایک سال میں گاہے بہ گاہے میں اس کی مدد کرتا رہا تھا۔''

''مدد کرتے رہے ہو!'' میں نے قلم روک کر سوالیہ نظروں سے عبدالباقی کو دیکھا ''تمہارا تو دعویٰ ہے' فاخرہ بیگم نے تم سے بیس ہزار روپے کا فراڈ کیا ہے؟''

''ہاں جناب! یہ فراڈ ہی کی ایک قسم ہے۔''

''تم بات کو الجھا رہے ہو۔'' میں نے بیزاری سے کہا۔ ''جب تم اس کی مدد کی خاطر اسے رقم دیتے رہے ہو تو پھر اس میں فراڈ کہاں سے آ گیا؟''

''میں آپ کو بتاتا ہوں۔'' وہ پہلو بدلنے کے دوران میں تھوک نگلتے ہوئے بولا ''بات دراصل یہ ہے کہ فاخرہ بیگم نے مجھ سے ایک وعدہ کر رکھا تھا۔ وہ اسی وعدے کی تکمیل کی غرض سے مختلف اوقات میں مجھ سے فرمائشیں کرتی رہی اور میں اس کی بات مانتا رہا' لیکن آخر میں اس نے آنکھیں پھیر لیں اور اب اپنے وعدے سے بھی انکاری ہے۔ یہ فراڈ ہی تو ہوا ناں جناب؟''

میں نے اس کی پھیردار باتوں میں ذہن الجھانے کے بجائے سوال کیا ''فاخرہ بیگم کی عمر کیا ہے؟'' یہ میں نے محض اس لیے پوچھا تھا کہ کہیں اِس بیوقوفی کا تعلق اُس معاملے سے نہ ہو!

اس نے جواب دیا ''پچاس کے قریب ہوگی۔''

''کیا وہ شادی شدہ ہے؟''

''ہاں!'' اس نے بتایا ''فاخرہ کی دو جوان بیٹیاں ہیں۔''

میرے انٹینا کا رُخ دوسری جانب مڑ گیا۔ میں نے پوچھا ''فاخرہ نے تم سے کس قسم کا وعدہ کیا تھا۔ کہیں اس کی بیٹی کا معاملہ تو......!''

میں نے دانستہ جملہ ادھورا چھوڑ دیا اور اپنی بات کے ردِعمل کا انتظار کرنے لگا۔ مجھے زیادہ دیر انتظار نہیں کرنا پڑا۔ عبدالباقی کی آنکھوں میں ایک خاص قسم کی چمک پیدا ہوئی اور وہ جذبات سے مغلوب آواز میں بولا۔

''مان گیا بیگ صاحب! آپ بہت پہنچے ہوئے وکیل ہیں۔'' ایک لمحے کے توقف سے اس نے اضافہ کیا ''مانتا تو میں آپ کو پہلے بھی تھا' لیکن اب یقین ہو گیا ہے۔ آپ پلک جھپکتے میں بات

کی تہ تک پہنچ جاتے ہیں۔ کوئی راز آپ کے لیے زیادہ دیر تک راز نہیں رہ سکتا۔''

وہ بات کرتے کرتے خاموش ہو گیا۔ میرے نزدیک اس کی بیوقوفی مسلم ہو گئی۔ میں نے جو اندازہ لگایا تھا اسے وہ کوئی بہت بڑا کارنامہ سمجھ رہا تھا' حالانکہ کوئی بھی ذی ہوش اور باشعور شخص اس نوعیت کے نتیجے پر بہ آسانی پہنچ سکتا تھا۔

میں نے پوچھا ''فاخرہ بیگم نے اپنی بیٹی کے سلسلے میں تم سے کیا وعدہ کیا تھا؟''

''اس نے کہا تھا' وہ مینا کی شادی مجھ سے کر دے گی۔''

''اور اب وہ اس شادی سے انکاری ہے؟''

''کچھ ایسی ہی بات ہے۔''

''تم نے بتایا' فاخرہ بیگم کی دو بیٹیاں ہیں۔'' میں نے کہا۔ ''مینا بڑی ہے یا چھوٹی؟''

''مینا چھوٹی کا نام ہے۔'' اس نے جواب دیا۔

میں نے پوچھا ''کیا بڑی کی شادی ہو چکی ہے؟''

''ہو چکی بھی اور نہیں بھی۔'' عبدالباقی نے سرسری انداز میں کہا۔

''کیا مطلب ہے تمہارا؟'' میں نے چونک کر اسے دیکھا۔

''بیگ صاحب! میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ بینا کی شادی تو ہو چکی ہے' مگر وہ میکے ہی میں ڈیرا ڈالے بیٹھی ہے یا یوں کہیں' فاخرہ بیگم نے اسے گھر بٹھا رکھا ہے۔ ایسی شادی کس کام کی جناب! میں تو اس کو شادی نہیں سمجھتا۔''

''تمہارے سمجھنے یا نہ سمجھنے سے کیا ہوتا ہے میاں۔'' میں نے کہا ''جب تک بینا اپنے شوہر کے نکاح میں ہے' وہ جہاں بھی ہے شادی شدہ ہی کہلائے گی۔ تم مینا کے بارے میں بتاؤ' فاخرہ بیگم اپنے وعدے سے کیوں پھر گئی.... کیا اس نے کوئی اور رشتہ دیکھ لیا ہے اپنی بیٹی کے لیے؟''

''ایسی تو کوئی بات نہیں جناب!'' وہ مبہم انداز میں بولا۔

''پھر کیسی بات ہے؟'' میں نے کہا ''کوئی تو وجہ ہوگی جو فاخرہ نے اپنا ارادہ بدل دیا!''

''وہ تو کہتی ہے' مینا اس رشتے کے لیے تیار نہیں۔''

''کیا پہلے مینا تیار تھی؟'' میں نے کہا ''تم تو گزشتہ ایک سال سے فاخرہ کی فرمائشیں پوری کرتے چلے آ رہے ہو!''

عبدالباقی نے بتایا ''ہاں بیگ صاحب! میں نے اس عرصے کے دوران میں مینا کو آمادہ ہی پایا تھا۔ اس کے روّیے اور انداز سے میرے لیے پسندیدگی جھلکتی تھی۔ بلکہ میں نے اس کی فرمائشیں پوری کی ہیں۔ مجھے پورا یقین تھا' وہ میری طرف مائل ہے اور میرے ساتھ شادی کرنے سے انکار نہیں کرے گی' لیکن اس نے میری توقع کے برخلاف انکار کر دیا۔''

"کیا مینا نے تمہارے سامنے اس رشتے سے انکار کیا ہے؟"

"نہیں!" وہ قطعیت سے بولا "مجھے یہ بات فاخرہ بیگم کی زبانی معلوم ہوئی ہے۔"

"فاخرہ بیگم نے مینا کے انکار کا سبب کیا بتایا؟" میں نے پوچھا۔

جواب دینے سے پہلے وہ بے حد سنجیدہ ہوگیا۔ اس کی سنجیدگی میں خجالت کا عنصر نمایاں تھا' پھر اس نے دل شکستہ انداز میں بتایا' فاخرہ نے مجھ سے تو یہی کہا تھا کہ مینا نے یہ کہہ کر اس رشتے سے انکار کردیا ہے" وہ تو میرے والد صاحب کے برابر ہیں' میں نے ہمیشہ ان کا احترام کیا ہے۔ اب میں ان سے شادی کس طرح کرلوں؟"

میں نے عبدالباقی کی بات سن کر کہا "مینا کی عمر کیا رہی ہوگی؟"

"بائیس تئیس سال سے زیادہ نہیں۔" اس نے بتایا۔ "وہ اپنی بڑی بہن کے برخلاف دبلی پتلی' گوری چٹی اور خوبصورت لڑکی ہے۔"

میں نے سنجیدگی سے کہا "عبدالباقی! تم چون پچپن کے پیٹے میں ہو۔ اس لحاظ سے مینا کی بات کو نظرانداز نہیں کیا جاسکتا۔ اگر تم بھی حقیقت پسندی سے سوچو تو تمہیں عمروں کا یہ تفاوت بہت واضح نظر آجائے گا۔ کیا خیال ہے تمہارا؟ عمر کے ساتھ ساتھ تو تم نے اپنی صحت کا بھی کباڑا کرلیا ہے۔ کیا میں غلط کہہ رہا ہوں؟"

اس نے ٹھنڈے دل و دماغ سے میری بات سنی اور ایک طویل سانس خارج کرنے کے بعد بولا "میری صحت کا تو کیا پوچھتے ہیں۔ گزشتہ دس بارہ سال میں' میں بری طرح جھٹک گیا ہوں۔ فریدہ کے بعد میری زندگی میں ایک بہت بڑا خلا آگیا تھا' جسے میں نے مینا کے وجود سے بھرنے کی کوشش کی' لیکن مینا نے فریدہ سے بڑا زخم دیا ہے مجھے۔" وہ چند لمحے خاموش رہنے کے بعد دوبارہ گویا ہوا "بارہ سال پہلے فریدہ نے مجھ سے طلاق لے کر اپنی دنیا الگ بسالی تھی۔ وہ جب تک میری بیوی رہی' میری زندگی میں زہر گھولتی رہی۔ مجھ سے الگ ہوکر بھی اس نے کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی۔ اس نے مجھے ذہنی اذیت پہنچانے کے لیے بیہودہ تبصرے بھی کیے۔ بہرحال' میں خاموشی سے لوگوں کی باتیں سنتا رہا۔ زمانے کی زبان تو نہیں پکڑی جاسکتی ناں!!"

میں نے محسوس کیا' وہ یاد ماضی میں کھو کر ایک مرتبہ پھر اصل موضوع سے ہٹ رہا تھا' میں نے فوراً اسے واپس بلالیا اور کہا "تم مینا کے بارے میں کچھ بتا رہے تھے!"

"ہاں مینا!" وہ ٹھنڈی آہ بھرتے ہوئے بولا "میں مانتا ہوں' ہم دونوں کی عمر میں بہت زیادہ فرق ہے' لیکن وکیل صاحب! یہ فرق کوئی آج کل میں تو پیدا نہیں ہوا' بلکہ سدا سے ہے۔ میں تو یہ کہتا ہوں' پچھلے ایک سال سے انہیں یہ فرق کیوں نظر نہیں آیا؟ فاخرہ نے مجھے امید دلا کر دونوں ہاتھوں سے لوٹا اور مینا اپنی اداؤں اور رویے سے مجھے یقین دلاتی رہی کہ بس بہت جلد ہماری شادی ہوجائے

گی۔ مجھے یقین ہے' ان لوگوں نے ایک سوچے سمجھے منصوبے کے تحت مجھے بیوقوف بنایا ہے۔ وکیل صاحب! میں ان سے ایک ایک پائی وصول کرکے رہوں گا اور اس سلسلے میں آپ میری مدد کریں گے۔ میں نے اپنی رقم کی لسٹ بھی تیار کرلی ہے۔"

اس کے آخری جملے پر میں نے چونک کر اسے دیکھا۔ اس دوران میں وہ اپنی جیب سے مذکورہ لسٹ برآمد کرچکا تھا۔ اس نے وہ لسٹ میری جانب بڑھا دی۔ میں نے بڑی دلچسپی سے لسٹ کے مندرجات کا جائزہ لیا۔

لسٹ واقعی بڑی دلچسپ تھی۔ گزشتہ ایک سال میں' عبدالباقی نے مینا سے شادی کی امید میں اپنی ہونے والی سسرال کو جس طرح بھرا تھا' اس کی تفصیل ترتیب سے درج کی گئی تھی۔ مختلف مواقع پر مالی مدد' پانچ ہزار روپے۔ کلر ٹی وی دلایا' ساڑھے چار ہزار روپے۔ ٹیپ ریکارڈر دلوایا' بارہ سو روپے۔ چھوٹے موٹے زیوات خرید کر دیئے' اڑھائی ہزار روپے۔ مینا کے لیے مختلف لباس اور میک اَپ کا سامان' ڈیڑھ ہزار روپے۔ بطور قرض فاخرہ بیگم کو دیا' ساڑھے پانچ ہزار روپے۔ کل ملا کر اس رقم کا تخمینہ بیس ہزار سے اوپر بنتا تھا' جو عبدالباقی فاخرہ بیگم سے وصول کرنے کے چکر میں تھا۔

عبدالباقی کی کتھا سن کر مجھے یقین ہوگیا کہ فاخرہ بیگم اینڈ کمپنی نے اسے دونوں ہاتھوں سے اُلو بنایا تھا۔ ان جیسے کردار تقریباً ہر علاقے میں پائے جاتے ہیں۔ ان کی خوش قسمتی اور عبدالباقی کی بدقسمتی کہ وہ اس کے پڑوس میں آباد تھے۔ عبدالباقی اس دنیا میں تنہا تھا۔ ایک محروم النسا اور تن تنہا بوڑھا بہت آسانی سے شکار کیا جاسکتا ہے۔ فاخرہ بیگم نے مینا کا چارا ڈال کر عبدالباقی کا شکار کھیلا تھا اور جب دیکھا کہ بندے کے پاس کچھ نہیں بچا' تو اس نے اپنا جال سمیٹ کر عبدالباقی کو ہری جھنڈی دکھادی۔

میں نے عبدالباقی کی مرتب کردہ لسٹ کو پیپرویٹ کے نیچے دبا دیا تھا اور اس سے پوچھا "کیا تمہارے پاس اس سامان کی خریداری کی رسیدیں بھی ہیں؟"

"صرف زیورات اور ٹیپ ریکارڈ کی رسیدیں رکھی ہیں میرے پاس۔" اس نے بتایا "کلر ٹی وی تو میں نے کسی سے سیکنڈ ہینڈ خرید کردیا تھا۔ لباس اور دیگر سامان کی رسیدیں میں نے لی ہی نہیں تھیں۔ نقد رقم اور بطور قرض دی گئی رقم کے سلسلے میں بھی میرے پاس کوئی ثبوت نہیں۔" ایک لمحے کو وہ خاموش ہوا' پھر بات جاری رکھتے ہوئے بولا "دراصل میں نے واپسی کی نیت سے انہیں یہ سب کچھ نہیں دیا تھا۔ خدا گواہ ہے' میں نے یہ ساری قربانیاں صرف اور صرف مینا کی خاطر دی تھیں' مگر اس نے مجھے دھوکا دیا۔"

میں نے کہا "تمہارا کیا خیال ہے' یہ لگ بھگ بیس ہزار روپے کی رقم تمہیں واپس مل جائے گی؟"

''آپ کوشش کریں گے تو کیوں نہیں ملے گی!'' اس نے پُر امید نظر سے مجھے دیکھا۔

میں نے واضح الفاظ میں کہا ''دیکھو میاں! کوشش کرنے کے لیے بھی کسی نہ کسی بنیاد کی ضرورت ہوتی ہے' جبکہ تمہارا معاملہ ہوا میں معلق ہے۔ تم کسی طرح ثابت نہیں کرسکتے کہ انہوں نے رشتے کا جھانسہ دے کر تم سے وہ اشیاء بٹوری ہیں۔''

''آپ تو مایوسی کی باتیں کررہے ہیں بیگ صاحب!''

''میں حقیقت بیان کررہا ہوں۔''

''آپ تو مردے میں بھی جان ڈال دیتے ہیں۔''

''اس کام کے لیے مردے اور جان کا ہونا ضروری ہے۔'' میں نے دوٹوک انداز اختیار کرتے ہوئے کہا ''تمہارے کیس میں تو مردہ ہی مردہ ہے۔'' اس سے قبل کہ مایوسی کی انتہا کو پہنچ کر اس کا منہ لٹک جاتا' میں نے کہا ''کیا تم اپنے مؤقف کی سچائی ثابت کرنے کے لیے کوئی گواہ پیش کرسکتے ہو؟''

''گواہ.... کس قسم کا گواہ؟'' وہ پریشان ہوگیا۔

''ایسا گواہ' جو عدالت کے رُوبہ رُو یہ اقرار کرسکے کہ تم نے واقعی فاخرہ بیگم کو وہ سامان اور رقم دی تھی۔'' میں نے کہا ''یا پھر کوئی ایسا شخص جو گواہی دے سکے کہ فاخرہ بیگم نے تم سے مینا کے رشتے کا وعدہ کیا تھا اور اس وعدے کو مینا کی تائید بھی حاصل تھی۔''

وہ گہری سوچ میں ڈوب گیا۔ اس کا واضح مطلب یہی تھا' وہ ایسا کوئی گواہ پیش کرنے کی اہلیت نہیں رکھتا۔ اس کی مایوسی دیکھ کر مجھے افسوس تو ہوا' لیکن اس احمق وقت کی کس طرح مدد کروں' یہ میری سمجھ میں نہیں آرہا تھا۔

ایک خیال کے تحت میں نے اس سے پوچھا ''تم رہتے کہاں ہو؟''

''خداداد کالونی میں۔'' اس نے جواب دیا۔

''اور ملازمت کہاں کرتے ہو؟''

''کورنگی انڈسٹریل ایریا کی ایک فیکٹری میں' میں مشین مین کی حیثیت سے ملازم ہوں۔'' عبدالباقی نے بتایا۔

مشین مین کی تنخواہ اس زمانے میں لگ بھگ دو ہزار روپے ہوتی تھی۔ عبدالباقی نے مجھے بتایا تھا کہ گزشتہ ایک سال میں اس نے کم وبیش بیس ہزار روپے فاخرہ بیگم کی ''نذر'' کردیئے تھے۔ اس بات نے مجھے چونکنے پر مجبور کردیا۔ سالانہ چوبیس ہزار کمانے والے نے بیس ہزار کس طرح اندھے کنویں میں جھونک دیئے' یہ سمجھ میں آنے والی بات نہیں تھی۔ میں نے اسی حوالے سے عبدالباقی سے سوال کیا۔

''تمہیں مشین آپریٹری سے کتنے پیسے مل جاتے ہیں؟''

''میری تنخواہ بائیس سو روپے ہے۔'' اس نے بتایا۔

میں نے پوچھا ''کیا پچھلے ایک سال سے تم فاقے کرتے رہے ہو۔ تمہارے دعوے کے مطابق بیس ہزار روپے سے زیادہ رقم تم نے مینا اور فاخرہ پر خرچ کرڈالی۔ باقی پانچ چھ ہزار روپے میں تم کس طرح گزارا کرتے رہے؟''

وہ ایک مجروح آہ بھرتے ہوئے بولا ''بیگ صاحب! جب سے فاخرہ نے مجھے مینا کی امید دلائی تھی' میں نے فیکٹری میں اوور ٹائم بھی شروع کردیا تھا اور ماہانہ چار پانچ سو الگ سے فائدہ ہو جاتا تھا' پھر میں نے اپنے ذاتی اخراجات میں بھی اچھی خاصی کمی کرلی تھی۔ مینا کی خاطر مجھے فاقے بھی کرنا پڑتے تو میں پیچھے نہ ہٹتا' لیکن وہ پیچھے ہٹ گئی' حالانکہ میں نے تو اسے اپنی عزت بنا کر اس کی پیشانی پر لگے ہوئے داغ کو مٹانے کا فیصلہ کیا تھا۔''

عبدالباقی کی آخری بات نے مجھے چونکا دیا ''پیشانی پر لگے ہوئے داغ سے تمہاری کیا مراد ہے؟'' میں نے اضطراری لہجے میں پوچھا۔

''طلاق کا داغ!'' وہ کہیں بہت دُور سے بولا۔

''تمہارا مطلب ہے' مینا طلاق یافتہ تھی؟''

''ہاں' اس کی شادی صرف ایک ماہ تک قائم رہی تھی۔'' اس نے بتایا ''میں نے تو اس خیال سے مینا سے شادی کا ارادہ کیا تھا کہ اس طرح وہ سکی سے بچ جائے گی' لیکن کسی نے میرے جذبے اور میری قربانی کی قدر نہیں کی۔ مجھے بھی اب ان کی ذرا پروا نہیں۔ آپ میری مدد کریں تو میری ڈوبی ہوئی رقم واپس مل سکتی ہے۔''

اس کی سوئی ''رقم کی واپسی'' پر اٹک کر رہ گئی تھی۔ جبکہ میں اس کے تازہ ترین انکشاف کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ مینا کو ایک سال پہلے طلاق ہوگئی تھی اور وہ بھی صرف شادی کے ایک ماہ بعد' مگر کیوں؟''

یہی سوال میں نے عبدالباقی سے کیا ''مینا کی طلاق کی وجوہات کیا تھیں۔ اس کے شوہر نے ایک ماہ بعد ہی اسے کیوں طلاق دے دی۔ اس میں ایسی کیا خرابی تھی؟''

''خرابی مینا میں نہیں' بلکہ اس کے شوہر اشفاق میں تھی۔'' عبدالباقی نے بتایا ''اور بیگ صاحب! اگر اشفاق کے ہاتھ میں ہوتا تو وہ مینا کو کبھی طلاق نہ دیتا۔ یہ تو فاخرہ بیگم نے ہنگامہ مچا کر جبراً اپنی بیٹی کو طلاق دلوا دی تھی۔ اس نے فتنہ ہی ایسا اٹھایا تھا کہ اشفاق مجبور ہوگیا۔ عدالت شوہر کے معاملے میں بیوی کی رائے کو بڑی اہمیت دیتی ہے۔''

میں بڑی وضاحت سے سمجھ گیا اس کا اشارہ کس جانب تھا۔

میں نے پوچھا ''مینا کے سابق شوہر اشفاق کی خرابی کے بارے میں تمہیں کس نے بتایا تھا۔ مینا نے یا فاخرہ بیگم نے؟''

''مجھے یہ بات فاخرہ بیگم کی زبانی پتا چلی تھی۔'' اس نے جواب دیا ''اور بعدازاں میں نے محفوظ اشاروں کنایوں میں مینا سے اس کی تصدیق بھی کی تھی۔ اشفاق' مینا کے قابل نہیں تھا۔''

عبدالباقی کی اب تک کی گفتگو سے میں نے اندازہ لگایا کہ فاخرہ بیگم نے اسے نچوڑنے کے بعد یقیناً کوئی اور شکار دیکھ لیا ہوگا۔ وہ عبدالباقی سے جان چھڑا کر اور مینا کو دکھا کر اس نئے شکار کو آہستہ آہستہ کاٹ رہی ہوگی۔ یہ صورتحال عبدالباقی کے لیے سودمند نہیں تھی' تاہم اس کی افسردگی کو دیکھتے ہوئے میں نے اس کا دل رکھنے کے لیے کہہ دیا۔

''تم بیس ہزار روپے کی تفصیل پر مشتمل یہ لسٹ میرے پاس چھوڑ جاؤ اور اپنی سچائی کے لیے کوئی گواہ پیدا کرنے کی کوشش کرو۔ میں سوچتا ہوں' تمہارے بارے میں کیا کیا جاسکتا ہے۔''

وہ بولا ''بیگ صاحب! میں نے اس معاملے کو راز رکھنے کی خاطر کبھی کسی سے کوئی ذکر نہیں کیا تھا' کون میری گواہی دے گا۔ بہرحال میں کوشش کرتا ہوں۔''

''تم پہلی فرصت میں فاخرہ بیگم سے ملاقات کرو۔'' میں نے اسے ٹپ دی ''اس سے دوٹوک الفاظ میں بات کرو' یا تو وہ تمہاری رقم تمہیں واپس کردے یا پھر تم پولیس میں اس کے خلاف رپورٹ کرنے جارہے ہو۔ اسے ایک بات کے لیے تیار ہونا پڑے گا۔ رقم کی واپسی یا مینا سے شادی!''

''کیا وہ میری دھمکی میں آجائے گی؟'' وہ کمزور آواز میں بولا۔

''تم مضبوطی سے بات کرو گے' تو اس کے مثبت نتائج برآمد ہوں گے۔'' میں نے اس کی حالت کو دیکھتے ہوئے کہا ''یہ دنیا ڈرنے والوں کو اور ڈراتی ہے۔ ڈر ڈر کر زندگی گزارنے والے آئے دن مصائب کا شکار ہوتے رہتے ہیں۔'' ایک لمحے کا وقفہ دے کر میں نے اس سے پوچھا ''تمہارے بیس ہزار روپے تو فاخرہ بیگم کی طرف گئے ہیں ناں؟''

''ہاں' بالکل گئے ہیں۔'' وہ اثبات میں سر ہلاتے ہوئے بولا۔

''اور یہ رقم تمہارے خون پسینے کی کمائی تھی' جو تم نے اوورٹائم کرکر کے حاصل کی تھی؟'' میں نے اسے جوش دلانے کی خاطر ایک مخصوص انداز میں کہا۔

وہ میری باتوں سے کرنٹ پکڑتے ہوئے بولا ''جی ہاں' جی ہاں! میرا ایک ایک پیسہ حق حلال کا ہے۔ میں نے اس کے حصول کے لیے جان توڑ محنت کی ہے۔''

''یہی بات میں تمہیں سمجھانے کی کوشش کررہا ہوں۔'' میں نے کہا ''تم بے فکر ہوکر فاخرہ بیگم سے ملو اور اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر اپنا مطالبہ اس کے سامنے رکھو۔ مینا سے شادی یا پھر بیس ہزار روپے کی واپسی۔ اگر وہ تمہاری بات پر کان نہ دھرے اور الٹا تمہیں آنکھیں دکھانے کی

کوشش کرے تو قانونی کارروائی کی دھمکی دے کر میرے پاس چلے آنا۔ اس کے بعد جو ہوگا' میں دیکھ لوں گا۔''

''میں کتنے دن بعد آپ کے پاس دوبارہ آؤں؟'' اس نے مبینہ حماقت کا مظاہرہ کرتے ہوئے مجھ سے پوچھا۔

میں نے قدرے سخت لہجے میں تنبیہ کی ''میاں! دن' مہینے اور سال نہ گنو' تمہیں جو کچھ کہا جارہا ہے اس پر دھیان دو۔ یہ تو تمہاری ہمت اور حوصلے پر منحصر ہے۔ جب بھی تم فاخرہ بیگم کا سامنا کرتے ہوئے اس سے سوال و جواب کرلو' تمہارے مطالبات پر وہ جس روّیے اور ردِّعمل کا مظاہرہ کرے' وہ مجھے آکر بتا دینا' کیا سمجھے؟''

''سمجھ گیا وکیل صاحب!'' وہ اثبات میں سر ہلانے لگا۔

تھوڑی دیر بعد وہ میرے دفتر سے رخصت ہوگیا۔

اللہ کی یہ دنیا بہت بڑی ہے اور اس نے اس جہاں کو آباد کرنے کے لیے ہر ٹائپ کے انسان پیدا کیے ہیں۔ انتہائی شاطر اور بے حد احمق بھی ہر جا دیکھنے کو مل جاتے ہیں' کہا جاتا ہے' اس دنیا میں اکثریت بے وقوفوں کی پائی جاتی ہے' جنہیں اقلیت میں موجود کائیاں اور موقع پرست لوگ اپنی انگلیوں پر نچاتے رہتے ہیں۔

میں سردست اس نخچو ٹائپ عبدالباقی کے لیے اس سے زیادہ اور کیا کرسکتا تھا۔ اگر وہ ہمت پکڑ لیتا تو شاید کچھ بات بن جاتی۔

☆......☆......☆

دوسرے روز میں نے فرصت کے لمحات میں شیخ باقر کو فون کیا۔ ہمارے درمیان رسمی علیک سلیک ہوئی' پھر باقر نے پوچھا ''بیگ صاحب! میں نے آپ کے پاس ایک بیچارے کو بھیجا تھا۔ کیا وہ آپ سے ملنے آیا تھا؟''

''اس بیچارے سے مراد آپ کی عبدالباقی تو نہیں؟'' میں نے استفسار کیا۔

''ہاں وہی'' شیخ باقر نے جلدی سے کہا ''بدبخت بہت پریشان تھا۔''

میں نے کہا ''شیخ صاحب! عبدالباقی کے لیے آپ نے ''بے چارے'' کا جو انتخاب کیا ہے وہ مجھے بہت پسند آیا۔ اس لحاظ سے وہ واقعی اسم بامسمی ہے۔ آپ کو تو اس نے بتایا ہی ہوگا' وہ کس قسم کی پریشانی میں گھرا ہوا ہے؟''

وہ تامل کرتے ہوئے بولا ''بیگ صاحب! اس نے مجھے اپنی پریشانی کی تفصیل تو نہیں بتائی' البتہ وہ جس شخص کے ساتھ میرے پاس آیا تھا' اس کی زبانی مجھے معلوم ہوا تھا' عبدالباقی کے ساتھ کسی عورت نے فراڈ کیا ہے۔''

شیخ باقر کی گفتگو سے میں نے اندازہ لگایا کہ وہ فاخرہ والے فراڈ کی حقیقت سے آگاہ نہیں۔ تصدیق کے لیے جب میں نے اس سلسلے میں اس سے استفسار کیا تو اس کے جواب نے میرے اندازے کی توثیق کردی۔

میں نے جواباً شیخ باقر کو عبدالباقی کے ساتھ ہونے والے فراڈ کی جزئیات سے آگاہ کردیا۔ پوری بات سننے کے بعد اس نے سٹپٹائے ہوئے انداز میں کہا ''گدھے کے بچے نے مجھے اس بارے میں تو کچھ نہیں بتایا۔ وہ بیچارہ ہی نہیں' بلکہ عقل کا مارا بھی ہے۔''

''بالکل درست فرمایا آپ نے'' میں نے تائیدی انداز میں کہا ''وہ شخص اپنی بیوقوفی سے پیشہ ورفراڈیا عورت کے چنگل میں جا پھنسا ہے۔''

شیخ باقر نے کہا ''بیگ صاحب! اس سلسلے میں آپ اس کی جو مدد کرسکتے ہیں' وہ کریں۔ اگر اس کی رقم یا رقم کا کچھ حصہ بھی واپس مل جائے تو عبدالباقی کے ساتھ بہت بڑی نیکی ہوگی۔ اللہ آپ کو اس کا اجر دے گا۔''

دیکھیں شیخ صاحب! آپ میرے دیرینہ اور بے تکلف دوست ہیں۔'' میں نے بڑے واضح انداز میں عبدالباقی کی پوزیشن کو ظاہر کرتے ہوئے کہا ''موجودہ صورتحال میں یہ بیوقوف شخص قانونی طور پر بہت ہی کمزور پوزیشن میں ہے۔ اس کے پاس ایسا کوئی ثبوت نہیں' جسے عدالت میں پیش کرکے یہ ثابت کیا جاسکے کہ فاخرہ بیگم نے مختلف مواقع پر اشیاء اور نقدی یا قرض کی شکل میں عبدالباقی سے لگ بھگ بیس ہزار روپے لیے ہیں' اس وعدے پر کہ وہ اپنی مطلقہ بیٹی مینا کو اس کے عقد میں دے دی گی۔ لہٰذا عدالت کی مدد سے اس رقم کی واپسی کے امکانات بہت معدوم ہیں۔ اس سلسلے میں مجھے چند دیگر ہتھکنڈے آزمانا ہوں گے۔''

''میں بھی اسی بارے میں سوچ رہا تھا۔'' شیخ باقر نے تائید کرتے ہوئے کہا ''یہ ضروری نہیں ہے کہ اس مقدمے کو عدالت میں ہی لگایا جائے' آپ ماشاء اللہ بہت ہنرمند اور تجربہ کار وکیل ہیں۔ میں آپ کے چند ایسے کامیاب مقدمات سے واقف ہوں' جو آپ نے عدالت سے رجوع کیے بغیر ہی جیت لیے تھے یعنی اپنے موکل کو اس کا حق دلا دیا تھا۔ عبدالباقی کے سلسلے میں بھی کسی ایسی ہی حکمت عملی سے کام لیں۔''

''ہاں' کچھ اسی نوعیت کے حربے استعمال کرنا ہوں گے'' میں نے کہا ''اگر عبدالباقی نے تعاون کیا اور میری ہدایات پر من وعن عمل کرتا رہا تو انشاء اللہ بہتری کی کوئی صورت نکل ہی آئے گی۔''

''انشاءاللہ..... مجھے آپ پر کامل بھروسہ ہے۔'' شیخ باقر نے تیقن سے کہا۔
دوچار مزید باتوں کے بعد میں نے ریسیور کو کریڈل کردیا۔

☆.....☆.....☆

عبدالباقی میرے دفتر میں داخل ہوا تو خاصا خوش تھا۔

یہ ہماری دوسری ملاقات تھی۔ پہلی ملاقات میں وہ زیادہ وقت رنجیدہ اور ملول رہا تھا' لیکن اس وقت اس کے چہرے پر ایک انجانی سی مسرت پھوٹ رہی تھی۔ میں نے ایک بات خاص طور پر نوٹ کی کہ کیفیت غم کی ہو یا خوشی کی' عبدالباقی کی حماقت مآبی میں ذرہ بھر فرق نہیں آیا تھا۔

وہ کرسی کھینچ کر میرے سامنے بیٹھ چکا تو میں نے رسمی حال چال کے بعد اس کی غیرمتوقع خوشی کے بارے میں دریافت کیا۔

وہ جذباتی لہجے میں بولا ''وکیل صاحب! آپ کی ترکیب تو بہت کام کی نکلی۔ مجھے امید نہیں تھی' فاخرہ بیگم ایسے خوشگوار رویّے کا مظاہرہ کرے گی۔''

''کیا ہوگیا بھئی! ذرا تفصیل سے بتاؤ؟'' میں نے حیرت کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔

وہ بتانے لگا ''بیگ صاحب! میں نے اس دن آپ کے دفتر سے جاتے ہی فاخرہ بیگم کو اپنے گھر بلالیا اور آپ کی ہدایت کے مطابق میں نے اسے تڑی دے دی۔''

آخری جملہ ادا کرتے ہوئے اس نے فخریہ انداز میں اپنے مختصر اور نحیف سینے کو پھلانے کی ناکام کوشش کی۔ اس کوشش کے نتیجے کو یہاں رقم کرنے کی ضرورت نہیں' ذہین قارئین نتائج سے آگاہ ہوچکے ہوں گے۔

میں نے عبدالباقی کی جذباتی جسارت پر بہ مشکل اپنی ہنسی کو روکا اور چہرے پر مصنوعی سنجیدگی طاری کرتے ہوئے پوچھا ''کیا واقعی تم نے فاخرہ بیگم کو تڑی دی تھی؟''

''جناب! میں جھوٹ کیوں بولوں گا؟'' وہ آنکھیں سکیڑتے ہوئے بولا ''اور آپ یقین کریں' فاخرہ میری دھمکی سے بہت خوفزدہ ہوگئی تھی۔''

''اس خوفزدگی کے عالم میں اس نے کیا کیا؟''

وہ بولا ''فاخرہ بیگم نے بہت نرمی سے پیار بھرے انداز میں مجھے یہ سمجھانے کی کوشش کی ہے کہ میں ٹی وی' ٹیپ ریکارڈر' زیورات اور دیگر سامان کو تو بھول جاؤں۔ وہ سب استعمال کی اشیاء تھیں' استعمال میں آگئیں یعنی استعمال ہورہی ہیں۔ البتہ بطور قرض لیے ہوئے پانچ ہزار روپے وہ دو ماہ کے اندر مجھے واپس کردے گی۔ اس رقم کے لیے وہ باقاعدہ مجھے لکھ کر دینے کو تیار ہے۔''

فاخرہ بیگم کی اس وقتی لچک میں مجھے کسی گہری سازش کی جھلک نظر آئی۔ میں نے عبدالباقی سے پوچھا ''پھر تم نے اس کی تجویز کے جواب میں کیا کہا؟''

''میں تو آپ کی ہدایت کے مطابق اپنے مطالبے پر ڈٹا رہا۔'' وہ پُرجوش انداز میں گویا ہوا ''میں نے فاخرہ بیگم پر واضح کردیا کہ مجھے پورے بیس ہزار روپے چاہئیں۔ اگر وہ استعمال شدہ سامان

واپس کرنا چاہے گی تو میں اس پر بھی تیار نہیں ہوں گا۔ مجھے تو میری خرچ کی ہوئی کل رقم چاہیے' بصورت دیگر میں اس کے خلاف قانونی چارہ جوئی کروں گا۔''

''پھر فاخرہ بیگم نے کیا جواب دیا؟'' میں نے سوال کیا۔

''وہ کافی سوچ بچار کے بعد میرے مطالبے کے دوسرے حصے پر نیم آمادہ ہوگئی ہے۔'' اس نے بتایا'' میں نے دوٹوک انداز میں اس سے کہا تھا' میری رقم کی واپسی یا پھر مینا سے شادی۔ اس کے سوا مصالحت کی اور کوئی صورت نہیں۔''

میں نے اس کے چہرے پر نگاہ جماتے ہوئے کہا'' گویا وہ مینا سے تمہاری شادی کے لیے تیار ہوگئی ہے' لیکن یہ بات سمجھ میں نہیں آئی کہ نیم آمادگی سے تمہاری کیا مراد ہے؟''

''فاخرہ بیگم نے کہا ہے' میں اسے ایک ہفتے کی مہلت دوں۔ اس دوران میں وہ اپنی بیٹی کو سمجھانے کی کوشش کرے گی۔ وہ مینا کو قائل کرے گی کہ مجھ سے زیادہ موزوں اور مناسب شوہر اسے کہیں نہیں ملے گا۔ میں ان کا دیکھا بھالا ہوں۔ نیک اور شریف انسان ہوں۔ کسی عیب فعل میں ملوث نہیں۔ گھر' فیکٹری اور مسجد کے سوا کہیں میرا آنا جانا نہیں اور سب سے بڑی بات یہ تھی کہ کوئی آگے پیچھے نہیں' میں اس دنیا میں اکیلا ہوں۔ مینا کے لیے ساس اور نندوں کا بکھیڑا بھی نہیں ہوگا۔ وہ میری بیوی بن کر ساری زندگی راج کرے گی۔'' وہ سانس لینے کے لیے رُکا پھر بات کو جاری رکھتے ہوئے بولا'' بیگ صاحب! مجھے امید ہے' فاخرہ بیگم اپنی بیٹی کو سمجھانے میں کامیاب ہو جائے گی۔ اتنی خوبیوں کا مالک واقعی اسے کہیں نہیں ملے گا۔''

''گویا تم نے فاخرہ بیگم کی تجویز سے اتفاق کرلیا ہے؟''

''ایک ہفتے ہی کی تو بات ہے!'' وہ اصراری لہجے میں بولا'' اگر فاخرہ بیگم مینا کو مجھ سے شادی کے لیے تیار کرلیتی ہے' تو اس سے اچھی بات اور کیا ہوسکتی ہے؟''

اس کے چہرے سے ہویدا چور جذبات میری نگاہ میں آئے بغیر نہ رہ سکے۔ میں نے زیرلب مسکراتے ہوئے کہا'' لگتا ہے' مینا سے تمہارا کوئی دل کا معاملہ ہوگیا ہے!''

وہ شرم وحیا میں مشرقی عورت کو کوسوں پیچھے چھوڑتے ہوئے بولا'' ہاں بیگ صاحب! میں نے اتنی خوبصورت لڑکی اپنی زندگی میں پہلے کبھی اور کہیں نہیں دیکھی۔ یہ ٹھیک ہے' میری پہلی بیوی فریدہ بھی کسی سے کم نہیں تھی' لیکن مینا کا کوئی جواب ہے اور نہ ہی مدمقابل..... میں اس لڑکی کی خاطر بڑی سے بڑی قربانی دینے کو تیار ہوں۔''

میں نے محسوس کیا' وہ مینا کی طلب میں اندھا ہوا جا رہا تھا۔ یہ صورتحال اس کے'' کیس'' کے لیے خطرناک اور نقصان دہ ثابت ہوسکتی تھی۔ میں نے اس سے پوچھا۔

''عبدالباقی! اگر فاخرہ بیگم مینا کو اس بات پر آمادہ کرنے میں کامیاب ہو جاتی ہے کہ وہ تم

سے شادی کرلے تو اس صورت میں تمہیں اپنے بیس ہزار روپے پر فاتحہ پڑھنا ہوگی۔ کیا تم اپنا نقصان برداشت کرلو گے؟''

''مینا کے حصول کے لیے مجھے کسی نقصان کی پروا نہیں۔'' وہ خاصا جذباتی ہو رہا تھا۔

میں نے کہا'' تمہیں پروا نہیں' لیکن مجھے ہے۔''

وہ چونک کر حیرت سے مجھے تکنے لگا۔

مجھے نوے فیصد یقین تھا کہ فاخرہ بیگم نے کوئی نئی چال چلنے کے لیے اس سے مینا کو آمادہ کرنے کی کوشش والی بات کی تھی' ورنہ وہ اس نوعیت کا کوئی ارادہ نہیں رکھتی تھی۔ اس نے بڑی بیٹی بینا کو بھی گھر بٹھا رکھا تھا۔ پتا نہیں' بینا کے شوہر سے ان کے کیا اختلافات تھے' لیکن میں جہاں تک فاخرہ بیگم اینڈ کمپنی کو سمجھ پایا تھا' اس قسم اور ٹائپ کے لوگ'' مال'' دکھا کر کاروبار کرتے ہیں۔ ان کے ہاں مال کی'' ڈلیوری'' کا کوئی تصور نہیں ہوتا۔ آنکھیں بند کرکے بلا سوچے سمجھے'' ادائی'' کرنے والے عبدالباقی جیسے گاہکوں کی اس دنیا میں کوئی کمی نہیں۔

عبدالباقی متعجب انداز میں آنکھیں سکیڑ کر مجھے دیکھ رہا تھا۔ میں نے اس کے دماغ کے کیڑے جھاڑتے ہوئے کہا'' دیکھو میاں! تمہیں شیخ صاحب نے میرے پاس بھیجا ہے۔ میں شیخ صاحب سے اپنے دیرینہ مراسم کی وجہ سے تمہاری بھلائی چاہتا ہوں۔ تم جذباتی ہو رہے ہو اور مینا کو پانے کے لیے بڑے سے بڑا نقصان برداشت کرنے کو تیار ہو' لیکن مجھے نہیں امید کہ فاخرہ بیگم ایک ہفتے میں ایک ماہ میں یا ایک سال میں بھی مینا کو تم سے شادی کے لیے تیار کرپائے۔ اس نے تمہاری قانونی کارروائی والی بات سے پریشان ہوکر یہ چال چلی ہے۔ اس طرح کم از کم ایک ہفتے تک تم خاموش ہو بیٹھو گے اور اس دوران میں وہ سوچ لے گی کہ آئندہ تمہیں کس طرح ہینڈل کرنا ہے۔''

''تو آپ کا خیال ہے کہ وہ مینا کو میری جانب راغب کرنے کی کوشش بھی نہیں کرے گی؟'' وہ مایوسی سے بولا۔

''میں نے کہا'' ہاں' غالب امکان تو اسی بات کا ہے ورنہ تم خود سوچو' وہ اپنی بائیس سالہ بیٹی کو چوّن پچپن سالہ شخص کے ساتھ کیوں بیاہ دے گی؟''

میں نے محسوس کیا' چوّن اور پچپن کے الفاظ نے اسے تکلیف پہنچائی تھی۔ میرے بات کرنے کا مقصد اس کی دل آزاری نہیں تھا' بلکہ میں تو اس عقل کے اندھے کو حقیقت حال سے آگاہ کر رہا تھا۔ اس نے خفگی آمیز لہجے میں کہا۔

''یہ ٹھیک ہے' میں عمر میں مینا سے بہت بڑا ہوں' بلکہ دوگنا سے بھی زیادہ ہوں' لیکن یہ بھی تو دیکھیں کہ میرے ساتھ کیا کیا'' ایڈوانٹیج'' لگے ہوئے ہیں۔ میں مینا سے شدید محبت بھی کرتا ہوں۔''

''مگر مینا کی ماں فاخرہ بیگم تمہاری اس محبت کو نہیں سمجھتی۔'' میں نے قدرے سخت لہجے میں کہا

''وہ تو تم سے سراسر تجارت کر رہی ہے اور وہ بھی یکطرفہ!''

اس کا منہ بن گیا۔ کندھے اچکاتے ہوئے بولا ''بیگ صاحب! مجھ سے زیادہ اچھا داماد فاخرہ بیگم کو کہیں نہیں ملے گا' خاص طور پر اس صورت میں بھی کہ مینا ایک طلاق یافتہ لڑکی ہے۔''

مینا کی ''ایک ماہ کی شادی'' کا وہ پہلے ہی ذکر کر چکا تھا اور قصوروار اس نے مینا کے شوہر کو ٹھہرایا تھا۔ ایک لمحے کے لیے میرے ذہن میں یہ خیال آیا کہ ممکن ہے' مینا کی طلاق والی بات فاخرہ بیگم ہی کا کوئی پروپیگنڈا ہو۔ اسی حوالے سے میں نے عبدالباقی سے پوچھا۔

''تمہارے پاس اس بات کا کیا ثبوت ہے کہ مینا کی طلاق کی وہی وجہ ہے' جو تمہیں بتائی گئی ہے؟''

''ثبوت تو کوئی نہیں ہے میرے پاس!'' وہ الجھن زدہ نظر سے مجھے دیکھنے لگا۔

میں نے پوچھا ''کیا تم بتا سکتے ہو کہ فاخرہ بیگم نے اپنی بڑی بیٹی کو گھر میں کیوں بٹھا رکھا ہے؟''

''بینا کے شوہر عنایت اللہ سے ان کے کچھ اختلافات ہیں۔'' اس نے بتایا۔

''ان اختلافات کی نوعیت کیا ہے؟'' میں نے پوچھا۔

''یہ تو مجھے معلوم نہیں۔'' وہ بے بسی سے بولا۔

''عبدالباقی!'' میں گمبھیر انداز میں اسے مخاطب کرتے ہوئے بولا ''میں تمہارے دلی جذبات کو اچھی طرح سمجھ رہا ہوں۔ تم مینا سے محبت کرنے لگے ہو اور اس کو حاصل کرنے کے لیے سب کچھ قربان کرنے کو تیار ہو' لیکن ایک وکیل ہونے کے ناتے میں تمہیں یہ بتانا ضروری سمجھتا ہوں کہ دوسری جانب وہ سنجیدگی اور انوالومنٹ مجھے نظر نہیں آتی' جس کا مظاہرہ تمہاری طرف سے کیا جا رہا ہے۔ بہر حال.....!'' میں نے چند لمحے توقف کیا اور بات کو مکمل کرتے ہوئے کہا ''.....اس ایک ہفتے کو بھی دیکھ لیتے ہیں۔ میری دعا ہے' تمہاری مراد بر آئے۔''

''خدا آپ کی زبان مبارک کرے۔ آمین!'' وہ خوشی سے پھول کر کپا ہو گیا۔

میں نے ایک امکان کے پیش نظر پوچھا ''عبدالباقی! خداداد کالونی میں گھر تمہارا اپنا ہے یا کرائے کا؟''

''الحمدللہ اپنا ہے جناب!'' اس نے بتایا ''والد صاحب کا تو بچپن ہی میں انتقال ہو گیا تھا۔ والدہ نے اس گھر کو سنبھال رکھا اور ان کی وفات کے بعد اب میرے پاس ہے۔ بہت چھوٹا سا گھر ہے' لیکن خوشی اس بات کی ہے کہ یہ ذاتی ہے۔''

''ہاں! واقعی اپنا گھر ہونا بھی بہت بڑی نعمت ہے۔'' میں نے کہا' پھر پوچھا ''فاخرہ بیگم تمہاری پڑوسن کا بھی ذاتی گھر ہوگا؟''

وہ نفی میں گردن ہلاتے ہوئے بولا ''نہیں جناب! وہ کرایہ دار ہیں اور انہیں ہماری کالونی میں آئے ہوئے زیادہ عرصہ بھی نہیں ہوا۔''

میں نے اسی خدشے کے تحت عبدالباقی سے رہائش کے متعلق سوال کیا تھا۔ اگر فاخرہ بیگم اینڈ کمپنی اناڑی قسم کے ''کاروباری'' تھے' تو اس ایک ہفتے کی مہلت میں وہ ٹھکانا بھی بدل سکتے تھے' یا اس نیت سے مہلت میں مزید اضافہ کی درخواست کر سکتے تھے۔

میں نے عبدالباقی سے پوچھا ''کیا مینا کی شادی تمہارے سامنے ہوئی تھی؟''

''نہیں' وہ مینا کی طلاق کے بعد یہاں آئے ہیں۔'' اس نے بتایا ''پہلے وہ لانڈھی میں رہتے تھے۔ مینا کا ''نالائق'' شوہر اشفاق بھی لانڈھی ہی کا رہنے والا تھا۔

عبدالباقی کے جواب نے میرے اس شک کو تقویت دی کہ مینا کی شادی' طلاق اور طلاق کی وجوہات کسی پروپیگنڈے سے زیادہ اہمیت کی حامل نہیں۔ شکار پھانسنے کے لیے اس قسم کے چھل فریب اور ہمدردی سمیٹنے والی داستانیں گھڑ لی جاتی ہیں اور خاص طور پر اگر ''شکار'' عمر رسیدہ اور صحت گزیدہ ہو تو پھر یہ طریقہ واردات سونے پر سہاگا ثابت ہوتا ہے۔

''مسٹر عبدالباقی!'' میں نے اپنے سامنے بیٹھے ہوئے ایک عاشق ناشاد اور برباد شخص کو مخاطب کیا ''تمہیں فاخرہ بیگم پر خصوصی نگاہ رکھنا ہوگی۔ وہ اچانک رفو چکر بھی ہو سکتے ہیں۔''

''مگر وہ لوگ ایسے نظر نہیں آتے!'' اس کی آنکھوں میں حیرت تیر گئی۔

''اسی لیے تو کہہ رہا ہوں۔'' میں نے ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے کہا ''جو لوگ ایسے نظر آتے ہیں' ان کی طرف سے فکرمندی والی کوئی بات نہیں ہوتی۔ خطرناک وہی ثابت ہوتے ہیں' جو ایسے دکھائی نہیں دیتے۔''

پتا نہیں' اس کی سمجھ میں میری بات آئی کہ نہیں' تاہم وہ پرمعنی انداز میں گردن کو جھٹکنے لگا۔ گردن کی حرکت اثباتی تھی' اس لیے میں مطمئن ہو گیا۔

☆☆☆☆

چند روز بعد عبدالباقی ایک مرتبہ پھر میرے سامنے بیٹھا ہوا تھا۔ اس وقت اس کے چہرے پر بارہ بج رہے تھے۔ میں نے اس کی خیر خیریت دریافت کی تو وہ شکستہ لہجے میں بولا۔

''بیگ صاحب! بڑی گڑبڑ ہو گئی ہے۔''

''کیسی گڑبڑ؟'' میں نے اس کی جانب توجہ مبذول کرتے ہوئے کہا ''کیا فاخرہ بیگم نے کوئی نیا پینترا مارا ہے؟''

''فاخرہ بیگم بیچاری کا کوئی قصور نہیں۔'' وہ روہانسا ہو رہا تھا ''وہ تو اپنی بیٹی کو میرے حق میں ہموار کر رہی تھی۔ مینا ہی نے ایک ایسی چال چلی ہے کہ سب کے ہاتھ پاؤں پھولے ہوئے ہیں۔ سمجھ

میں نہیں آتا' کیا کریں اور کیا نہ کریں۔''

اس کی غیر واضح باتوں سے مجھے الجھن ہونے لگی۔ میں نے جھنجلاہٹ آمیز انداز میں کہا۔

''مینا نے ایسا کیا کر دیا ہے۔ کہیں خدانخواستہ اس نے خودکشی تو نہیں کر لی؟''

''اگر وہ خودکشی کر لیتی تو اچھا تھا۔'' وہ برا سا منہ بنا کر بولا ''اس نے تو خاندان کی ناک کٹوا دی۔ کسی کے ساتھ بھاگ گئی ہے وہ!''

''کس کے ساتھ؟'' بے ساختہ میرے منہ سے نکلا۔

''یہی تو پتا نہیں چل رہا۔'' اس نے گہرے رنج کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔

میرے استفسار پر اس نے بتایا کہ ایک روز قبل مینا گھر سے چلی گئی تھی۔ رات کو وہ ٹھیک ٹھاک سوئی تھی' مگر دوسری صبح غائب ہوگئی۔ فاخرہ بیگم کو یقین تھا کہ وہ کسی لڑکے یا مرد کے ساتھ گئی تھی۔ وہ مینا کے اس فعل کا ذمہ دار عبدالباقی کو ٹھہرا رہی تھی۔ فاخرہ کے مطابق جب سے اس نے مینا پر عبدالباقی سے شادی کا دباؤ ڈالنا شروع کیا تھا' وہ اپنی ماں سے ناراض اور بے تعلق رہنے لگی تھی۔ ''فرار'' ہونے سے دو روز قبل تو مینا نے ماں سے بات چیت بھی بند کر دی تھی اور خاموش و بجھی بجھی سی رہنے لگی تھی۔ اس تفصیل کے اختتام پر عبدالباقی نے مجھ سے کہا۔

''بیگ صاحب! فاخرہ بیگم کے گھرانے پر تو قیامت ٹوٹ پڑی ہے۔ جوان لڑکی کا گھر سے فرار ہو جانا بہت شرمندگی کی بات ہے۔ اس صورتحال میں' میں فاخرہ بیگم سے کیا کہوں۔ مینا تو رہی نہیں' اس لیے شادی کے امکانات تو خود بخود ختم ہوگئے' باقی رہ گئے بیس ہزار روپے تو مصیبت کی ان گھڑیوں میں فاخرہ بیگم سے تقاضا کرتا میں اچھا لگوں گا کیا؟''

مجھے عبدالباقی کی احمقانہ گفتگو پر غصہ تو بہت آیا' تاہم میں نے اس غصے کا اظہار کرنے کے بجائے قدرے سخت لہجے میں دریافت کیا۔

''بیس ہزار کی رقم جو ڈوب چکی ہے یا ڈوبنے والی ہے' وہ تمہاری ہے یا میری؟''

''ظاہر ہے' وہ رقم میری ہے جناب!''

''اس رقم کو بچانے کا درد میرے دل میں اٹھا تھا یا تمہارے پیٹ میں؟'' میں نے اپنے انداز کو برقرار رکھتے ہوئے کہا ''رقم کی واپسی کے لیے تم میرے پاس آئے تھے یا میں تمہارے پاس پہنچا تھا؟''

وہ متذبذب لہجے میں بولا ''میں ہی چل کر آپ کے پاس آیا تھا بیگ صاحب!''

''ٹھیک ہے عبدالباقی!'' میں نے ایک طویل سانس خارج کرتے ہوئے کہا ''تمہارے نزدیک فاخرہ بیگم اس وقت بے اندازہ مصائب کا شکار ہے۔ تم اس سے رقم کا مطالبہ نہیں کر سکتے اور نہ ہی مینا سے تمہاری شادی ہونا ممکن رہا ہے' کیونکہ بقول تمہارے' وہ پنجرے سے اڑ گئی ہے۔''

میں نے چند لمحات کے توقف کے بعد کہنا شروع کیا ''عبدالباقی! اگر تمہارے دل میں فاخرہ بیگم اور اس کے خاندان کے لیے ہمدردی کے اتنے ہی جذبات موجود ہیں' تو پھر اپنے بیس ہزار روپے کو بھول جاؤ اور واپس گھر جا کر ان کے ''غم'' میں برابر کے شریک ہو جاؤ۔ تمہیں یہاں میرے پاس آنے کی قطعاً کوئی ضرورت نہیں۔''

اس کا چہرہ اتر گیا۔ وہ چند لمحات تک مایوس آمیز نظر سے مجھے دیکھتا رہا' مگر منہ سے کچھ نہ بولا۔ میں بھی خفگی سے اسے گھورتا رہا۔ تھوڑی ہی دیر بعد وہ معذرت خواہانہ انداز میں بولا۔

''بیگ صاحب! لگتا ہے' آپ مجھ سے ناراض ہوگئے ہیں۔''

''لگتا ہے نہیں' بلکہ مجھے واقعی اس وقت تم پر سخت غصہ آرہا ہے۔'' میں نے کہا۔

''لیکن اس میں میری کیا غلطی ہے؟''

''تمہاری غلطی اوّل آخر بس اتنی سی ہے کہ تم ایک بیوقوف اور کانوں کے کچے شخص ہو۔'' میں نے لگی لپٹی ایک طرف رکھتے ہوئے کہا ''فاخرہ بیگم بڑی خوبصورتی اور مہارت سے تمہیں اُلو بنا رہی ہے اور تم ہو کہ اُلو کیا' ہر نوع کا جانور بننے کے لیے ہمہ وقت تیار ہو۔''

مجھے اس بات کی قطعاً کوئی پروا نہیں تھی کہ اسے میری یہ تلخ اور ترش مبنی برحقیقت باتیں اچھی لگیں یا بری' نادان دوست کی بہ نسبت' دانا دشمن زیادہ اچھا ہوتا ہے۔ اگر میری باتیں سن کر عبدالباقی میرے پاس باقی نہ رہتا تو یہ اس کے لیے اور خود میرے لیے بھی اچھا ہی تھا۔ اس کی حماقتوں سے اب مجھے کوفت ہونے لگی تھی۔

مجھے مسلسل گھورتا دیکھ کر اس نے ہچکچاہٹ آمیز انداز میں کہا ''بیگ صاحب! ویسے یہ تو سچ ہے' مینا گھر میں نظر نہیں آرہی۔ وہ گئی تو ہے!''

''لیکن کیا ضروری ہے' کوئی اسے بھگا کر ہی لے گیا ہو؟''

''تو پھر وہ کہاں جا سکتی ہے؟'' اس نے چونک کر مجھے دیکھا۔

میں نے کہا ''ممکن ہے' فاخرہ بیگم نے اسے منظر سے ہٹانے کے لیے کسی عزیز یا رشتہ دار کے یہاں بھیج دیا ہو۔'' وہ ہونقوں کے مانند منہ کھول کر میرا منہ دیکھ رہا تھا۔ میں نے مزید کہا ''فاخرہ بیگم کا کہنا ہے کہ مینا کسی کے ساتھ بھاگ گئی ہے۔ کس کے ساتھ؟ کیا تم یہ جاننے کی کوشش کرو گے؟''

''میں یہ کوشش کس طرح کر سکتا ہوں جناب!'' وہ دیدے گھماتے ہوئے بولا ''خداداد کالونی تو بہت بڑی ہے۔ اگر کالونی میں سے کوئی ایک شخص غائب ہوگا تو میں اس کا پتہ نہیں چلا سکتا۔''

میں نے پوچھا ''فاخرہ بیگم اس سلسلے میں کسی کو موردِ الزام تو ٹھہرا رہی ہوگی؟''

''ابھی تک اس نے کسی شخص کا نام تو نہیں لیا۔''

''نام لیا ہے'' میں نے لتاڑنے والے انداز میں کہا۔ ''تم نے بتایا تو ہے' وہ مینا کے فرار کا

ذمہ دار تمہیں گردان رہی ہے۔ تمہاری خاطر اس نے اپنی بیٹی پر دباؤ ڈالا اور وہ اس دباؤ سے دب کر سلپ ہو گئی۔ میں غلط کہہ رہا ہوں؟"

وہ میرے طنزیہ انداز کو سمجھ گیا۔ ٹھیک ہے' وہ احمق تھا مگر اتنا بھی نہیں کہ واضح طنزیہ جملوں کو محسوس نہ کر سکے۔ اس کی زود حسی میں تو کوئی کلام نہیں تھا۔ اس نے بیمار بکرے کی مانند گردن ڈال دی۔ یہ اس کی جانب سے ندامت کا بڑا معصومانہ اظہار تھا۔

میں نے چند لمحے کے توقف سے سمجھانے والے انداز میں کہا "عبدالباقی! غور سے بات سنو اور اسے دھیان میں جمانے کی کوشش کرو۔ میرے تجزیے کے مطابق' فاخرہ بیگم گزشتہ ایک سال سے مختلف حیلوں بہانوں اور وعدوں بہلاؤں سے تمہیں خرچ کر رہی ہے اور یہ سلسلہ ہنوز جاری ہے۔ اگر تم نے اب بھی آنکھیں نہیں کھولیں' تو میں تمہاری کوئی مدد نہیں کر سکوں گا۔"

"مجھے مشورہ دیں' میں کیا کروں؟"

"تم خود کو فاخرہ بیگم کے ٹرانس سے نکالنے کی کوشش کرو۔" میں نے گہری سنجیدگی سے کہا "اس نے کبھی بھول کر بھی نہیں سوچا ہوگا کہ مینا کی شادی تم سے کرے گی۔ تم سے مال نکلوانے کے لیے وہ تمہیں تسلی دلاسا دیتی رہی اور آخر کار جب تم نے اپنی رقم کی وصولی کے لیے اسے قانونی چارہ جوئی کی دھمکی دی تو اس نے مینا کے فرار کا ڈرامہ رچا کر تمہاری ہمدردی سمیٹ لی۔ تم اپنے مطالبے کو بھول کر اسی کی زبان بولنے لگے ہو۔ مجھے یقین ہے' فاخرہ بیگم نے خود ہی مینا کو کہیں بھیج دیا ہے۔"

"وہ چند لمحے سوچنے کے بعد بولا "اگر ایسا ہی ہے تو ان حالات میں مجھے کیا کرنا چاہئے؟"

"تمہیں کچھ بتاؤں تو اس صورت میں کہ تم میرے مشورے پر عمل تو کرو!" میں نے شکایتی لہجے میں کہا "اس وقت تو تم پوری طرح فاخرہ بیگم کی مٹھی میں ہو۔"

وہ شرمندہ نظر سے مجھے دیکھتے ہوئے بولا "بیگ صاحب! مجھے اپنی غلطی کا احساس ہو گیا ہے۔"

"کیا واقعی.....اتنی جلدی؟" میں نے بے یقینی سے کہا۔

"ہاں بیگ صاحب! میں مینا کی محبت میں اندھا ہو گیا تھا۔" وہ گہری سنجیدگی سے بولا "آپ نے میری آنکھیں کھول دی ہیں۔ میں جذباتی انداز میں سوچ رہا تھا۔ آپ کی باتوں نے مجھے احساس دلایا ہے کہ سراسر غلطی میری تھی۔ فاخرہ بیگم میری کمزوری سے فائدہ اٹھا رہی تھی' لیکن اب میں اس کے کسی فریب میں نہیں آؤں گا۔"

"خدا کرے' ایسا ہی ہو!" میں نے بے ساختہ کہا۔

وہ پوچھنے لگا "وکیل صاحب! اب آپ مجھے کیا مشورہ دیتے ہیں؟"

"فی الحال تم اپنی آنکھیں کھلی رکھو۔" میں نے اس کے عزم کو دیکھتے ہوئے کہا "اگر واقعی تم

نے فاخرہ بیگم کے جال کو توڑنے کا فیصلہ کیا ہے' تو تمہاری کامیابی کے امکانات روشن ہیں۔"

وہ کسی رٹو طوطے کے مانند سر کو اثباتی جنبش دینے لگا۔ میں نے مزید کہا "تمہیں اپنے طور پر یہ معلوم کرنے کی کوشش کرنا ہے کہ مینا کو فاخرہ بیگم نے کہاں بھیجا یا چھپایا ہے۔ اس دوران میں' میں فاخرہ بیگم اینڈ کمپنی کے خلاف کسی قسم کی کارروائی کے بارے میں سوچتا ہوں۔ تمہیں جیسے ہی کوئی اہم بات پتہ چلے فوراً مجھے آ کر بتانا۔ تم اپنے پڑوس کی نگرانی کے لیے ضروری سمجھو تو چند یوم کی چھٹی بھی لے لو۔"

"ہاں' یہ ٹھیک ہے۔" وہ تائیدی انداز میں بولا "میں کل ہی فیکٹری سے کچھ دنوں کی چھٹی لے لیتا ہوں۔"

میں نے عبدالباقی کو چند ہدایت مزید سے نوازا اور وہ میرا شکریہ ادا کرتا ہوا دفتر سے رخصت ہو گیا۔

☆☆☆☆

آنے والے تین روز تک عبدالباقی مفقود الخبر رہا۔ میں سمجھ گیا' وہ اپنے "مہربان" پڑوسیوں کی نگرانی کا فریضہ انجام دے رہا ہوگا۔ میں نے اس کی ایسی ڈیوٹی لگا دی تھی کہ اگر وہ دیانتداری سے کام لیتا تو اسے سر کھجانے کی فرصت نہ ملتی۔ ابھی تک میں اس کی مدد کے لیے کوئی واضح لائحہ عمل تیار نہیں کر سکا تھا۔

چوتھے روز وہ میرے دفتر میں رکھا تھا۔

"بیگ صاحب! ایک مسئلہ کھڑا ہو گیا ہے۔" تمہید کا تکلف نہ کرتے ہوئے اس نے کہا۔

میں نے کچھ پوچھنے کے بجائے سوالیہ نظر سے اسے دیکھا۔

وہ بولا "فیکٹری والے مجھے بلا رہے ہیں۔ کل وہاں سے ایک آدمی آیا تھا۔ وہ میرے ساتھ ہی کام کرتا ہے۔ اس نے منیجر کا پیغام مجھ تک پہنچایا ہے۔ اگر کل سے میں فیکٹری نہ گیا' تو میری جگہ نیا بندہ رکھ لیا جائے گا۔"

"یہ تو تشویشناک صورتحال ہے۔" میں نے کہا "فاخرہ بیگم کی نگرانی کا کیا ہوگا؟"

"اس سلسلے میں' میں نے تسلی بخش بندوبست کر دیا ہے۔"

"وہ کیا بھئی؟" میں نے چونک کر اسے دیکھا۔

"میں کل شام میں غلام رسول صاحب سے ملا تھا۔"

عبدالباقی نے بتایا پھر وضاحت کرتے ہوئے بولا "غلام رسول اس مکان کے مالک ہیں' جہاں فاخرہ بیگم رہتی ہے۔ مجھے معلوم ہوا ہے' ان لوگوں نے غلام رسول کو خاصا مناسب ڈیپازٹ دے رکھا ہے۔ میں نے مالک مکان سے درخواست کی ہے کہ اگر فاخرہ بیگم مکان چھوڑنے کی کوئی

بات کرے تو وہ اسے ایڈوانس کی رقم واپس کرنے سے پہلے مجھے ضرور مطلع کر دے۔ میں نے انہیں بتایا ہے کہ میں نے فاخرہ بیگم سے کچھ رقم لینا ہے۔ جو اس نے مجھ سے ادھار لے رکھی ہے۔ غلام رسول صاحب بہت شریف اور ہمدرد انسان ہیں۔ وہ میرا مدعا پوری طرح سمجھ گئے ہیں اور اس سلسلے میں انہوں نے بھرپور تعاون کا یقین دلایا ہے۔''

''تم نے یہ تو بہت ہی اہم کام کیا ہے عبدالباقی۔'' میں نے سراہنے والے انداز میں کہا ''اب تم بے فکر ہو کر کل سے ڈیوٹی پر جا سکتے ہو۔ تمہاری ملازمت بھی نہیں چھوٹے گی اور فاخرہ بیگم بھی چپکے سے ''فرار'' ہونے میں کامیاب نہیں ہو سکے گی' بشرطیکہ تمہارے غلام رسول صاحب نے اپنے وعدے کے مطابق تم سے تعاون کیا۔''

''غلام رسول صاحب بہت نیک دل انسان ہیں۔'' وہ احترام بھرے انداز میں بولا ''پہلے وہ خود ہمارے پڑوس میں رہتے تھے' اب بھی ان کی رہائش خداداد کالونی ہی میں ہے' مگر وہ تھوڑے فاصلے پر' سوسائٹی آفس کے قریب رہتے ہیں۔ مجھے قوی امید ہے کہ ضرورت پڑنے پر وہ میری بھرپور مدد کریں گے۔''

میں نے عبدالباقی سے پوچھا ''فاخرہ بیگم کے گھر میں کل کتنے افراد رہتے ہیں؟''

''چند روز تک چار افراد تھے!'' اس نے ایک ٹھنڈی آہ بھرتے ہوئے کہا ''مینا' بینا' فاخرہ اور اس کا شوہر کمال الدین' لیکن اب تین رہ گئے ہیں۔ مینا گھر چھوڑ کر جا چکی ہے' لیکن آپ یہ بات کیوں پوچھ رہے ہیں؟''

میں نے کہا ''دراصل میں فاخرہ بیگم کو ایک نوٹس دینا چاہتا ہوں۔ سوچ رہا تھا' وہ نوٹس کس کے نام بھیجوں کہ زیادہ مؤثر رہے۔ کمال الدین کا نام پہلی مرتبہ منظر عام پر آیا ہے۔ کیا وہ بھی ''ماں بیٹی'' والی سازش میں شریک ہے؟''

''جناب! کمال الدین اس گھر میں بالکل مِس فٹ ہے۔'' عبدالباقی نے بتایا ''میں یقین سے کہہ سکتا ہوں' فاخرہ بیگم نے مجھ سے اینٹھی ہوئی رقم اور دیگر اشیاء کے بارے میں اسے کچھ نہیں بتایا ہوگا۔ میں نے کمال الدین کو گھر کے افراد سے زیادہ بات چیت کرتے ہوئے نہیں دیکھا۔''

میں نے پوچھا ''کمال الدین کن معنوں میں مِس فٹ ہے؟''

''بیگ صاحب! گھر میں اوّل آخر فاخرہ بیگم کا حکم چلتا ہے۔'' عبدالباقی نے بتایا ''کمال الدین دو سال پہلے سرکاری محکمے سے ریٹائر ہوا ہے۔ گھر میں وہ پہلے ہی ریٹائر تھا۔ اب وہ ڈبل ریٹائرمنٹ کی زندگی گزار رہا ہے۔ کوئی اس کی نہیں سنتا' اسے سب کی سننا پڑتی ہے۔ پتا نہیں' وہ سنتا بھی ہے یا سنی ان سنی کر کے یہ تاثر دیتا ہے کہ وہ بڑا صابر ہے۔ جب بیوی بچوں پر زور نہ چلے تو مرد دو کوڑی کا ہو کر رہ جاتا ہے۔ سو' کمال الدین بھی سارا دن گھر کے باہر گلی میں چارپائی ڈالے اپنی بے

توقیری کا جیتا جاگتا اشتہار بنا بیٹھا رہتا ہے۔ رات کو وہ اسی چارپائی کے ساتھ گھر کے اندرونی حصے میں ''شفٹ'' ہو جاتا ہے۔''

''پھر تو نوٹس فاخرہ بیگم کے نام ہی ارسال کرنا ہوگا۔'' میں نے پرخیال انداز میں کہا۔

عبدالباقی نے پوچھا ''آپ کس قسم کا نوٹس اسے بھیجنا چاہتے ہیں؟''

''ایسا نوٹس' جسے پڑھ کر اس کے ہاتھوں کے طوطے اڑ جائیں۔'' میں نے کہا ''وہ گلی گلی پکارتی پھرے.... طوطے ہمارے اڑ گئے کیا بولتے ہوئے۔''

''آپ کی باتوں سے مجھے بڑا حوصلہ مل رہا ہے بیگ صاحب!''

''تم حوصلہ پکڑو گے تو بات بنے گی۔''

وہ سینے کو پھلاتے ہوئے باچھیں کھول کر مسکرانے لگا۔ شاید وہ اس بے معنی مسکراہٹ سے اپنے حوصلہ مند ہونے کو ثابت کر رہا تھا۔

میں نے سنجیدہ لہجے میں کہا ''دیکھو عبدالباقی فاخرہ بیگم نوٹس وصول کرتے ہی سب سے پہلے تم سے رابطہ کرے گی۔ میں اس نوٹس کی مدد سے اس کے پاؤں کے نیچے سے زمین کھینچ لوں گا۔ وہ منہ کے بل تمہارے گھر میں آ کر گرے گی اور تم سے متعدد سوالات کرے گی' مگر تم نے سوالات کی بوچھاڑ سے نہیں بھیگنا۔ تم میرے موکل ہو اور میں تمہارا وکیل ہوں۔ یہ بات چوبیس گھنٹے' ساتوں دن' بارہ مہینے اور سالہا سال تمہارے ذہن میں نقش رہنا چاہئے۔ کیا سمجھے؟''

وہ بے ساختہ اثبات میں گردن جھٹکنے لگا' جس کا یہی مطلب نکالا جا سکتا تھا' سمجھ گیا..... سمجھ گیا..... اور سمجھ گیا۔

میں نے اس کی سمجھدانی میں کچھ اور مواد انڈیلتے ہوئے کہا ''تم نے فاخرہ بیگم کے کسی سوال کا جواب نہیں دینا۔ نوٹس کے بارے میں اس سے کوئی معاملہ ڈسکس نہیں کرنا۔ تم اس سے بس یہی کہو گے کہ وہ اس نوٹس کا تحریری جواب تمہارے وکیل کو ارسال کرے' یعنی کہ مجھے! مرزا امجد بیگ ایڈووکیٹ کو!!'' ایک لمحے کا توقف کر کے میں نے اضافہ کیا ''وہ چاہے تو تحریری جواب ڈاک کے ذریعے بھیج دے' یا پھر وہ یہ نیک کام بدست خود میرے دفتر میں آ کر بھی کر سکتی ہے۔ اس نوٹس کے آخر میں میرے دفتر کا پتا درج ہوگا۔ اگر وہ تم سے راہنمائی لینا چاہے تو خدمت خلق کا یہ نادر موقع ہاتھ سے نہ جانے دینا۔''

''میں آپ کی ہدایات پر عمل کروں گا۔'' وہ فرمانبرداری سے بولا ''لیکن یہ تو بتا دیں' اس نوٹس میں آپ لکھیں گے کیا؟''

میں نے کہا ''فی الحال میں تمہیں اس نوٹس کے مندرجات سے آگاہ نہیں کر سکتا۔ تم اسے ایک پیشہ ورانہ مصلحت سمجھ لو..... اور میں اس مصلحت کا استعمال تمہارے مفاد ہی میں کر رہا ہوں۔ فاخرہ

بیگم ایک چالباز اور منصوبہ ساز عورت ہے' اس کے ساتھ کوئی لمبا ہی ہاتھ کرنا ہوگا۔ ایک مکار کو مکاری ہی سے مارا جاسکتا ہے۔ لوہا' لوہے کو کاٹتا ہے۔ یہ تو تم نے سن رکھا ہوگا!''

''جی ہاں!'' اس نے سر کو اثباتی جنبش دی'' جسے انگریزی میں'' ڈائمنڈ کٹس ڈائمنڈ'' کہا جاتا ہے۔''

''ایک ہی بات ہے!'' میں نے کہا'' اس مفہوم کے محاورے میں لوہے اور ڈائمنڈ کا استعمال ان کی سختی کی خاصیت کی وجہ سے کیا گیا ہے' یعنی سختی کا توڑ سختی ہی سے کیا جاسکتا ہے' جسے عرفِ عام میں یہ بھی کہہ سکتے ہیں.....لاتوں کے بھوتوں کو بھگانے کے لیے لاتوں کا استعمال ناگزیر ہوتا ہے۔''

ہمارے درمیان مزید کچھ دیر تک فاخرہ بیگم کا موضوع زیرِ بحث رہا' پھر عبدالباقی میرے دفتر سے رخصت ہوگیا۔

اگلے روز میں نے بنام فاخرہ بیگم ایک مسالے دار پھڑ پھڑاتا ہوا نوٹس پوسٹ کردیا۔ اس نوٹس کے مندرجات کے بارے میں عبدالباقی نے ہی گاہے بہ گاہے مجھے معلومات فراہم کی تھیں۔ فاخرہ جیسی کائیاں عورت کو گھیرنے کے لیے میں نے سچ میں جھوٹ کی ملاوٹ کرتے ہوئے کسی کنجوسی سے کام نہیں لیا تھا۔ بعض اوقات اس قسم کے ہتھکنڈے بھی آزمانا پڑتے ہیں' جو بہت مؤثر اور نتیجہ خیز ثابت ہوتے ہیں۔

اس نوٹس کا انگلش میں مضمون کچھ اس طرح تھا.....مسماۃ فاخرہ بیگم! میرے موکل اور تمہارے پڑوسی مسمّی عبدالباقی نے مجھے بتایا ہے کہ تم نے مالی اور جذباتی طور پر اسے بہت نقصان پہنچایا ہے۔ اس سادہ دل انسان سے تم نے اپنی بیٹی مینا کی شادی کا وعدہ کیا اور اس وعدے کے پس پردہ تمہاری فرمائشوں کا ایک دریا بہہ نکلا۔ میرے موکل نے تمہیں نہ صرف پچاس ہزار روپے نقدی کی صورت میں دیئے' بلکہ مختلف موقع پر وہ تمہارے گھر میں قیمتی سامان بھی بھرتا رہا' جس کی تفصیل کچھ اس طرح ہے.....''

اس کے نیچے میں نے کالم بنا کر درج کیا تھا' ٹی وی' مالیت آٹھ ہزار روپے۔ فریج مالیت چھ ہزار روپے۔ ڈیوائڈر شوکیس' ایک ہزار روپے۔ مینا کے لیے زیورات اور ملبوسات پانچ ہزار روپے وغیرہ۔

''میرے موکل عبدالباقی نے مجھے بتایا ہے کہ تمام قیمتی سامان کی پکی رسیدیں اس کے پاس موجود ہیں' جبکہ وہ سامان تمہارے گھر میں زیرِ استعمال ہے۔ البتہ نقدی پچاس ہزار روپے چونکہ تم نے اس سے بطور قرض لیے تھے' اس لیے اس رقم کی کچی رسید ہی اس کے پاس ہے۔ تمام سامان اور قرض کے طور پر حاصل کی گئی رقم مل ملا کر کل ستر ہزار روپے بنتے ہیں' نصف جن کا پینتیس ہزار روپے ہوتے ہیں۔ اگر تم اپنے وعدے کے مطابق مینا کی شادی میرے موکل سے کردیتیں' تو وہ اس رقم کو بھول

جاتا' لیکن اس شریف انسان سے زندگی بھر کی جمع پونجی لوٹنے کے بعد تم نے اسے ٹھینگا دکھادیا ہے۔ تمہارا یہ فعل سراسر بددیانتی ہے اور اس مجرمانہ حرکت پر تمہارے خلاف قانونی کارروائی کی جاسکتی ہے۔ یہ نوٹس اس سلسلے کی پہلی کڑی ہے۔

مذکورہ نوٹس کے ذریعے تمہیں وارن کیا جاتا ہے کہ عرصہ سات یوم کے اندر اندر تحریری صورت میں مجھے جواب دو یا میرے دفتر میں آکر مجھ سے ملو' تاکہ بہتری کی کوئی صورت نکالی جاسکے۔ اگر تمہاری طرف سے مجھے جواب موصول نہیں ہوا' تو میں اپنے موکل کو اس کا حق دلانے کے لیے عدالت کا دروازہ کھٹکھٹانے میں ایک لمحے کی تاخیر نہیں کروں گا۔''

نوٹس میں اس کے علاوہ چند قانونی موشگافیاں بھی تھیں۔ قارئین کے لیے' ان کی غیر دلچسپی کو دیکھتے ہوئے میں نے حذف کردیا ہے۔

اس نوٹس میں بلاشبہ حد درجہ مبالغہ آرائی سے کام لیا گیا تھا۔ مذکورہ سامان کی' فاخرہ بیگم کے گھر میں موجودگی کے بارے میں مجھے عبدالباقی نے بتایا تھا۔ جہاں تک کچی اور پکی رسیدوں کا تعلق تھا' تو ہمارے ملک میں اس نوعیت کی'' دستاویزات'' بہت آسانی سے دستیاب ہوجاتی ہیں۔ میں سردست اس حصول یابی کا متمنی نہیں تھا۔ میں پہلے فاخرہ بیگم کا ردِعمل دیکھنا چاہتا تھا۔ مجھے امید تھی کہ اس نوعیت کی رسیدوں کی ضرورت پیش نہیں آئے گی۔ یہ نوٹس اس کی کھٹیا کھڑی کردے گی۔ وہ چور تو تھی.....دس روپے کی یا دس ہزار روپے کی! یہ فیصلہ کرنا ہمارا کام تھا۔

چور جب اپنا جرم قبول کرلے تو اس'' نیکی'' پر اس صدی کی ساری چوریاں اس کے کھاتے میں ڈال دی جاتی ہیں۔ اب دیکھنا یہ تھا کہ فاخرہ بیگم کا کھاتا کتنا وسیع و عریض تھا۔ اس کی بساط اور برداشت کو دیکھتے ہوئے ہی اگلی چال چلی جاسکتی تھی۔ فی الحال یہ نوٹس والی چال ہی اسے جھنجوڑنے کے لیے کافی تھی۔ مجھے امید تھی' اس کی سانس پھول جائے گی۔ زیادہ امکان اسی بات کا تھا کہ تحریری جواب دینے کے بجائے وہ سیدھے میرے دفتر کا رُخ کرے گی۔

☆☆☆☆

نوٹس کی ترسیل کے چار روز بعد میری توقع پوری ہوگئی۔

فاخرہ بیگم بہ نفسِ نفیس میرے دفتر میں آئی اور نوٹس والے لفافے کو میری میز پر پٹختے ہوئے بولی'' یہ کارنامہ آپ نے انجام دیا ہے؟''

میں نے لفافے کے بجائے فاخرہ بیگم پر توجہ دی۔ وہ عام شکل و صورت کی مالک ایک فربہ اندام عورت تھی۔ عمر پینتالیس چھیالیس تک ہوگی۔ اس وقت وہ خاصی غصے میں دکھائی دیتی تھی۔ چیمبر میں اس کے داخلے سے قبل میری سیکرٹری مجھے اس کے بارے میں بتا چکی تھی' لہٰذا میں ہر قسم کی صورتحال کے لیے ذہنی طور پر تیار بیٹھا تھا۔

فاخرہ سے فارغ ہونے کے بعد میں نے لفافے پر ایک اچٹتی سی نگاہ ڈالی اور کہا ''لگتا ہے یہ میرے ہی دفتر سے ارسال کیا گیا ہے۔ خیر! آپ تشریف رکھیں اور بتائیں' آپ کا مسئلہ کیا ہے؟''

''فی الحال میرا پہلا مسئلہ تو آپ ہیں۔'' وہ ایک کرسی پر تشریف رکھتے ہوئے بولی ''آپ شکل سے تو خاصے معقول آدمی نظر آتے ہیں۔ مجھے یقین نہیں آرہا' آپ نے اس قسم کی حرکت کی ہوگی۔''

''مجھ سے ایسی کون سی حرکت ہوگئی جس پر آپ اتنا چراغ پا ہیں؟'' میں نے انجان بنتے ہوئے کہا۔

اس نے میرے سوال کا جواب دینا ضروری نہ سمجھا اور برا سا منہ بناتے ہوئے بولی ''میں نے وکیلوں کی دروغ گوئی اور چالاکیوں کی بہت سی داستانیں سنی ہیں' لیکن میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ جھوٹ اور مبالغہ آرائی میں وہ اس حد تک بھی جاسکتے ہیں۔''

میں نے انٹرکام کو استعمال کرتے ہوئے فاخرہ بیگم کے لیے کولڈ ڈرنک منگوایا' پھر اس کی جانب متوجہ ہوتے ہوئے کہا ''خاتون! آپ وکیلوں کی خوبیوں اور خامیوں کو تو ایک طرف رکھیں اور سب سے پہلے مجھے اپنی برہمی کا سبب بتائیں۔ اتنی خوبصورت عورت کو غصے میں دیکھنا اچھا نہیں لگتا۔''

''میری اس برہمی اور غصے کا سبب آپ ہیں!'' وہ قدرے نرم پڑتے ہوئے بولی۔

میں نے زیرلب مسکراتے ہوئے کہا ''غالباً آپ کا اشارہ اس نوٹس کی طرف ہے!''

''غالباً نہیں یقیناً'' وہ قطعیت سے بولی ''آپ کاغذ کے جن صفحات کو نوٹس کہہ رہے ہیں' وہ جھوٹ کے پلندے کے سوا کچھ نہیں۔''

''جھوٹ اور سچ کا فیصلہ اتنی جلدی اور آسانی سے نہیں کیا جاسکتا فاخرہ بیگم!'' میں نے اس کے چہرے پر نگاہ جماتے ہوئے کہا ''پرکھ کی کسوٹی پر گھسنا بہت ضروری ہے۔''

میں دانستہ اس سے ہلکی پھلکی گفتگو کررہا تھا۔ اس طرح ایک تو میں اس کا غصہ ٹھنڈا کرنا چاہتا تھا' دوسرے اس کے مسائل کو سمجھنا بھی ضروری تھا۔ وہ نوٹس کے ساتھ خود چل کر میرے پاس آئی تھی۔ میں اس موقع سے فائدہ اٹھا کر اپنا کام نکال سکتا تھا۔ اسے ایک مضبوط جال میں جکڑنے کے لیے ہی میں اس کی ناپ تول میں لگا ہوا تھا۔

اسی دوران میں آفس بوائے کولڈ ڈرنک لے آیا۔ میں نے مسکراتے ہوئے کہا ''آپ ٹھنڈا لیں' پھر اطمینان سے بات کرتے ہیں۔''

''میں اس وقت تک اطمینان کی سانس نہیں لے سکتی' جب تک اس نوٹس کا ننٹا نہ نکل جائے۔'' وہ اپنی ضد پر ڈٹی رہی۔

''ٹھیک ہے!'' میں نے نوٹس والا لفافہ کھولتے ہوئے کہا ''یہ ننٹا بھی نکال لیتے ہیں۔ آپ

کولڈ ڈرنک لیں۔''

اس نے میز پر رکھی ہوئی بوتل کی جانب ہاتھ بڑھا دیا۔

دو تین منٹ بعد اس کے غصے کا گراف نیچے آگیا۔ جب وہ نارمل انداز میں بات کرنے کے قابل ہوئی تو میں نے پوچھا ''آپ کو اس نوٹس پر کیا اعتراض ہے؟''

''اعتراض!'' اس نے بھنویں سکیڑتے ہوئے کہا ''اس میں درج ایک ایک بات جھوٹ ہے' بلکہ یہ مرقع الزامات ہے۔ اس پر مجھے اعتراض نہیں ہوگا تو اور کس کو ہوگا؟''

''گویا آپ اس بات سے انکاری ہیں کہ آپ نے میرے موکل کے ستر ہزار روپے دینا ہیں!'' میں نے آہستہ آہستہ گھسنا شروع کیا۔

وہ کانوں کو ہاتھ لگاتے ہوئے بولی ''خدا کی پناہ! مبالغہ آرائی کی بھی کوئی حد ہوتی ہے۔ سیدھا سادا منحنی سا نظر آنے والا عبدالباقی اتنا فریبی ہوگا' یہ تو میں تصور بھی نہیں کرسکتی تھی۔ اس نے تو رائی کا پہاڑ بنا دیا۔''

فاخرہ بیگم نے از خود مجھے راستہ دے دیا۔ اس موقع پر میں کسی غلطی کا متحمل نہیں ہوسکتا تھا۔ میں نے مضبوط لہجے میں کہا ''خاتون! مبالغہ آرائی کے لیے ضروری ہے کہ پہلے سے کچھ موجود ہو۔ جس میں مبالغہ شامل کیا جائے اور پھر آپ نے رائی کے پہاڑ بننے کی مثال دے کر یہ ثابت کردیا ہے کہ اگر میرے موکل کا دعویٰ درست نہیں تو ایسا بھی نہیں کہ اس کی کوئی بنیاد ہی نہ ہو۔ آپ کی جانب اس کی کچھ رقم واجب الادا ہے۔ اس کا دعویٰ بالکل ہی غلط نہیں!''

''یہی تو میں بھی کہہ رہی ہوں۔'' وہ جلدی سے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے بولی ''اس کمبخت نے تو ایک دم منہ پھاڑ دیا ہے۔ ستر ہزار کوئی معمولی رقم نہیں ہوتی!''

میں نے دوستانہ انداز میں کہا ''حقیقت کیا ہے' آپ مجھے بتائیں۔ ابھی یہ کیس میرے دفتر سے باہر نہیں گیا۔ آپ کی بات سننے کے بعد ہی میں فیصلہ کروں گا۔''

میرے ہمدردانہ الفاظ نے اثر دکھایا۔ وہ تامل کرتے ہوئے بولی۔

''سچی بات تو یہ ہے کہ ضرورت کے وقت میں نے عبدالباقی سے پانچ ہزار روپے قرض لیے تھے۔ ابھی ہاتھ ذرا تنگ ہے' جیسے ہی میرے پاس رقم آئی' میں قرض کی وہ رقم اسے واپس کردوں گی۔''

''اور دیگر سامان کے بارے میں کیا خیال ہے؟'' میں نے نرمی سے پوچھا۔

وہ ہاتھ نچاتے ہوئے بولی ''اس کمبخت مارے نے جھوٹ بولنے میں زمین و آسمان ایک کردیا ہے۔ دو چار چیزیں اس نے ہمیں دلائی تو تھیں' مگر ان کی مالیت اتنی نہیں ہوسکتی' جو نوٹس میں ظاہر کی گئی ہے۔''

وہ آہستہ آہستہ میرے بچھائے ہوئے جال میں پیش قدمی کر رہی تھی۔ میں نے سنجیدہ لہجے میں استفسار کیا ''آپ کے خیال میں اس کمبخت مارے کی دلائی ہوئی وہ دو چار چیزیں کون سی ہیں؟''

اس نے بتایا ''ایک سیکنڈ ہینڈ ٹی وی' ایک مونو ٹیپ ریکارڈر اور چند زیورات وغیرہ.....اور بس!''

''ان اشیاء کی مالیت کیا ہوگی؟''

''زیادہ سے زیادہ آٹھ ہزار روپے۔''

''عبدالباقی نے مجھے بتایا ہے کہ وہ گاہے بہ گاہے آپ کی مالی مدد بھی کرتا رہا ہے۔''

''وہ اوّل درجے کا جھوٹا ہے۔'' وہ صاف مکر گئی۔

لگ بھگ آٹھ ہزار روپے کا سامان اور قرض کے پانچ ہزار روپے ملا کر کل رقم تیرہ ہزار روپے بنتی تھی' جبکہ عبدالباقی کا دعویٰ کم و بیش بیس ہزار تھا۔ فاخرہ بیگم اپنے منہ سے تیرہ ہزار کا اقرار کر رہی تھی۔ ایک لحاظ سے یہ خوش آئند بات تھی۔ اس کو ''بھاگتے چور کی لنگوٹی'' سے تعبیر کیا جاسکتا تھا۔ میں نے اپنا گھیرا تنگ کرتے ہوئے کہا۔

''فاخرہ بیگم! عبدالباقی کا کہنا ہے کہ وہ آپ کی چھوٹی موٹی فرمائشیں ایک خاص مقصد کے تحت پوری کرتا رہا ہے۔ کیا میں صحیح کہہ رہا ہوں؟''

اس نے الٹا مجھ سے سوال کر ڈالا ''کیا اس نے وہ خاص مقصد نہیں بتایا؟''

''بتایا ہے!'' میں نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے کہا ''وہ کہتا ہے' آپ نے اپنی چھوٹی بیٹی مینا سے اس کی شادی کرنے کا وعدہ کیا تھا۔''

وہ ٹھہرے ہوئے لہجے میں بولی ''آپ اسے وعدہ تو نہیں کہہ سکتے' البتہ میں نے کہا تھا کہ میں اس سلسلے میں مینا کی مرضی پوچھنے کے بعد اسے کوئی جواب دوں گی۔ شادی بیاہ کے سلسلے میں لڑکی کا عندیہ لینا بہت ضروری ہوتا ہے۔ آپ تو وکیل ہیں۔ مجھ سے زیادہ اس بات سے واقف ہوں گے۔''

''بالکل! یہ ایک ضروری اور مستحسن عمل ہے۔'' میں نے تائیدی انداز میں کہا' پھر پوچھا ''کیا آپ نے اس سلسلے میں مینا سے بات کی تھی؟''

''جی ہاں' میں نے عبدالباقی کی پسندیدگی کو اس تک پہنچا دیا تھا۔''

''پھر اس نے کیا جواب دیا؟''

''صاف انکار کر دیا۔''

''اس انکار کی وجہ؟''

''اس کا کہنا ہے' چلو عمر زیادہ ہے تو کوئی بات نہیں' لیکن وہ میرے ساتھ چلتے ہوئے شوہر تو

نظر آئے۔ وہ تو میرے باپ سے بھی زیادہ بوڑھا نظر آتا ہے۔'' وہ ایک لمحے کو خاموش ہوئی' پھر رازدارانہ انداز میں بولی ''وکیل صاحب! دونوں کی عمروں اور صحت میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ یہ تو ''پہلوئے حور میں لنگور'' والی بات ہے۔''

میں نے کہا ''میں نے آپ کی بیٹی کو نہیں دیکھا' البتہ عبدالباقی کی عمر اور شخصیت میرے سامنے ہے۔ اگر مینا نے وہ ''باپ سے زیادہ بوڑھا'' لگنے والی بات کی ہے' تو میں اسے حق بجانب سمجھتا ہوں۔''

''وکیل صاحب! آپ مینا کو دیکھ لیں تو ''حور اور لنگور'' والی حقیقت کے بھی قائل ہو جائیں گے۔'' وہ ستائشی انداز میں بولی ''میری بیٹی لاکھوں نہیں' کروڑوں میں ایک ہے۔''

وہ اب مجھ سے اس طرح گھل مل کر بات کر رہی تھی' جیسے اپنوں اور قابل بھروسہ لوگوں سے گفتگو کی جاتی ہے۔ یہ میری کوشش کی کامیابی اور مقصد کے عین مطابق تھا۔ میں نے اپنے جال کو رفتہ رفتہ سمیٹنا شروع کیا۔

''فاخرہ بیگم! مجھے پتہ چلا ہے' مینا کی ایک شادی ناکامیابی سے دوچار ہو چکی ہے؟''

''آپ نے ٹھیک ہی سنا ہے۔'' وہ ٹھنڈی آہ بھرتے ہوئے بولی ''میرا وہ داماد کسی قابل نہیں تھا۔ اللہ کا شکر ہے' مینا کی جان ایک ہی ماہ میں چھوٹ گئی' ورنہ پتہ نہیں' کتنی خواری کی زندگی گزارتی۔''

میں نے ٹٹولنے والے انداز میں پوچھا ''عبدالباقی کی بھی تو ایک شادی فلاپ ہو چکی ہے۔ اس کی بیوی فریدہ نے اس سے طلاق لے لی تھی۔ جب تک فریدہ اس کی زوجیت میں رہی' ان کے درمیان لڑائی جھگڑا اور دنگا فساد ہوتا تھا۔ کہیں ان اختلافات کی ''وجہ'' بھی وہی تو نہیں تھی' جو ''سبب'' مینا کی شادی کی ناکامیابی کا بتایا جاتا ہے؟''

وہ متذبذب نظر آئی تو میں نے فوراً وضاحتی انداز میں کہا ''میں یہ سوال آپ سے اس لیے پوچھ رہا ہوں کہ آپ عبدالباقی کو اپنا داماد بنانے کے لیے راضی تھیں۔ اس حوالے سے آپ نے کچھ ''چھان بین'' تو کی ہوگی۔''

وہ سادگی سے بولی ''سچی بات تو یہ ہے کہ میں اس رشتے کے لیے قطعاً تیار نہیں تھی۔ وہی میری بچی کے پیچھے پڑا تھا۔ میں نے بھی سوچا' چلو مینا سے بات کر کے دیکھ لیتی ہوں۔ مجھے یقین تھا کہ وہ انکار کر دے گی اور پھر ایسا ہی ہوا بھی۔''

فاخرہ بیگم بنیادی طور پر ایک تیز طرار اور چالاک عورت تھی۔ یہ تو میرا کمال تھا کہ میں 'پیار پونچھے' سے اس سے باتیں اگلوا رہا تھا۔ اس کے باوجود بھی وہ بعض مقامات پر دروغ گوئی سے کام لے رہی تھی۔ مجھے اس کی پروا نہیں تھی' کیونکہ یہ میری توقع کے عین مطابق تھا۔ مجھے اپنا مقررہ مقصد حاصل ہو رہا تھا' میرے لیے اتنا ہی کافی تھا۔ میں نے اس سے مزید کلوز ہوتے ہوئے ہمدردانہ لہجے

میں کہا۔

''دامادوں کے حوالے سے آپ بہت بدقسمت واقع ہوئی ہیں۔''

اس نے چونک کر مجھے دیکھا۔ میں نے اپنائیت ظاہر کرتے ہوئے کہا ''اشفاق تو تھا ہی نکما' چلو! ایک ماہ کے اندر اندر مینا کو اس سے چھٹکارا مل گیا۔ آپ کی بڑی بیٹی بینا بھی میکے میں بیٹھی ہوئی ہے۔ مجھے پتہ چلا ہے' بینا کے شوہر عنایت اللہ سے بھی آپ کے تعلقات خاصے کشیدہ چل رہے ہیں اور اب عبدالباقی....!'' میں نے دانستہ جملہ ادھورا چھوڑ کر اس کے چہرے کا جائزہ لیا۔ اس کا چہرہ الجھن زدہ تاثرات کی آماج گاہ بنا ہوا تھا۔ میں نے بات کو جاری رکھتے ہوئے کہا۔

''عبدالباقی نے تو آپ کا داماد بننے سے پہلے ہی آپ کو ایک خطرناک قسم کا نوٹس جاری کروا دیا ہے' جس کی وجہ سے آپ اس وقت میرے سامنے بیٹھی ہیں۔''

وہ کھٹ سے بولی ''اس منحوس نے یہ موذی نوٹس آپ کے توسط سے جاری کروایا ہے۔ کیا آپ کیس پکڑتے ہوئے گدھے گھوڑے میں فرق نہیں کرسکتے؟''

''کسی کی شکل پر گدھے یا گھوڑے کا سائن بورڈ نہیں لگا ہوتا۔'' میں نے کندھے اچکاتے ہوئے کہا ''میرے پاس آ کر جو بھی اپنی بپتا سناتا ہے' میں اس سے معاملہ طے کر کے اس کا کیس اپنے ہاتھ میں لے لیتا ہوں۔ یہ میرا پیشہ ہے۔ اپنے کلائنٹ کی مدد کرنا اور اس کے لیے فائٹ کرنا ہی تو میرا کام ہے۔ کلائنٹ اس مقصد کے لیے مجھے بھاری رقم دیتا ہے۔'' یہاں بھی میں نے اپنے پیشے سے متعلق کچھ مبالغہ آرائی کی تھی۔

اس نے زیرلب مسکراتے ہوئے پوچھا ''اگر میں آپ کی فیس ادا کردوں تو کیا آپ عبدالباقی کے خلاف میری وکالت پر تیار ہو جائیں گے؟''

''ہرگز نہیں۔'' میں نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے قطعیت سے کہا ''عبدالباقی اس وقت میرا کلائنٹ ہے۔ آپ مخالف پارٹی ہیں۔ میں آپ کی وکالت نہیں کرسکتا' البتہ دونوں پارٹیوں کے درمیان مصالحت کی راہ نکال سکتا ہوں' اگرچہ یہ راہ نکالنا اتنا ہی کٹھن ہے جتنا فرہاد کا شیریں کی فرمائش پر دودھ کی نہر نکالنا۔''

وہ بے اختیار ہنس دی۔ اس کی ہنسی میں نسوانیت سے زیادہ میکانیت تھی۔ اسی مصنوعی اور کھوکھلی ہنسی کو برقرار رکھتے ہوئے اس نے کہا ''آپ باتیں مزیدار کرتے ہیں۔ آپ کی دلچسپ شخصیت نے مجھے خاصا متاثر کیا ہے۔''

میں اس کے ریمارکس پر ایسی نظر سے اس کے سراپا کا جائزہ لینے لگا جیسے اس کے متاثرہ حصوں کا معائنہ کر کے ہونے والے نقصان کا تخمینہ لگا رہا ہوں۔ اسی حساب کتاب کے دوران میں میری سماعت فاخرہ بیگم کی ایک سنسنی خیز سوالیہ جملے سے متصادم ہوئی۔

''وکیل صاحب! کیا آپ کی شادی ہوگئی ہے؟''

میں سیدھا ہو کر بیٹھ گیا اور سرسری انداز میں کہا ''ابھی تک میں اس نعمت سے محروم ہوں۔''

اس کے چہرے پر ایک جانی پہچانی چمک ابھی' جس کا تذکرہ بالتفصیل بیان کرنا میں ضروری نہیں سمجھتا۔ قارئین چشم تصور سے اس خوشی کا مفہوم اور اغراض و مقاصد جان گئے ہوں گے۔

میں نے جال کو انتہائی حد تک سمیٹتے ہوئے اچانک پوچھا ''فاخرہ بیگم! کیا آپ نے اس نوٹس کے بارے میں عبدالباقی سے کوئی بات کی تھی؟''

''بالکل نہیں۔'' اس کا جواب دوٹوک تھا۔

''گھر میں تو تذکرہ کیا ہوگا؟''

''ہرگز نہیں۔'' وہ قطعیت سے بولی ''میں اس قسم کے مصائب کا سایہ اپنے گھر والوں پر نہیں پڑنے دیتی۔ میں ہر وبال سے نمٹنے کے لیے کافی ہوں۔''

''میں آپ کی ہمت کی داد دیتا ہوں۔'' میں نے ستائشی نظر سے اسے دیکھا ''کیا آپ کے گھر والوں کو یا عبدالباقی کو یہ معلوم ہے کہ آپ اس وقت مجھ سے ملنے میرے دفتر آئی ہوئی ہیں؟''

''جی نہیں! میں نے اس بارے میں کسی کو نہیں بتایا۔'' اس نے کہا۔

''ایسا کر کے آپ نے عقلمندی کا ثبوت دیا ہے۔''

میں دانستہ اسے ایسا تاثر دے رہا تھا جیسے مجھے اس سے ہمدردی پیدا ہوگئی ہو۔ یہ بات اس کائیاں عورت نے بھی محسوس کرلی تھی۔ مجھ سے پوچھنے لگی۔

''وکیل صاحب! ایک بات تو بتائیں۔ وکیل تو آپ عبدالباقی کے ہیں' اس سے بھاری فیس لے کر آپ نے مجھے نوٹس بھیجا ہے' مگر آپ کی باتوں سے میں نے اندازہ لگایا ہے کہ آپ کو میرا بڑا خیال ہے۔ آپ کے اس نوعیت کے روّیے کی کیا وجہ ہے؟''

''آپ نے بڑا اہم اور بروقت سوال کیا ہے۔'' میں نے خود کو انتہائی سنجیدہ ظاہر کرتے ہوئے کہا ''اس لیے میں آپ کو اس سوال کا جواب ضرور دوں گا۔''

وہ ہمہ تن گوش ہو کر منتظر نگاہ سے مجھے دیکھنے لگی۔

میں نے کھنکار کر گلا صاف کیا اور گمبھیر آواز میں بولا ''میں نے عبدالباقی کے ایما اور خواہش پر جو کچھ کیا وہ میرے پیشے کا تقاضا ہے' کیونکہ وہ میرا کلائنٹ اور میں اس کا وکیل ہوں' مگر آپ سے ملاقات کے بعد میرے ذہن میں ایک اور دروازہ بھی کھل گیا۔''

اتنا کہہ کر میں سوچے سمجھے منصوبے کے تحت خاموش ہوگیا۔ میں فاخرہ بیگم کو مکمل طور پر شیشے میں اتارنے کا تہیہ کیے بیٹھا تھا۔ وہ دلچسپ نظر سے مجھے تک رہی تھی۔ میں نے اپنی بات کو آگے بڑھاتے ہوئے کہا۔

"مجھے یوں محسوس ہو رہا ہے' عبدالباقی نے مختلف مقامات پر دروغ گوئی سے کام لیا ہے اور....."

"کوئی ایسی ویسی دروغ گوئی!" وہ قطع کلامی کرتے ہوئے بیچ میں بول اٹھی "اس نے تو دس بارہ ہزار کو ستر ہزار تک پہنچا دیا اور آپ کا دعویٰ ہے کہ اس نے آپ کو قیمتی سامان کی خریداری کی رسیدیں بھی لا کر دی ہیں۔"

"ہاں! اس نے مذکورہ رسیدیں میرے پاس جمع کرائی ہیں۔" میں نے نہایت ہی ثابت قدمی سے جھوٹ بولا۔

جھوٹے اور فریبی کو اس کے گھر تک پہنچانے کے لیے قدم سے قدم ملا کر کچھ فاصلہ طے کرنا پڑتا ہے' یعنی اس کے جھوٹ کے توڑ کے لیے خود بھی دروغ گوئی کا سہارا لینا پڑتا ہے اور میں ایسا ہی کر رہا تھا۔

وہ سنجیدگی سے بولی' "وکیل صاحب! کیا آپ مجھے وہ رسیدیں دکھا سکتے ہیں۔ ذرا مجھے بھی تو معلوم ہو کہ رنگین ٹی وی' کنگ سائز فریج' چوبی ڈیوائیڈر شوکیس اور وہ زیورات کن دکانوں سے کتنے کتنے میں خریدے گئے تھے؟"

"میں اس سلسلے میں معذرت چاہوں گا۔" میں نے بھرپور اداکاری کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا "فی الحال میں وہ رسیدیں آپ کو نہیں دکھا سکتا۔ بالفرض' اگر آپ کے درمیان مصالحت کی کوئی راہ نہ نکل سکی' تو پھر مجھے عدالت سے رجوع کرنا ہوگا او اس وقت وہ رسیدیں میرے بہت کام آئیں گی۔"

"یعنی جعلسازی کا عظیم شاہکار رسیدیں؟" وہ تمسخرانہ انداز میں بولی۔

"جعلی اور اصلی ثابت کرنا عدالت کا کام ہے۔" میں ایکدم سنجیدہ ہوگیا "آپ تو وہ کریں جو آپ کو اس وقت کرنا چاہئے۔ اگر آپ رسیدوں کی نمائش کے چکر میں پڑ گئیں تو پھر آپ کے درمیان مصالحت کی گنجائش باقی نہیں رہے گی۔"

"مجھے اس وقت کیا کرنا چاہئے؟" وہ سنجیدگی سے بولی۔

لوہا پوری طرح گرم ہو چکا تھا۔ یہ چوٹ لگانے کا مناسب وقت تھا۔ میں نے فاخرہ بیگم کی بساط پر اپنے مہرے کو دوڑا دیا "سب سے پہلے تو آپ کو اس نوٹس کا جواب دینا چاہئے اور وہ بھی تحریری تاکہ آپ کا مؤقف ریکارڈ پر آجائے۔"

وہ متذبذب انداز میں بولی "میں جواب میں کیا لکھوں اور کیسے لکھوں؟"

"نوٹس کے جواب کے لیے تو آپ کو قانون سے آشنا کسی شخص کی خدمات حاصل کرنا ہوں گی۔" میں نے مضبوط لہجے میں کہا "مثلاً کسی وکیل یا نوٹری پبلک وغیرہ سے رجوع کرنا ہوگا اور لکھیں

گی یا لکھوائیں گی کیا' یہ آپ مجھے ابھی تھوڑی دیر پہلے بتا چکی ہیں۔" میں نے ایک لمحے کا توقف کر کے دہرانے والے انداز میں کہا "میں نے پانچ ہزار روپے عبدالباقی سے بطور قرض لیے ہیں اور بیٹی کی شادی کا وعدہ کر کے مختلف فرمائشوں کے ذریعے اس سے آٹھ نو ہزار کا سامان بھی حاصل کیا ہے' لیکن اگر میری بیٹی نے اس رشتے سے انکار کر دیا' تو اس میں میرا کیا قصور ہے وغیرہ وغیرہ۔"

وہ پوری توجہ سے میری بات سن رہی تھی۔ میں نے اسے کسی الجھن سے بچانے کے لیے کہا "دراصل یہ ایک رسمی کاغذی کارروائی ہوگی۔ ہمیں فائلوں کا پیٹ بھی تو بھرنا ہوتا ہے ناں۔ آپ نے اس نوٹس کے جواب میں صرف یہ بتانا ہے کہ عبدالباقی کا ستر ہزار کا دعویٰ سراسر مبنی بر دروغ ہے اور حقیقت یہ ہے کہ آپ نے سامان اور قرض کی صورت میں اس کے صرف بارہ تیرہ ہزار روپے ہی دینا ہیں۔" میں نے فاخرہ بیگم کی جانب کھوجتی ہوئی نظر سے دیکھا اور کہا "اس قسم کے مضمون کی تحریر لکھنے میں کسی غلط بیانی کا دخل بھی نہیں۔ اتنی رقم کے "حصول" کا تو آپ اقرار کر ہی رہی ہیں ناں؟"

وہ اثبات میں سر ہلاتے ہوئے بولی "وہ تو ٹھیک ہے' لیکن میں تحریری اقرار کر کے پھنس جاؤں گی' پھر یہ رقم مجھے عبدالباقی کو ادا کرنا ہوگی۔"

"میں اس گدھے کو تو اپنے دفتر بلا کر خوب سناؤں گا۔" میں نے فاخرہ بیگم کے جذبات کی ترجمانی کرتے ہوئے کہا "اس نے مجھ سے یعنی اپنے وکیل سے اتنا بڑا جھوٹ کیوں بولا۔ آپ عبدالباقی کی فکر نہ کریں۔ آپ کا تحریری جواب میرے پاس آجائے تو میں اس کی بھی خبر لے لوں گا اور جہاں تک رقم کی واپسی کا تعلق ہے' تو اس کے لیے میں کوئی آسان صورت وضع کر دوں گا۔ پہلے تو یہ فیصلہ ہو جائے کہ آپ کی جانب عبدالباقی کی کتنی رقم واجب الادا ہے۔"

"یہ فیصلہ کس طرح ہوگا؟" وہ تعجب خیز نظر سے مجھے دیکھنے لگی "اس کا دعویٰ اور میرا مؤقف آپس میں لگا نہیں کھاتے؟"

میں نے کہا "فاخرہ بیگم! ایک حوالے سے عبدالباقی کو آپ پر سبقت حاصل ہے' وہ اس طرح کہ آپ کا مؤقف ابھی تک زبانی کلامی ہے' جبکہ اس کا دعویٰ تحریری صورت اختیار کر چکا ہے۔" میں نے ذرا رک کر اس کے چہرے کے تاثرات کا جائزہ لیا اور مزید کہا "جہاں تک دعوے اور مؤقف کے آپس میں لگا کھانے کا تعلق ہے تو یہ معاملہ مل بیٹھ کر طے کیا جا سکتا ہے۔ اگر آپ کی جانب سے اس نوٹس کا تحریری جواب آپ کے مؤقف کی وضاحت کے ساتھ مجھے مل جائے' تو میں عبدالباقی کو یہاں بلا لوں گا۔ آپ بھی اس وقت آجانا۔ ساری بات روبرو ہو جائے گی۔ عبدالباقی نے اگر آپ کے موقف کو درست تسلیم کر لیا تو میں اسے اس بات کے لیے آمادہ کر لوں گا کہ وہ آپ کی بساط اور سہولت کو دیکھتے ہوئے آسان اقساط میں رقم کی واپسی کا لائحہ عمل طے کر لے۔"

میری یہ تجویز اس کے دل کو لگی۔ اس کے چہرے پر اطمینان جھلکنے لگا۔ فاخرہ بیگم نے اپنی

زبان سے اقرار کرلیا تھا کہ اس نے عبدالباقی کو اپنی بیٹی مینا کی شادی کا خواب دکھا کر دونوں ہاتھوں سے چھیلا تھا' جس سے عبدالباقی حق بہ جانب نظر آتا تھا۔ البتہ جس مصیبت کے ڈر سے فاخرہ بیگم حقیقت قبولنے کو تیار ہوئی تھی' اس میں حد درجہ جھوٹ کو شامل کیا گیا تھا' یعنی دعویٰ برائے ستر ہزار روپے۔ یہ چال چلنا میری مجبوری تھی' ورنہ وہ آسانی سے قابو میں آنے والی شے نہیں تھی۔ بعض اوقات نظریہ ضرورت اور تقاضائے حالات کے تحت موت دکھا کر بخار پر راضی کرنا بہت مفید ثابت ہوتا ہے' جیسا کہ اب ثابت ہو رہا تھا۔

فاخرہ بیگم نے کہا'' میں تو کسی وکیل یا نوٹری پبلک کو جانتی نہیں۔ کیا اس سلسلے میں آپ میری مدد کر سکتے ہیں؟''

'' میں اپنے دفتر میں مسائل زدہ لوگوں کی مدد ہی کے لیے بیٹھا ہوں۔'' میں نے خوشدلی سے کہا'' اسی سے میرا رزق روزگار چلتا ہے۔''

وہ جلدی سے بولی'' لیکن اس بات کی وضاحت کر دوں کہ اس مدد کے حصول کے لیے میں آپ کو کوئی فیس وغیرہ نہیں دوں گی۔''

میں نے دل میں سوچا' عبدالباقی سے میں نے کون سے ہزاروں وصول کر لیے ہیں جو تم سے فیس لوں گا۔ میرے لیے یہی کافی تھا کہ اس مسئلے کا اونٹ انتہائی مناسب کروٹ بیٹھنے جا رہا تھا۔ فاخرہ بیگم کی جانب سے رقم کے سلسلے میں تحریری اقرار نامہ میرے پاس آ جاتا تو پھر میں اسکی تیزی و طراری کو بھی بھانپ لیتا۔ اس رقم کی وصولی کے لیے کوئی طریقہ وضع کرنا میرے لیے آسان ہو جاتا۔

'' ٹھیک ہے خاتون!'' میں نے مسکراتے ہوئے کہا'' آپ کی خاطر میں یہ کام بلا معاوضہ کر دوں گا اور بولیں!''

وہ بولی'' بس تو پھر اس نیک کام میں تاخیر نہ کریں۔ مجھے گھر بھی جانا ہے۔''

میں نے وال کلاک پر نگاہ ڈالی۔ عدالت کا وقت ختم ہونے میں ابھی ایک گھنٹہ باقی تھا' جس کا مطلب تھا' نوٹری پبلک اور دیگر عدالتی متعلقین تک رسائی ممکن تھی' ابھی تک انہوں نے اپنی دکان نہیں بڑھائی ہوگی۔ جس روز عدالت میں میرے کسی کیس کی تاریخ نہیں ہوتی تھی' اس دن میں صبح ہی سے اپنے دفتر میں جم کر بیٹھ جاتا تھا' جو سیشن کورٹ کے نزدیک ہی ایک شاندار عمارت میں واقع تھا۔۔۔ اور آج ایک ایسا ہی دن تھا۔

میں نے اپنے سٹینو گرافر سے اس نوٹس کا جواب ٹائپ کروایا' پھر نفس مضمون پڑھ کر فاخرہ بیگم کو سنا دیا اور آخر میں اس سے پوچھا:

'' اس جواب میں درج کسی بات پر تمہیں کوئی اعتراض تو نہیں؟''

میں نے قابل اعتراض اور ذہن کو الجھانے والی کوئی بات اس میں شامل نہیں کی تھی' لہٰذا

فاخرہ بیگم نے میرے حسب منشا جواب دیا'' میرے خیال میں یہ مناسب ہے۔''

میں فاخرہ بیگم کو اپنے ساتھ ایک نوٹری پبلک کے پاس لے گیا اور اس کی موجودگی میں اس دستاویز پر فاخرہ بیگم سے دستخط کروا لیے۔ مزید پختگی کے لیے کاغذات پر نوٹری پبلک کا ٹھپہ بھی ثبت کر دیا گیا۔

تھوڑی دیر بعد ہم دوبارہ دفتر میں بیٹھے تھے۔ فاخرہ بیگم نے مجھ سے پوچھا'' اب میں کب آپ کے پاس آؤں؟''

میں نے کہا'' میں آج یا کل عبدالباقی سے رابطہ کروں گا۔ اس کے بعد آپ کو بتاؤں گا۔''

پھر کچھ سوچتے ہوئے میں نے اضافہ کیا'' آپ ایسا کریں' پرسوں اسی وقت یہاں آ جائیں۔ میں عبدالباقی کو بھی بلاؤں گا۔''

پرسوں کا وقت میں نے اس لیے دیا تھا کہ اتفاق سے اس روز بھی صبح ہی سے مجھے اپنے دفتر میں رہنا تھا' البتہ کل یعنی اگلے روز عدالت میں میری مصروفیات کا کوئی اندازہ نہیں تھا۔ اس دن دو نہایت ہی اہم مقدمات کی تاریخیں تھیں۔

میری بات سن کر فاخرہ بیگم نے کہا'' وکیل صاحب! پرسوں کیوں' کل ہی کیوں نہیں؟ میں کل کسی وقت عبدالباقی کو لے کر آپ کے پاس پہنچ جاتی ہوں۔ وہ کون سا کوسوں دور ہے مجھ سے۔۔۔۔۔ اور اگر آپ کہیں تو آج شام ہی میں آ جاتے ہیں۔۔۔۔''

میں نے اس کی بات مکمل ہونے سے پہلے کہا'' آج شام میں تو میری کچھ نجی مصروفیات ہیں' اس لیے میں دفتر میں نہیں ملوں گا۔ کل کا دن عدالت میں مجھے سر کھجانے کی فرصت نہیں ملے گی اور جہاں تک عبدالباقی کو ساتھ لانے کا سوال ہے تو میں آپ کو ہرگز ایسا مشورہ نہیں دوں گا' بلکہ میں آپ کو تاکید کرتا ہوں کہ آپ اس سے اس سلسلے میں کوئی بات بھی نہ کریں۔ میں چاہتا ہوں کہ پرسوں پہلے میں اس سے بات کروں' پھر آپ کو بلاؤں اور دونوں کی موجودگی میں اس مسئلے کا کوئی مناسب حل تلاش کر لیا جائے۔''

'' آپ وکیل ہیں۔'' وہ قائل ہوتے ہوئے بولی'' ان باریکیوں کو مجھ سے زیادہ جانتے ہیں۔ میں پرسوں اسی وقت آپ کے پاس حاضر ہو جاؤں گی۔''

اس کے اٹھنے سے پہلے میں نے پوچھ لیا'' ویسے تو مجھے یہ جاننے کا کوئی حق نہیں پہنچتا' لیکن میں نے جو کچھ سنا ہے اس کے پیش نظر اپنے تجسس سے مجبور ہو کر پوچھ رہا ہوں کہ کیا واقعی آپ کی بیٹی مینا کسی کے ساتھ فرار ہو گئی ہے۔''

'' یقیناً یہ بات آپ کو عبدالباقی نے بتائی ہوگی!''

میں نے اقرار کرنے میں کوئی قباحت نہ جانی۔

وہ چند لمحے سوچنے کے بعد بولی ”وکیل صاحب! سچی بات تو یہ ہے کہ مینا پچھلے بیس دن سے لاپتا ہے‘ کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا وہ کہاں چلی گئی۔ آ جا کر ذہن میں یہی خیال آتا ہے کہ کسی کے ساتھ بھاگ گئی ہے۔“ وہ ذرا دیر کو خاموش ہوئی پھر رازدانہ انداز میں بولی ”ویسے میں نے ابھی اس کے غیاب کو پوشیدہ رکھا ہوا ہے۔ لوگوں کو میں نے یہی بتایا ہے کہ مینا‘ اپنے ماموں کے پاس حیدرآباد گئی ہے۔“

”لیکن عبدالباقی کو تو آپ نے حقیقت سے آگاہ کر دیا ہے۔“ میں نے چبھتے ہوئے لہجے میں پوچھا ”کیا آپ اس بندۂ خدا کو باقی لوگوں میں شمار نہیں کرتیں؟“

وہ عجیب سے انداز میں بولی ”یہ شخص اس دنیا میں رہتے ہوئے بھی اس دنیا میں نہیں رہتا۔ اسے کچھ بتانے یا نہ بتانے سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ پتا نہیں‘ میں نے کس پنک میں اسے مینا کے فرار کے بارے میں بتا دیا تھا‘ لیکن میں مطمئن ہوں کہ وہ کسی سے ذکر نہیں کرے گا۔“

میں نے اس موضوع پر اس سے زیادہ بحث نہیں کی اور کہا ”کیا آپ نے مینا کو تلاش کرنے کی کوئی کوشش نہیں کی‘ بیس دن تو اچھا خاصا عرصہ ہے؟“

میں نے اپنے ذہن میں حساب لگالیا تھا کہ جب عبدالباقی نے مجھے مینا کے گھر سے بھاگ جانے کے بارے میں بتایا تھا‘ اس بات کو پندرہ سولہ دن گزر گئے۔ ممکن ہے‘ فاخرہ بیگم نے اسے دو چار دن تاخیر سے یہ اطلاع دی ہو! اس حساب سے مینا کے غیاب کا عرصہ بیس دن پر ہی محیط نظر آتا تھا۔ فاخرہ بیگم نے میرے سوال کا جواب دیتے ہوئے کہا۔

”وکیل صاحب! ہم اسے کہاں تلاش کریں۔ سچی بات تو یہ ہے کہ ہمارے کوئی رشتہ دار نہیں ہیں۔ لوگوں کا منہ بند کرنے کے لیے میں نے حیدرآباد والے ماموں کی کہانی گھڑی ہے اور پھر اِدھر اُدھر تلاش کرنے میں بدنامی کا ڈر ہے۔ ہر کوئی پوچھے گا..... مینا کہاں بھاگ گئی....؟ کس کے ساتھ بھاگ گئی؟“

فاخرہ بیگم جیسی عورت کے منہ سے ”بدنامی“ کا لفظ سن کر مجھے عجیب سا لگا‘ تاہم وہ ایک ماں بھی تھی‘ جس کی بیٹی گزشتہ بیس روز سے لاپتا تھی‘ لہٰذا میں نے اس کے دلی جذبات کا احترام کرتے ہوئے پوچھا۔

”آپ نے مینا کی گمشدگی کی رپورٹ بھی درج نہیں کرائی ہوگی؟“

اس نے میری توقع کے مطابق جواب دیا۔

میں نے کہا ”مجھے آپ کے ذاتی معاملات میں دخیل ہونے کا کوئی حق نہیں۔ ایک وکیل ہونے کے ناتے میں یہ ضرور کہوں گا کہ آپ کو پہلی فرصت میں متعلقہ تھانے میں مینا کی گمشدگی کو رجسٹر کروانا چاہیے۔ ممکن ہے‘ وہ کسی کے ساتھ نہ گئی ہو۔ اسے اغوا بھی کیا جاسکتا ہے اور اغوا سے آگے

بھی سوچا جاسکتا ہے۔ آپ خود سمجھدار ہیں‘ میں آپ کو کیا سمجھاؤں۔ اغوا‘ قتل اور آبروریزی کی وارداتیں عام سننے اور پڑھنے میں آتی ہیں۔“

وہ ایک طویل سانس خارج کرتے ہوئے بولی ”دو چار دن اور انتظار کرتی ہوں۔ یہ عبدالباقی کے جھمیلے سے نمٹ لوں‘ پھر تھانے میں رپورٹ کے بارے میں سوچوں گی۔“

کچھ دیر بعد وہ میرے دفتر سے رخصت ہوگئی۔

☆......☆......☆

آئندہ روز میں ایک عدالت سے نکل کر دوسری عدالت کی طرف جارہا تھا کہ سامنے سے عبدالباقی کو آتا دیکھ کر چونک اٹھا۔ میرے چونکنے کی وجہ اس کے چہرے سے پھوٹنے والی خوشی تھی۔ میرے ذہن میں پہلا خیال یہی آیا کہ ہوسکتا ہے‘ فاخرہ بیگم نے اسے صورتحال سے آگاہ کر دیا ہو اور وہ اس بات پر شاداں ہو کہ بیس نہ سہی‘ تیرہ ہزار روپے تو وصول ہونے ہی والے ہیں۔ میں نے فاخرہ بیگم کو سختی سے منع کیا تھا کہ وہ اس سلسلے میں کوئی بات عبدالباقی سے نہ کرے۔ میں اسے اپنی جانب بڑھتا دیکھ کر رُک گیا۔

وہ تیزی سے چلتے ہوئے میرے نزدیک آیا اور اضطراری لہجے میں بولا ”بیگ صاحب! میں ایک بہت بڑی خبر لے کر آیا ہوں۔ آپ کے پاس فرصت ہو تو ذرا جا کر کینٹین میں بیٹھتے ہیں۔“

میں نے سرسری انداز میں پوچھا ”کیا تم فاخرہ بیگم سے مل کر آرہے ہو؟“

”جناب! میں اس وقت سیدھا اپنی فیکٹری سے آرہا ہوں۔ پہلے آپ کے دفتر گیا تھا۔ آپ کے سٹاف نے مجھے بتایا ہے کہ آپ اس وقت عدالت میں ہوں گے۔ میں نے یہاں آکر بڑی مشکل سے آپ کو تلاش کیا ہے۔“

”کیا کل دن میں کسی وقت یا فیکٹری جانے سے پہلے آج صبح فاخرہ بیگم سے تمہاری ملاقات ہوئی تھی؟“ میں نے مزید تصدیق کی خاطر پوچھا۔

”نہیں!“ وہ قطعیت سے بولا۔

میں سمجھ گیا‘ وہ جو خبر لے کر اس وقت میرے پاس پہنچا تھا‘ اس کا تعلق فاخرہ بیگم سے نہیں تھا۔ اب میرے دل میں بھی تجسس جاگ اٹھا۔ عبدالباقی کی خوشی دیدنی تھی‘ اس کا مطلب یہی تھا‘ خبر خاصی پرمسرت ہوگی۔

میں نے اسے برآمدے ہی میں کھڑے رہنے کو کہا اور خود متعلقہ عدالت میں داخل ہوگیا۔ مذکورہ عدالت میں ابھی جج کی آمد نہیں ہوئی تھی۔ میں نے پیش کار سے معلوم کیا کہ ہمارے کیس کی ساعت میں کتنا وقت باقی ہے۔ اس نے مجھے بتایا کہ عدالتی کارروائی میں ابھی آدھا گھنٹہ باقی ہے۔ اس سے پہلے ساعت شروع نہیں ہوسکے گی۔ جج صاحب کم و بیش آدھے گھنٹے بعد تشریف لائیں گے۔

میرے لیے یہ وقت کافی تھا۔ میں عبدالباقی کے ساتھ کینٹین میں جا بیٹھا۔

میں چائے بسکٹ کا آرڈر دے چکا تو عبدالباقی کی بے قراری کے پیش نظر اس سے سوال کیا ''میاں! ایسی کیا خبر ہے کہ تمہیں اس وقت فیکٹری میں اپنی ڈیوٹی چھوڑ کر یہاں آنا پڑا؟''

وہ پرجوش انداز میں گویا ہوا'' بیگ صاحب! مینا کا سراغ مل گیا ہے۔''

اس کے انکشاف نے مجھے چونکنے پر مجبور کر دیا۔ میں نے بے ساختہ پوچھا'' وہ کہاں ہے؟''

''عنایت اللہ کے پاس!'' اس نے بتایا۔

''عنایت اللہ غالباً مینا کا بہنوئی ہے۔''

''جی ہاں! وہ بینا کا شوہر ہے۔''

''مگر.....!'' میں نے الجھن زدہ انداز میں کہا'' عنایت اللہ سے تو ان لوگوں کا جھگڑا چل رہا ہے۔ مینا وہاں کیسے پہنچ گئی؟''

''وہ خود وہاں گئی تھی۔'' عبدالباقی نے کہا'' کسی نے نہ تو اسے اغوا کیا تھا اور نہ ہی وہ کسی کے ساتھ بھاگی تھی۔ عنایت اللہ نے مجھے بتایا کہ وہ اپنی ماں کے دباؤ اور رویے سے دلبرداشتہ ہو کر خاموشی سے اس کے پاس چلی گئی تھی۔''

''اور تمہیں یہ کہانی عنایت اللہ نے سنائی ہے!'' میں نے عبدالباقی کو شک زدہ نظروں سے دیکھا۔

یہ کہانی مجھے ہضم نہیں ہو رہی تھی۔ عنایت اللہ سے فاخرہ بیگم کا پھڈا چل رہا تھا' نتیجے میں اس نے اپنی بڑی بیٹی بینا کو روک رکھا تھا۔ اس قسم کی صورتحال میں مینا کا اپنے بہنوئی کے پاس پہنچ جانا سمجھ میں آنے والی بات نہیں تھی اور سب سے زیادہ جواب طلب معاملہ یہ تھا کہ اس واقعہ کو بیس اکیس دن گزر چکے تھے مگر عنایت اللہ نے پریشان والدین کو مینا کے بارے میں کچھ نہیں بتایا تھا۔ حالانکہ اصولی طور پر مینا کے وہاں پہنچتے ہی فاخرہ بیگم کو مطلع کر دینا چاہئے تھا۔ عنایت اللہ کا یہ عمل مجھے شک میں ڈال رہا تھا اور اس کی کسی قسم کی بدنیتی کو ظاہر کر رہا تھا' پھر مینا بھی گزشتہ بیس روز سے چپ چاپ اپنے اس بہنوئی کے ساتھ رہ رہی تھی' جس سے ان کی ناراضیوں کا سلسلہ بہت طویل تھا۔ یہ سچوایشن ذہن قبول کرنے کے لیے تیار نہیں تھا۔ مجھے دال میں کچھ نہیں' بلکہ بہت کچھ کالا کالا نظر آ رہا تھا۔ میرے ذہن میں جس نوعیت کے خدشات ابھر رہے تھے' قارئین ان تک بہ آسانی پہنچ گئے ہوں گے۔ مجھے اس ''کیس'' میں ملی بھگت کی بو آ رہی تھی۔

بہرحال' تفصیل جاننے کے لیے میں نے سوالیہ نظروں سے عبدالباقی کو دیکھا' وہ بولا'' بیگ صاحب! آج عنایت اللہ میرے پاس فیکٹری آیا تھا۔ یہ سارا قصہ اسی نے مجھے سنایا ہے اور سب سے زیادہ خوشی کی خبر یہ ہے کہ مینا مجھ سے شادی پر تیار ہو گئی ہے۔''

یہ ایک اور انکشاف تھا۔ میں نے کہا'' یہ انقلاب کیسے آ گیا؟''

''عنایت اللہ نے مجھے بتایا ہے کہ مینا مجھے ٹھکرانے کے بعد بہت پچھتا رہی ہے۔'' وہ پرمسرت لہجے میں بولا'' اس نے عنایت اللہ کو بتایا ہے کہ وہ کسی طرح بھی مجھ سے فوراً شادی کرنا چاہتی ہے۔''

میرا ذہن اس ''انقلاب'' کے ''اسباب'' پر غوروفکر کر رہا تھا۔ اسی رو میں' میں نے عبدالباقی سے پوچھ لیا'' وہ تو تمہیں مسترد کر چکی تھی۔ اب اچانک اس میں تبدیلی کس طرح پیدا ہو گئی۔ کیا تم نے اس سلسلے میں عنایت اللہ سے سوال کیا تھا؟''

''میں نے اس سے تو کچھ نہیں پوچھا۔'' وہ احمقانہ انداز میں آنکھوں کو حرکت دیتے ہوئے بولا'' میرا ذاتی خیال یہ ہے کہ مینا مجھے مسترد کر کے اپنے فیصلے پر پشیمان ہو گی۔ مجھ سے زیادہ موزوں شخص اسے کہیں نہیں مل سکتا۔ میں اکیلا ہوں' میرے پاس اپنا مکان ہے' اچھا کماتا ہوں' کیا کمی ہے مجھ میں؟''

میں نے دل ہی دل میں عبدالباقی کے اس ''ذاتی خیال'' کو صلواتیں سنائیں اور اس کی ''موزونیت'' کو بھی برا بھلا کہا۔ چون پچپن سالہ صحت سے عاری اور مجموعہ بیماری ایک چغد اعظم حماقتم فاسفیٹ شخص بائیس سالہ حسین و جمیل کنواری لڑکی کے لیے خود کو موزوں قرار دے رہا تھا۔ یہ اس صدی کا سب سے زیادہ ماسٹر پیس لطیفہ تھا۔ مجھے اس پر غصہ تو بہت آیا' مگر میں نے اس کا اظہار نہیں کیا۔

میں نے اپنے سامنے بیٹھے ہوئے اس شخص کو مخاطب کرتے ہوئے کہا'' عبدالباقی پھر تم نے عنایت اللہ کو کیا جواب دیا؟''

''میں نے اسے کوئی واضح جواب نہیں دیا۔'' وہ بولا'' وہ کل پھر مجھ سے ملنے آئے گا۔ میں نے سوچا' آپ سے مشورہ کر لوں۔''

''تمہارا ذہن کیا کہتا ہے؟'' میں نے اسے چیک کرنے کی خاطر پوچھا۔

وہ جذباتی لہجے میں بولا'' میں ہر صورت میں اور ہر قیمت پر مینا سے شادی کرنے پر تیار ہوں۔''

اس کے جواب نے مجھے باور کروا دیا کہ اسے کچھ سمجھانے کا فائدہ نہیں۔ میں ہزار کوشش کر کے بھی اس کی بیوقوفی کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔ اس شخص کی سمجھ بوجھ کا آپ خود اندازہ لگا لیں' جو اس صورتحال میں یہ بھی نہ سوچ رہا ہو کہ مینا بیس روز سے بغیر اطلاع ایک ایسے شخص کے پاس قیام پذیر ہے' جس سے ان کا خاندانی جھگڑا چل رہا ہے اور اب وہی شخص اسے بتا رہا ہے کہ مینا فی الفور اس سے شادی کرنا چاہتی ہے۔ یہ وہی مینا ہے' جو اسے اپنے باپ کے برابر قرار دے کر ریجیکٹ کر چکی ہے۔

عنایت اللہ کی ذات اس حوالے سے مجرمانہ ہو جاتی ہے کہ اس نے مینا کے بارے میں اس کے والدین کو کلی طور پر بے خبر رکھا۔ مجھے یہ بات معلوم تھی کہ وہ بالکل تنہا رہتا تھا۔

عبدالباقی چونکہ میرا ''کلائنٹ'' تھا' اس لیے اتمام حجت کرنا میں نے ضروری سمجھا۔ ویسے مینا کے اپنے بہنوئی کے پاس پراسرار بیس روزہ قیام سے ذہن جس سنگین سوچ کو جنم دیتا تھا' اس پر عبدالباقی سے بات کرنا فضول تھا۔ وہ سمجھ سے پیدل اور عقل کا اندھا انسان مینا کے حصول کے لیے اندھے کنویں میں کودنے پر آمادہ نظر آ رہا تھا۔

میں نے اپنا فرض نبھاتے ہوئے اس سے کہا ''عبدالباقی! تمہیں معلوم ہے عنایت اللہ کہاں رہتا ہے؟''

''نہیں' میں اس کی رہائش گاہ سے واقف نہیں۔'' اس نے جواب دیا۔

''فاخرہ بیگم یقیناً جانتی ہوگی۔'' میں نے خیال افروز انداز میں کہا ''آخر کو وہ اس کا داماد ہے۔''

عبدالباقی نے گھبراہٹ آمیز انداز میں کہا ''آپ عنایت اللہ کی رہائش گاہ کے بارے میں کیوں پوچھ رہے ہیں۔ کیا آپ فاخرہ بیگم کو مینا کی وہاں موجودگی سے آگاہ کرنا چاہتے ہیں؟''

''اگر ایسا ہی ہو تو اس میں کیا قباحت ہے؟''

''یہ غضب نہ کریں جناب!'' اس کی گھبراہٹ دوچند ہوگئی۔ ''عنایت اللہ نے مجھے سختی سے منع کیا ہے کہ مینا کے بارے میں کسی کو نہ بتاؤں' ورنہ وہ اپنی پیشکش واپس لے لے گا۔ وہ پیشکش..... مینا سے شادی والی۔''

میں عبدالباقی کی سوچ پر افسوس کے سوا اور کیا کر سکتا تھا۔ میں نے قدرے سخت لہجے میں کہا ''ابھی تھوڑی دیر پہلے تم نے بتایا ہے کہ مینا از خود طور پر تم سے شادی کرنا چاہتی ہے اور اب تم اس شادی کو عنایت اللہ کی پیشکش بتا رہے ہو؟''

''وہ جی' ایک ہی بات ہے!'' وہ گڑبڑائے ہوئے انداز میں بولا ''مینا مجھ سے فوراً شادی کرنا چاہتی ہے اور وہ عنایت اللہ کے پاس ہے۔ جس نے بیس روز تک اس کی حفاظت کی ہے' اس کا ہر طرح سے خیال رکھا ہے۔ اس کی بات کو نظر انداز تو نہیں کیا جا سکتا ناں؟''

میں نے ریسٹ واچ پر نگاہ ڈالی۔ میرے پاس' عبدالباقی سے مغز ماری کے لیے زیادہ وقت نہیں تھا۔ میں نے قدرے سخت اور دوٹوک انداز اختیار کرتے ہوئے کہا ''میاں عبدالباقی! تم عنایت اللہ کو چاہے جتنا بھی انسان دوست اور اپنا ہمدرد سمجھو' لیکن کان کھول کر سن لو' میرے نزدیک وہ ایک ڈیفالٹر اور مجرم ہے۔ وہ ایک نامحرم کے ساتھ گزشتہ بیس روز سے زندگی گزار رہا ہے اور اس کے گھر

والوں کو اطلاع تک نہیں۔ بیس دن بعد اچانک اس نامحرم کے دل میں تم سے شادی کا خیال پیدا ہوتا ہے اور وہ بھی فوری طور پر۔ یہ مجرم شخص اس سے تمہاری شادی کرانا چاہتا ہے اور وہ بھی نہایت ہی خفیہ اور رازداری سے۔ میں تمہیں اس قسم کی حماقت کا مشورہ نہیں دے سکتا۔''

اس کا چہرہ اتر گیا۔ نحیف سی آواز میں منمنایا ''تو پھر میں کیا کروں؟''

''عنایت اللہ جب کل تمہارے پاس آئے تو اسے صاف صاف کہہ دو' وہ شرافت کے ساتھ مینا کو اس کے والدین کے پاس پہنچا دے۔ اس کے گھر والے تو پہلے ہی تم سے اس کی شادی کے لیے راضی تھے' مینا کے انکار ہی نے معاملہ بگاڑ دیا تھا۔ اب وہ اقراری ہے تو تمہاری شادی میں کوئی رکاوٹ باقی نہیں رہ جاتی۔ عنایت اللہ مینا کو فاخرہ بیگم کے پاس پہنچا دے۔ شادی کا مسئلہ بعد میں دیکھ لیں گے۔''

شاید اسے میرا مشورہ پسند نہیں آیا تھا۔ میں نے محسوس کیا' مینا سے شادی کے تصور نے اسے جتنا بانس پر چڑھا رکھا تھا' وہ بلندی پلک جھپکنے میں ختم ہوگئی تھی۔ میری بات ختم ہوئی تو اس نے استفسار کیا۔

''اگر عنایت اللہ میری تجویز ماننے کے لیے تیار نہ ہوا تو؟''

''تو تم بھی اس کی پیشکش ٹھکرا دینا۔''

''پھر مینا کا کیا ہوگا؟''

''یہ سوچنا اس کے والدین کا کام ہے۔'' میں نے سپاٹ آواز میں کہا ''تم مینا کے ٹھیکیدار نہیں ہو۔ مجھے یقین ہے' عنایت اللہ تمہیں کسی وبال میں ڈالنا چاہتا ہے۔ اس نے مینا کو بیس دن تک اس کے وارثوں کی اجازت اور کسی قسم کی اطلاع کے بغیر اپنے پاس رکھا ہے.....اور ابھی تک رکھا ہوا ہے۔ عنایت اللہ کا یہ فعل نہایت ہی مجرمانہ اور قابل تعزیر ہے۔ تم تصور بھی نہیں کر سکتے کہ اگر وہ دونوں پولیس کے ہتھے چڑھ جائیں' تو ان کا کیا حشر ہوگا۔ اس قسم کی حرکت کے لیے قانون میں سخت سزا ہے۔''

''آپ تو ڈرانے والی باتیں کر رہے ہیں۔'' وہ سہمی ہوئی نظر سے مجھے تکنے لگا۔

میں نے کہا ''تم میری باتوں کی خطرناکی کو پوری طرح محسوس نہیں کر پائے ہو۔ تمہارے لیے بہتر یہی ہے کہ عنایت اللہ سے وہی کہو جو میں نے مشورہ دیا ہے۔ پولیس کو بیچ میں ڈالنے اور بدنامی پرور پھڈا کھڑا کیے بغیر اگر مینا خاموشی سے اپنے گھر آ جاتی ہے' تو پھر باقی کے معاملات میں خود سنبھال لوں گا۔'' ایک لمحے کا توقف کر کے میں نے اسے خوشخبری سنا دی ''تمہارے پیسوں کی واپسی کا

بندوبست میں نے کر دیا ہے۔ بیس تو نہیں البتہ بارہ تیرہ ہزار روپے میں تمہیں فاخرہ بیگم سے دلوا دوں گا۔"

"کیا؟" وہ حیرت سے اچھل پڑا "کیا فاخرہ بیگم اتنی رقم کی واپسی کے لیے تیار ہوگئی ہے؟"

"ہاں' میں نے اسے تیار کرلیا ہے۔"

"کیا آپ اس سے مل چکے ہیں؟"

میں نے اثبات میں جواب دیا۔ اس نے پوچھا "کب.... کہاں؟"

"یہ سب جاننا تمہارے لیے ضروری نہیں۔" میں دانستہ اسے تفصیلات سے آگاہ نہیں کرنا چاہتا تھا۔ وہ احمق انسان کوئی بھی الٹی سیدھی حرکت کر کے معاملات کو بگاڑ سکتا تھا۔ میں نے کہا "میں تمہیں تاکید کرتا ہوں' تم ان باتوں کا تذکرہ فاخرہ بیگم سے نہیں کرو گے۔"

"میں آپ سے وعدہ کرتا ہوں کہ اپنی زبان بند رکھوں گا۔" اس نے نہایت سنجیدگی سے کہا "مگر یہ بات سمجھ میں نہیں آ رہی کہ فاخرہ بیگم رقم کی واپسی' چاہے بیس ہزار سے کچھ کم ہی سہی' کے لیے تیار ہوگئی۔"

"تم اس سلسلے میں اپنے مضمحل ذہن کو مزید مت تھکاؤ۔" میں نے ڈانٹنے والے انداز میں کہا "کسی بھی سانپ کو کیلنے کے لیے بین بجانا ضروری ہے۔ میں نے بھی ایک خاص منتر پڑھ کر فاخرہ بیگم کو اپنے قابو میں کرلیا ہے۔"

وہ بے یقینی سے مجھے دیکھنے لگا۔

میں اٹھ کر کھڑا ہوگیا۔ عبدالباقی نے میری تقلید کی۔ میں نے کہا "تم کل عنایت اللہ سے بات کرنے کے بعد سیدھے میرے دفتر آؤ گے۔ میں نے فاخرہ بیگم کو بھی بلوایا ہے۔ کچھ ضروری باتیں کریں گے۔"

اس نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے پوچھا "کیا آپ مینا والی بات فاخرہ بیگم کو بتا دیں گے؟"

"فی الحال تو میرا ایسا کوئی ارادہ نہیں۔" میں نے کہا "کل کی میٹنگ کے بعد کوئی فیصلہ کریں گے۔"

وہ مجھ سے ہاتھ ملا کر رخصت ہوگیا۔ میں اس عدالت کی جانب بڑھ گیا' جہاں میرے کیس کی آواز پڑنے ہی والی تھی۔

☆......☆......☆

اس کے بعد حالات بہت تیزی سے آگے بڑھے۔ اگلے روز عبدالباقی فاخرہ بیگم سے پہلے میرے دفتر پہنچ گیا اور اس نے مجھے بتایا کہ میری ہدایت اور تاکید کے مطابق اس نے عنایت اللہ کو جواب دے دیا ہے۔

"پھر اس کا کیا ردعمل ہوا؟" میں نے پوچھا۔

وہ بولا "میری بات سن کر وہ سوچ میں پڑ گیا پھر مجھ سے یہ کہہ کر چلا گیا کہ میں شادی کے لیے تیار رہوں۔ وہ کسی طرح سمجھا بجھا کر مینا کو اس کے گھر بھیجنے کی کوشش کرے گا۔"

"اس نے تو بڑی شرافت کا مظاہرہ کیا ہے۔" میں نے شک آمیز انداز میں کہا۔

عبدالباقی دعائیہ لہجے میں بولا "اللہ کرے' مینا اس کی بات مان جائے' لڑکی کی رخصتی اس کے والدین کے گھر ہی سے اچھی لگتی ہے۔"

اس کے آخری جملے میں موجود لفظ "رخصتی" نے میرے ذہن پر ہتھوڑی کا کام کیا۔ آئندہ پندرہ بیس منٹ میں' میں نے اسے بتایا کہ میں نے کس طرح فاخرہ بیگم کو تحریری طور پر تیرہ ہزار روپے کی ادائیگی کے لیے پابند کر دیا تھا۔

وہ خوش ہو کر بولا "بیگ صاحب! میں آپ کو پہلے بھی مانتا تھا' اب جان بھی گیا ہوں۔ آپ بہت ہنرمند وکیل ہیں۔ آپ نے میرا یہ تقریباً ناممکن کام چٹکی بجاتے میں کر دیا ہے۔ ویسے...." اس نے جملہ ادھورا چھوڑ کر مسرور نظر سے مجھے دیکھا اور بے پروائی سے بولا "اگر مینا اپنے گھر آ جاتی ہے اور اس سے میری شادی ہوجاتی ہے تو میں ان تیرہ ہزار کو پہلی فرصت میں بھول جاؤں گا۔"

کچھ دیر بعد فاخرہ بیگم بھی آ گئی۔ ہمارے درمیان یہ طے ہوگیا تھا کہ اس میٹنگ میں فاخرہ بیگم کو مینا اور اس کے وقوعے کے بارے میں کچھ نہیں بتایا جائے گا۔"

میں نے آدھے گھنٹے کی بحث و تمحیص کے بعد اس معاملے کو فائنل کر دیا۔ عبدالباقی میری ہدایت کے مطابق اپنے ستر ہزار والے موقف پر ڈٹا ہوا تھا اور فاخرہ بیگم تیرہ ہزار سے زیادہ قبولنے کو تیار نہیں تھی۔ میں نے کامیاب اداکاری کا مظاہرہ کر کے ان میں مصالحت کروا دی اور آخری کام کے طور پر فاخرہ بیگم سے کہا۔

"ٹھیک ہے' تم تیرہ ہزار ہی دینا' مگر یہ تو بتا دو' تم دو گی کیسے؟"

"میں ابھی دو تین ماہ تک تو نہیں دے سکتی۔" وہ معذوری ظاہر کرتے ہوئے بولی "ابھی میرے حالات اچھے نہیں ہیں' البتہ تین ماہ بعد میں آسان اقساط میں دے دوں گی۔"

اچانک عبدالباقی نے کہا "فاخرہ بیگم! اگر تم مینا کو میرے عقد میں دے دو تو میں یہ رقم تمہیں

معاف کر دوں گا۔"

فاخرہ بیگم نے کہا" میں مینا سے تمہاری شادی کس طرح کر دوں۔ وہ میری دسترس میں ہے اور نہ ہی دستیاب۔"

"فاخرہ بیگم!" میں نے کہا" رقم کی واپسی کے لیے آپ نے تین ماہ کی مہلت مانگی ہے۔ اگر اس دوران میں مینا تمہارے پاس آ گئی تو کیا تم عبدالباقی کی تجویز پر عمل کرنے کے لیے تیار ہو؟"

"میں تو پہلے بھی تیار تھی۔ انکار اسی نے کیا تھا۔"

"وہ واپس آ جائے اور اقرار کر لے تو کیا صورت ہوگی؟"

"پھر مجھے کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔" وہ پر اعتماد انداز میں بولی۔

میں نے کہا" بس تو پھر یہی طے ہوا۔ تین ماہ کے اندر اندر اگر عبدالباقی اور مینا کی شادی کی کوئی سبیل نہیں نکلی' تو تم مبلغ تیرہ ہزار روپے عبدالباقی کو آسان قسطوں میں ادا کرو گی۔ اقساط کی تعداد اور مدت ہم بعد میں طے کر لیں گے۔"

ان دونوں نے میرے فیصلے پر صاد کیا اور راضی خوشی رخصت ہو گئے۔

اسی رات ایک مرتبہ پھر عبدالباقی میرے دفتر میں موجود تھا۔ اس نے اپنی باچھوں کو مشرق سے مغرب تک دراز کرتے ہوئے بتایا" بیگ صاحب! یہ عنایت اللہ تو بہت ہی شریف بندہ ہے۔ آج سہ پہر کو مینا اپنے گھر آ گئی ہے۔"

اس شریف بندے نے جس "شرافت" کا مظاہرہ کیا تھا' اس سے اس کا کردار کچھ زیادہ ہی مشکوک ہو گیا تھا۔ میں زمانے کی نیرنگی اور انسانوں کی دورنگی پر غور کر رہا تھا کہ عبدالباقی کی آواز میری سماعت سے ٹکرائی۔

"بیگ صاحب! یہ تو مجھے اب پتا چلا ہے کہ فاخرہ بیگم نے لوگوں کو بتا رکھا تھا' مینا اپنے ماموں کے پاس حیدرآباد گئی ہوئی تھی۔ شام کے وقت فاخرہ بیگم میرے پاس آئی اور اس نے مجھے مبارکباد پیش کرتے ہوئے بتایا کہ مینا نے مجھ سے شادی کے لیے رضامندی ظاہر کر دی ہے۔" وہ ایک لمحے کے لیے سانس لینے کو رکا پھر اپنی بات مکمل کرتے ہوئے بولا" ویسے مینا کی آمادگی والی بات عنایت اللہ مجھے پہلے ہی بتا چکا تھا۔"

میں نے اس مفقود العقل شخص کا دل ہی دل میں سوگ منایا اور زبان سے پوچھا" اب فاخرہ بیگم کا کیا ارادہ ہے؟"

"وہ چاہتی ہے' ہفتہ دس دن میں یہ شادی ہو جائے۔" عبدالباقی نے میرے اندیشوں اور

خدشات پر مہر تصدیق ثبت کرتے ہوئے کہا" بیگ صاحب! لگتا ہے' میری تو لاٹری کھل گئی۔"

خوشی اور جوش جذبات سے اس کے چہرے کی حماقت مآبی میں چار چاند لگ گئے تھے۔

میں نے اسی کے الفاظ کو استعمال میں لاتے ہوئے کہا۔

"ہاں میاں! اسے لاٹری کھلنا ہی کہہ سکتے ہیں۔"

وہ مجھ سے اپنی شادی میں شرکت کا وعدہ لے کر رخصت ہو گیا' تو میں اس بندۂ خدا کی بدھی اور اسے پیش آنے والے زہریلے واقعات پر غور کرنے لگا۔ پھر اس نتیجے پر پہنچا کہ ہزار حماقت کے باوجود بھی وہ جاتے جاتے کام کی ایک بات کہہ گیا تھا۔

مینا کے لیے اس نے لاٹری کا لفظ خوب استعمال کیا تھا۔ وہ ایک ایسی قیمتی اور حسین و جمیل لاٹری تھی' جس کا ٹکٹ عبدالباقی کو بیس ہزار روپے میں پڑا تھا۔ وہ سنگین حقائق کو فراموش کر کے اس تصور سے اپنے تن اور من کو بہلا رہا تھا کہ خوش قسمتی سے وہ لاٹری اسی کے نام کھلی تھی۔

میں اس کی خوشی میں خوش تھا۔ زندگی کی حقیقتیں بہت تلخ اور اذیت ناک ہیں۔ ناگفتی کو گفتی بنانے کے چکر میں ان چھوٹی چھوٹی خوشیوں کا خون نہیں کرنا چاہئے۔ آپ کا کیا خیال ہے؟

☆......☆......☆

آتشِ زن

اس بے جوڑ جوڑے کو دیکھ کر میں چونک اٹھا تھا۔ مرد کا قد پانچ فٹ دو انچ رہا ہوگا۔ وزن کسی بھی طور پچاس کے ہندسے کو نہیں چھو رہا تھا۔ اس کے برخلاف عورت کا وزن سو کلوگرام سے کچھ اوپر ہی نظر آ رہا تھا۔ اس کا قد بھی مرد سے کم از کم چھ انچ زیادہ تھا۔ اسی طرح ان کی عمروں میں بھی تفاوت پایا جاتا تھا۔ مرد کی بہ نسبت عورت پکی عمر کی اور تجربہ کار دکھائی دیتی تھی۔

میں نے پیشہ ورانہ مسکراہٹ سے ان کا استقبال کیا۔ وہ میرے سامنے کرسیوں پر بیٹھ چکے تو رسمی علیک سلیک کے بعد میں نے ان کی آمد کی غرض و غایت جاننے کی خاطر شائستہ لہجے میں دریافت کیا۔

''جی، میں آپ کی کیا خدمت کر سکتا ہوں؟''

عورت نے میرے سوال کا جواب دینے کے بجائے اپنا تعارف کروانا زیادہ ضروری سمجھا۔ وہ ٹھہرے ہوئے لہجے میں بولی۔ ''میرا نام ثریا ہے اور یہ میرے شوہر ہیں، فیاض!'' پھر اس نے اپنے ساتھ بیٹھے ہوئے شخص کی جانب اشارہ کیا۔

میں نے دل میں کہا، ماشاءاللہ! آپ کے شوہر شخصیت کے اعتبار سے خاصے فیاض یعنی اسم بامسمّٰی ثابت ہوئے ہیں۔ تاہم پیشہ ورانہ تقاضے کو نبھاتے ہوئے میں نے اس، ثریا نامی عورت سے کہا۔

''آپ دونوں سے مل کر خوشی ہوئی۔ میں آپ کے کس کام آ سکتا ہوں؟''

''ہم آپ کے پاس ایک مشورہ کرنے آئے ہیں۔'' عورت نے سنجیدگی سے کہا۔ ''میڈم روزی نے مجھے آپ کا پتا دیا ہے۔ انہوں نے بتایا ہے، آپ بہت پہنچے ہوئے وکیل ہیں اور ہر مسئلے کو چٹکی بجاتے میں حل کر لیتے ہیں۔'' پھر اس نے باقاعدہ اپنے بائیں ہاتھ کے انگوٹھے کو مڈل فنگر پر گھس کر چٹکی بجائی اور پوچھا۔ ''آپ میڈم روزی کو تو اچھی طرح جانتے ہوں گے۔''

فوری طور پر میرے ذہن میں کسی میڈم روزی کا نام یا سراپا نمودار نہ ہو سکا تاہم میرے

سامنے بیٹھے کلائنٹ کا تعلق اردو والی روزی سے تھا اس لئے میں نے اثبات میں سر ہلانے کو مصلحت جانا۔ جس کا مطلب تھا، ہاں جانتا ہوں۔

ثریا نے میرے سر کی اثباتی جنبش کو کافی نہ سمجھتے ہوئے میڈم روزی (ROSY) کے بارے میں بتایا۔ ''میں اس میڈم روزی کا ذکر کر رہی ہوں جسے کچھ عرصہ پہلے آپ نے طلاق دلوائی تھی۔''

اللہ کی بندی نے حوالہ بھی دیا تو ایسا کہ...... خیر، میں نے مصلحتاً کہا۔ ''ہاں۔ ہاں میں سمجھ گیا تھا۔ آپ نے جس میڈم روزی کا تذکرہ کیا ہے، میں اسے اچھی طرح جانتا ہوں۔ بہرحال میں اتنا بھی پہنچا ہوا نہیں ہوں کہ مسائل کو چٹکیوں میں اڑاتا پھروں۔''

''میڈم نے ٹھیک ہی کہا تھا۔'' وہ معنی خیز نظر سے مجھے دیکھتے ہوئے بولی۔ ''آپ میں بڑا رکھ رکھاؤ اور ظرف ہے، اس وقت بھی آپ کسرِ نفسی سے کام لے رہے ہیں۔''

میں نے اس گفتگو کو طویل ہونے سے بچانے کی خاطر کہا۔ ''آپ نے ابھی تک اپنی آمد کا مقصد بیان نہیں کیا۔ آپ مجھ سے کس قسم کا مشورہ لینے آئی ہیں؟''

کنگ سائز بیوی کا پاکٹ سائز شوہر اس دوران میں خاموش اور سہما ہوا بیٹھا رہا۔ اس نے اپنی زبان سے ایک لفظ بھی ادا نہیں کیا تھا۔ میں نے فیاض کے چہرے پر ایک عجیب قسم کا خوف دیکھا۔ یوں محسوس ہوتا تھا جیسے اس کی بیوی زبردستی پکڑ کر اسے کسی جلاد صفت معالج کے پاس لے آئی ہو اور اب تب میں اس کا تیاپانچا ہونے والا ہو۔ فیاض کے چہرے سے ہویدا سراسیمگی میں ایک پراسراری پریشانی پائی جاتی تھی۔

ثریا نے میرے سوال کا جواب دیتے ہوئے بتایا۔ ''بیگ صاحب! ہمارا مسئلہ فی الحال زیادہ گمبھیر نہیں ہے مگر آگے چل کر یہ خطرناک صورتحال اختیار کر سکتا ہے، اس لیے ہم نے سوچا، کسی تجربہ کار وکیل سے مشورہ کرنا چاہیے اور ہم آپ کے پاس چلے آئے ہیں۔''

بعض لوگوں کی عادت ہوتی ہے کہ وہ اصل مقصد اور موضوع کو گول کر کے فضول گوئی میں الجھے رہتے ہیں اور دوسروں کو بھی الجھاتے ہیں۔ ثریا کا ٹائپ بھی یہی تھا۔ میرے سوال کا سیدھا جواب دینے کے بجائے وہ خواہ مخواہ کے گھماؤ پھیراؤ سے کام لے رہی تھی۔ ابھی تک واضح نہیں ہو سکا تھا وہ دونوں میرے پاس کیا لینے آئے تھے۔ میں نے قدرے جھنجلاہٹ آمیز انداز میں کہا۔ میری مخاطب ثریا تھی۔

''مسئلہ آپ کو درپیش ہے یا آپ کے شوہر نامدار کو یا پھر دونوں کو؟''

''دیکھیں جی۔'' وہ ایک دم سنجیدہ ہوتے ہوئے بولی۔ ''مسئلہ تو فیاض کا ہے لیکن اگر اسے کچھ ہو گیا تو ظاہر ہے، میں بھی متاثر ہوں گی اس لیے سمجھیں، مسئلہ ہم دونوں کا ہے۔''

''مسئلہ کیا ہے، ذرا یہ بھی بیان کر دیں۔'' میں نے متحمل انداز میں کہا۔ ''آپ کے شوہر فیاض

کو کیا ہونے والا ہے؟"

"میں بتاتا ہوں ثریا۔" پہلی مرتبہ فیاض کی آواز میری سماعت سے ٹکرائی۔ اس کی آواز کی پچ خاصی زیادہ تھی یعنی لہجہ کم وبیش نسوانی تھا۔ وہ میری جانب دیکھتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ "وکیل صاحب! مجھے خدشہ ہے' عنقریب پولیس مجھے گرفتار کرنے والی ہے۔" اتنا کہہ کر اس نے خوف زدہ نظر سے پہلے ثریا کو اور پھر مجھے دیکھا اور بات کو آگے بڑھاتے ہوئے بولا۔ "اس لیے میں آپ کے پاس آیا ہوں کہ آپ گرفتاری سے بچنے کے لیے مجھے کوئی راہ دکھائیں۔"

ثریا نے لقمہ دیا۔ "فیاض کا مطلب ہے' ضمانت قبل از گرفتاری!"

میں نے دوٹوک انداز میں کہا۔ "دیکھیں! میں آپ لوگوں کو اندھیرے میں نہیں رکھنا چاہتا۔ سچی اور کھری بات یہ ہے کہ میں آنکھیں بند کر کے اور سوچے سمجھے بغیر کسی کیس میں ہاتھ نہیں ڈالتا۔ میں وکلاء کے اس گروہ میں سے نہیں ہوں جنہیں صرف اور صرف اپنی فیس کھری کرنے سے غرض ہوتی ہے۔ میں نے اپنے پیشے کے تقدس کو کبھی پامال نہیں کیا۔ اس لیے......"

"میں جانتی ہوں۔" ثریا قطع کلامی کرتے ہوئے بولی۔ "میڈم روزی نے بتایا تھا' آپ بہت اصول پسند اور پیشہ پرست ہیں۔ آپ فکر نہ کریں' ہم آپ سے کسی قسم کی غلط بیانی نہیں کریں گے۔"

میں نے کہا۔ "غلط بیانی کا سوال تو اس وقت پیدا ہوگا جب کوئی بیان ہوگا۔ ابھی تک تو آپ ہوا میں تیر چلا رہے ہیں۔ میرے بارہا پوچھنے پر بھی نہیں بتایا کہ کون سی پریشانی آپ کو گھیر کر میرے پاس لائی ہے۔ فیاض کو پولیس کیوں گرفتار کرنے والی ہے۔ انہیں ضمانت قبل از گرفتاری کی ضرورت کیوں پیش آ گئی۔ وغیرہ وغیرہ......" میں ایک لمحے کو سانس لینے کی خاطر رکا پھر فیاض کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے پوچھا۔ "آپ نے ایسا کون سا جرم کیا ہے جو پولیس آپ کو گرفتار کر لے گی؟"

"کوئی جرم نہیں کیا۔" وہ نحیف آواز میں بولا۔ "سب کچھ غلط فہمی کا نتیجہ ہے۔"

"کیسی غلط فہمی؟" میں نے اسے گھورا۔

وہ تھوک نگلتے ہوئے بولا۔ "دراصل' ڈاکٹر صاحب کو میرے بارے میں ایک غلط فہمی ہو گئی ہے۔ ان کا خیال ہے' میں نے ان کے کلینک میں غبن کیا ہے۔ وہ بددیانتی کے الزام میں مجھے گرفتار کروانا چاہتے ہیں۔ انہوں نے فون پر مجھے دھمکی دی ہے۔"

"یہ ڈاکٹر صاحب کون ذات شریف ہیں۔" میں نے رف پیڈ اور قلم سنبھالتے ہوئے تیکھی نظر سے فیاض کو دیکھا۔ "اور ان کے کلینک سے آپ کا کیا واسطہ ہے؟"

ثریا نے بتایا۔ "ڈاکٹر صاحب کا پورا نام ڈاکٹر قدرت اللہ ہے اور فیاض ان کے کلینک میں کام کرتا تھا۔"

"کرتا تھا...... کا مطلب ہوا' اب نہیں کرتا؟" میں نے پوچھا۔

"جی' ایک ہفتہ پہلے فیاض کو کلینک سے نکال دیا گیا ہے۔" ثریا نے بتایا۔

"غبن کے الزام میں؟" میں نے تصدیق طلب نظر سے اسے دیکھا۔

اس نے اثبات میں گردن ہلانے پر اکتفا کیا۔

میں فیاض کی طرف متوجہ ہو گیا۔ "آپ پر کتنی رقم کے غبن کا الزام ہے؟"

"کم وبیش ایک لاکھ روپے۔" وہ منمنایا۔

"ایک لاکھ روپے!" میں نے حیرت سے دہرایا۔ "اتنی بڑی رقم کا کسی ڈاکٹر کے کلینک میں کیا کام؟ مجھے یقین نہیں آ رہا۔"

ثریا نے جلدی سے کہا۔ "دراصل' ڈاکٹر قدرت اللہ وہ ڈاکٹر نہیں ہیں جو آپ سمجھ رہے ہیں اور نہ ہی ان کا کلینک ویسا ہے جو تصور آپ کے ذہن میں ہے۔"

"پھر؟" میری حیرت دوچند ہو گئی۔

اس نے بتایا۔ "ڈاکٹر قدرت اللہ ایک پولی کلینک چلاتے ہیں "ہم راز پولی کلینک" اس کلینک میں مخصوص امراض کا ہی علاج کیا جاتا ہے اور وہ بھی مخصوص کورسز کے ذریعے۔ آپ کے ذہن میں کسی ایلوپیتھک ڈاکٹر اور اس کے کلینک کا جو تصور ہے' ڈاکٹر قدرت اللہ اور اس کا پولی کلینک اس سے بہت مختلف ہے۔" وہ ایک لمحے کو متوقف ہوئی پھر بات کو آگے بڑھاتے ہوئے بولی۔

"فیاض پر الزام ہے کہ اس نے مختلف وقفوں میں لگ بھگ ایک لاکھ روپے کا غبن کیا ہے۔ ڈاکٹر قدرت اللہ نے اسے کلینک سے برخاست کرنے کے ساتھ ہی فون پر دھمکی ہے کہ وہ اس کے خلاف غبن کی رپورٹ درج کروائے گا۔ اب تو ہمارا مسئلہ آپ کی سمجھ میں آ گیا ہوگا؟"

میں نے پوچھا۔ "فیاض صاحب! ایک لاکھ کوئی معمولی رقم نہیں ہوتی۔ اگرچہ بقول آپ کے' غبن ایک الزام سے زیادہ کچھ حیثیت نہیں رکھتا تاہم آپ کی بات سے ظاہر ہوتا ہے ڈاکٹر قدرت اللہ اپنے مریضوں سے علاج کے سلسلے میں خاصی موٹی رقم وصول کرتا ہوگا؟"

"آپ کا اندازہ درست ہے وکیل صاحب۔" اس نے تائیدی انداز میں سر ہلایا "ہمراز پولی کلینک میں سب سے سستا علاج ذیابیطس (DIABETES) کا کیا جاتا ہے۔ ایک ہفتے کے شرطیہ علاج کے کورس کی قیمت ایک ہزار وصول کی جاتی ہے۔"

میں نے چونک کر اسے دیکھا۔ "یہ سب سے سستا کورس ہے!"

"جی وکیل صاحب!" اس نے اثبات میں سر ہلایا۔

"اس کے علاوہ ہمراز پولی کلینک میں اور کس کس مرض کا علاج کیا جاتا ہے؟" میں نے اپنے تجسس کی تسکین کی خاطر دلچسپی لیتے ہوئے پوچھا۔

فیاض کے جواب نے حیرت کے ساتھ ساتھ مجھے ذہنی اذیت اور کوفت سے بھی دوچار کیا۔
اس نے بتایا۔ ''اس کلینک میں گردے کی پتھری (Kidney, Stone) کا علاج پانچ ہزار میں کیا جاتا ہے۔ مدت علاج پندرہ دن ہے۔ اسی طرح دس ہزار میں بے اولادی (Infertility) کا علاج ایک ماہ کی مدت میں۔ سرطان (Cancer) کا علاج تین ماہ میں' پندرہ ہزار کے عوض اور چھ ماہ میں' بیس ہزار روپے کے عوض ایڈز (Aids) کا علاج کیا جاتا ہے۔ واضح رہے کہ ان پانچ امراض کے علاوہ کسی اور مرض کا علاج نہیں کیا جاتا۔ یہ پانچوں علاج ''شرطیہ'' کی بنیاد پر کیے جاتے ہیں ''منی بیک گارنٹی'' کے ساتھ۔''

اس کی وضاحت پر میں سوائے ماتم کے اور کیا کرسکتا تھا۔ اس قسم کے فراڈ ڈاکٹرز کے اشتہارات اخبارات میں اکثر دیکھنے کو ملتے ہیں جو بڑے دعوے کے ساتھ بعض ناقابل علاج امراض کا بھی شرطیہ علاج کرتے ہیں۔ معاشرے کے یہ ناسور مختلف کورسز کے نام پر اپنے مریضوں کو جو ادویہ کھلاتے ہیں ان میں غالب مقدار اسٹیرائیڈز (Steroids) کی شامل ہوتی ہے۔ اسٹیرائیڈ (steroid) درحقیقت ایک ایسا نامیاتی مرکب (Organic Compound) ہوتا ہے جس میں ہارمونز (Harmones) الکلائیڈز (Alkaloids) اور حیاتین (Vitamins) شامل ہوتے ہیں۔ اسٹیرائیڈز مریض کے جسم میں پہنچ کر فوری عمل کرتا ہے اور پلک جھپکتے میں مرض کی شدت اور تکلیف میں کمی واقع ہو جاتی ہے جس سے مریض سمجھتا ہے' دوا کی پہلی ہی خوراک نے جادوئی اثر دکھایا ہے۔ اسٹیرائیڈز کا استعمال کوالیفائیڈ ڈاکٹرز بہت سوچ سمجھ کر اور انتہائی ناگزیر حالات ہی میں کرتے ہیں' عموماً ان سے پرہیز ہی برتا جاتا ہے' تاہم شرطیہ علاج کے ''ماہرین'' بے دریغ اسٹیرائیڈز استعمال کروا رہے ہیں۔ انہیں صرف اور صرف اپنی تجوریاں بھرنے سے غرض ہے اپنے پاس آنے والے مریضوں سے انہیں ذرہ بھر ہمدردی نہیں ہوتی۔ اس طرح بعض سو فیصد قابل علاج امراض بھی اسٹیرائیڈز کے طویل استعمال سے ناقابل علاج کی صورت اختیار کر لیتے ہیں۔ اس مسئلے کا سب سے افسوس ناک پہلو یہ ہے کہ ''چند یوم میں شرطیہ علاج کے نام نہاد ماہرین کو کوئی پوچھنے والا نہیں۔

میں نے اپنے سامنے بیٹھے ہوئے فیاض سے بحث و مباحثہ مناسب نہ سمجھا۔ ہمراز پولی کلینک جیسے درجنوں عفریت نام اور پیشکش کے فرق سے اپنا دھندا چمکانے میں مصروف ہیں اور ان کے اڈوں پر مریضوں کا تانتا بھی بندھا نظر آتا ہے۔ عوام کی اس جہالت نما سادگی کو تعلیم کی روشنی ہی سے دور کیا جاسکتا ہے' البتہ مجبور اور لاچار' پریشان حال مریضوں کو دو دو ہاتھوں سے لوٹنے والوں کے خلاف حکومت کو کوئی مثبت اور سنجیدہ قدم ضرور اٹھانا چاہیے۔ جرم سے صرف نظر اور جرم کی پردہ پوشی جرم ہی کے زمرے میں آتی ہے۔

میں نے فیاض سے پوچھا۔ ''تم نے بتایا ہے کہ ڈاکٹر قدرت اللہ نے تمہیں فون پر غبن کی دھمکی دی ہے۔ کلینک سے برطرف کرتے وقت اس نے ایسی کوئی بات نہیں کی تھی؟''
''نہیں جناب'' وہ مسکین سی صورت بنا کر بولا۔ ''مجھے ایک ہفتہ پہلے نوکری سے نکالا گیا ہے۔ اس وقت ڈاکٹر صاحب بہت غصے میں تھے۔ میں نے اپنی صفائی میں بہت کچھ کہنے کی کوشش کی لیکن انہوں نے میری ایک نہ سنی۔ ان کا صرف ایک ہی مطالبہ تھا۔ میں فوراً ان کے کلینک سے نکل جاؤں ہمیشہ کے لیے' وہ میری صورت دیکھنے کے روادار نہیں تھے۔ میں نے جب دیکھا' وہ مجھے نکالنے کا پکا فیصلہ کر چکے ہیں اور میری کسی وضاحت کو سننے کے موڈ میں نہیں تو میں خاموشی سے کلینک سے نکل آیا۔'' یہاں تک پہنچ کر فیاض نے تھوڑا توقف کیا اور بولا۔ ''بعد میں انہوں نے فون پر مجھے دھمکی دی کہ میں نے کلینک کے حسابات میں ایک لاکھ کی جوگڑبڑ کی ہے اس غبن کے الزام میں وہ مجھے بند کروا دیں گے۔ میں اسی روز سے پریشان ہوں' ہر وقت دھڑکا لگا رہتا ہے' اب پولیس آئی کہ اب آئی۔''

میں نے پوچھا۔ ''آپ ہمراز پولی کلینک کے کس شعبے سے تعلق رکھتے تھے' میرا مطلب ہے آپ وہاں کیا فرائض انجام دیتے تھے کیونکہ حسابات کے ذکر سے ظاہر ہوتا ہے' آپ کیش وغیرہ کو ڈیل کرتے تھے؟''
''جی وکیل صاحب!'' اس نے اثبات میں گردن ہلائی۔ ''میں مریضوں سے رقم وصول کرتا تھا۔ کلینک کے اوقات میں کیش میرے پاس رہتا اور کلوزنگ سے قبل میں اس دن وصول ہونے والی تمام رقم محمود صاحب کے حوالے کر دیتا تھا۔ اس رقم کا اندراج ہم دونوں کے پاس ہوتا تھا۔ تاہم کیش بالآخر محمود صاحب کے پاس ہی جمع ہوتا تھا۔ محمود کا تعلق ڈاکٹر صاحب کے سسرالی رشتے داروں سے ہے۔ ڈاکٹر قدرت اللہ اس کے خلاف کوئی ایکشن نہیں لے سکتے کیونکہ رشتہ بہت نازک ہے'' ورنہ حسابات میں جو فرق آ رہا تھا وہ محمود کے اندراج کی وجہ سے تھا۔ کچھ رقوم میرے رجسٹر میں تو درج تھیں مگر محمود کے پاس ان کا اندراج نہیں ملا اس طرح خورد برد ہونے والی تقریباً ایک لاکھ روپے کی رقم ڈاکٹر صاحب نے میرے کھاتے میں ڈال دی۔ اندراج کے باوجود بھی مجھے جھوٹا سمجھا گیا جبکہ محمود کی صرف زبان پر اعتبار کر لیا گیا کہ میں نے مذکورہ رقم اسے دی ہی نہیں لہٰذا اس کا اندراج کہاں ہو گا۔''

''تمہاری وضاحت سے تو لگتا ہے' اس غبن یا فراڈ میں محمود کا ہاتھ ہے؟''
''میں کسی پر الزام تراشی کر کے اپنی عاقبت نہیں خراب کرنا چاہتا۔'' وہ سنجیدگی سے بولا۔
''میں نے ڈاکٹر قدرت اللہ کو بھی یہی سمجھانے کی کوشش کی تھی کہ بھول چوک محمود سے ہوئی ہے' اسی سے باز پرس کی جائے۔ میں نے بھول چوک کا استعمال بہت احتیاط سے کیا تھا مگر ڈاکٹر صاحب نے

میری بات پر کوئی توجہ نہ دی۔ محمود کے خلاف وہ ایک لفظ سننے کو تیار نہ ہوئے چنانچہ مجھے وہاں سے آنا پڑا۔"

میں نے اس کی پوری بات سننے کے بعد کہا۔ "آپ کو نوکری سے نکالے ایک ہفتہ ہو گیا ہے نا؟"

"جی! آپ کا اندازہ بالکل درست ہے۔"

"اس دھمکی کے بعد تو ڈاکٹر نے آپ سے کوئی رابطہ نہیں کیا؟"

اس نے نفی میں گردن کو جنبش دی۔

میں نے کہا۔ "اس کا مطلب ہے' ابھی تک آپ کے خلاف رپورٹ درج نہیں کروائی گئی۔"

"کیا واقعی آپ کو اس بات کا یقین ہے؟" اس کی حیرت میں امید کی کرن تھی۔

میں نے پورے وثوق سے کہا۔ "اگر ڈاکٹر قدرت اللہ نے آپ کے خلاف غبن کی رپورٹ درج کروائی ہوتی تو اس وقت آپ آزاد نہ پھر رہے ہوتے بلکہ تھانے کی حوالات میں اکڑوں بیٹھے بیتے دنوں کی یادوں کو بھلانے کی ترکیبیں سوچ رہے ہوتے۔"

اس نے ہونقوں کی طرح منہ کھول کر مجھے دیکھا' میں نے بات کو جاری رکھتے ہوئے کہا۔

"اس قسم کی ایف آئی آر پر پولیس فوراً حرکت میں آتی ہے۔ ایک لاکھ کے غبن کو آپ معمولی معاملہ نہ سمجھیں۔ وہ آپ کے اندر سے ایک لاکھ روپے برآمد کروانے کے لیے ڈاکٹر قدرت اللہ کے مزید چالیس پچاس ہزار خرچ کروا دیتے۔ ڈاکٹر کی رقم تو پتا نہیں' اسے وصول ہوتی یا نہیں البتہ آپ کی کم بختی ضرور آ جاتی۔ اس نوعیت کے کیس سب سے زیادہ سود مند پولیس والوں کے لیے ثابت ہوتے ہیں۔ مجھے سو فیصد امید ہے' ڈاکٹر نے آپ کے خلاف کسی قسم کی رپورٹ درج نہیں کروائی اس لیے آپ مطمئن ہو کر جا سکتے ہیں۔"

ثریا نے تشویش بھرے لہجے میں کہا۔ "بیگ صاحب! اگر ابھی تک فیاض کیخلاف غبن کی ایف آئی آر نہیں کٹوائی گئی تو اس کا یہ مطلب تو نہیں کہ آئندہ بھی نہیں کٹوائی جائے گی۔ ڈاکٹر کے دل میں کسی بھی وقت انتقامی کارروائی کا خیال آ سکتا ہے۔ جان بچانا ہر انسان کا فرض ہے۔ ہم حفظ ماتقدم کے طور پر تو قانونی چارہ جوئی کر سکتے ہیں نا!"

"بالکل کر سکتے ہیں۔" میں نے تسلی آمیز لہجے میں کہا۔ "آپ کل صبح عدالت میں آ کر مجھ سے مل لیں۔ میں آپ کا مسئلہ حل کر دوں گا۔"

پھر میں نے اسے متعلقہ عدالت کے بارے میں بتانے کے بعد دیگر اہم امور سے بھی آگاہ کر دیا۔ تھوڑی دیر بعد وہ دونوں مطمئن ہو کر میرے دفتر سے رخصت ہو گئے۔

☆......☆......☆

اگلے روز ان میں سے کوئی بھی مجھ سے ملنے نہیں آیا۔ میں نے بھی ان کا زیادہ انتظار نہیں کیا اور اپنی عدالتی مصروفیات میں لگ گیا۔ فیاض گزشتہ روز جتنا خوف زدہ نظر آ رہا تھا اس کا تقاضا یہی تھا کہ وہ میرے بتائے ہوئے وقت پر مجھ سے ضرور ملتا۔ ویسے میں نے ایک ہی ملاقات میں بخوبی اندازہ لگا لیا تھا' فیاض کے ہاتھ بھی صاف نہیں تھے۔ وہ تین سال سے ڈاکٹر قدرت اللہ کے "ہمراز پولی کلینک" میں کام کر رہا تھا۔ وہ اتنا ہی بے وقوف یا بچہ نہیں تھا کہ اسے وہاں ہونے والے "شرطیہ علاج" کی حقیقت معلوم نہ ہو۔ وہ ضرور جانتا تھا کہ ڈاکٹر قدرت اللہ لوگوں کو الو بنا کر لمبی چوڑی رقمیں بٹورتا ہے۔ فراڈ کے کسی پروجیکٹ میں معاونت کرنا فراڈ کرنے کے مترادف ہے۔ اس حوالے سے قدرت اللہ نے بھی سمجھداری کا ثبوت دیا تھا اور...... فی الفور فیاض کے خلاف رپورٹ درج نہ کروا کر اپنی بچت کا سامان کیا تھا۔ اسے یہ بات اچھی طرح معلوم ہو گی کہ پولیس والوں کے سامنے اگر اس کے خلاف فیاض کی زبان کھل گئی تو خود اسے لینے کے دینے پڑ جاتے۔ پولیس والے ایسی پارٹیوں کی تلاش میں رہتے ہیں جو مستقبل قریب میں ان کی مستقل آمدنی کا ذریعہ بن سکیں۔ فراڈ اور چیٹنگ کے اکثر دھندے پولیس کی سرپرستی میں پنپتے اور پھولتے پھلتے ہیں۔ میں اسی نتیجے پر پہنچا کہ فیاض اور قدرت اللہ میں کوئی "سیٹنگ" ہو گئی ہو گی۔

تیسرے روز میں عدالت سے فارغ ہو کر اپنے دفتر میں پہنچا تو ویٹنگ روم میں ثریا کو دیکھ کر چونک اٹھا۔ اس نے سر کی ہلکی سی جنبش سے مجھے سلام کیا۔ میں نے اس کے سلام کا اشاراتی جواب دیا اور اپنے چیمبر میں داخل ہو گیا۔ ثریا اس وقت مجھے خاصا متفکر اور گھبرائی ہوئی نظر آئی تھی۔

تھوڑی ہی دیر میں میری سیکرٹری نے انٹرکام پر بتایا۔ "سر! ثریا صاحبہ کافی دیر سے آپ کا انتظار کر رہی ہیں کیا میں انہیں آپ کے پاس بھیج دوں؟" جب میں نے دفتر میں قدم رکھا تو انتظار گاہ میں ثریا کے علاوہ بھی تین چار کلائنٹس موجود تھے۔ اس بات کو ذہن میں رکھتے ہوئے میں نے اپنی سیکرٹری سے استفسار کیا۔

"ثریا صاحبہ کو ان کی باری پر اندر بھیجا جا رہا ہے یا ان کی بے تابی کے پیش نظر؟"

"سر! پہلا نمبر انہی کا ہے۔" سیکرٹری نے جلدی سے کہا۔ "ٹھیک ہے' ثریا صاحبہ کو میرے پاس بھیج دو۔"

بعض اوقات یہ بھی ہوتا تھا کہ فی میل (خواتین) کلائنٹس میری سیکرٹری کو اپنی کسی مجبوری کی کہانی سنا کر کچھ رعایت حاصل کر لیتی تھیں۔ سیکرٹری ان کی دکھ بھری داستان سے اتنی متاثر ہو جاتی کہ کلائنٹس کے نمبروں کی ترتیب میں کچھ گڑبڑ کر کے مذکورہ کلائنٹ کو پہلے ملاقات کا موقع فراہم کر دیتی۔ میں نے اپنے کلائنٹس کی اکا دکا اس نوعیت کی شکایات پر سیکرٹری سے باز پرس کی تھی۔ تاہم میں جانتا تھا' میری سیکرٹری کا وہ فعل انسانی نفسیات کے عین مطابق تھا لہٰذا اس سلسلے میں' میں نے بھی

زیادہ سختی نہیں کی۔

ثریا نے میرے چیمبر میں داخل ہو کر ہراساں لہجے میں بتایا۔ ''بیگ صاحب! غضب ہو گیا' فیاض کو پولیس نے اپنی تحویل میں لے لیا ہے۔''

گھبراہٹ اور پریشانی میں وہ بیٹھنا بھول گئی تھی میں نے تسلی آمیز لہجے میں کہا۔ ''آپ تشریف رکھیں اور تحمل سے مجھے ساری بات بتائیں۔''

وہ اضطراری انداز میں ایک کرسی کھینچ کر بیٹھ گئی میں نے اس کی کیفیت کا جائزہ لیتے ہوئے کہا' ''اس روز میں نے عدالت میں آپ لوگوں کا بہت انتظار کیا۔''

''ہم ایک اور چکر میں پھنس گئے تھے۔'' وہ سرسری انداز میں بولی۔

میں نے کہا۔ ''فیاض کو پولیس نے کب گرفتار کیا؟''

''کل رات دس بجے۔'' وہ بکھرے ہوئے لہجے میں بولی۔

''اگر آپ لوگ اس روز عدالت آ کر مجھ سے مل لیتے تو پھر یہ صورت حال پیش نہ آتی۔'' میں نے کہا۔ ''لگتا ہے' ڈاکٹر قدرت اللہ نے غبن کی رپورٹ درج کروا ہی دی!''

وہ جلدی سے بولی۔ ''وکیل صاحب! یہ غبن والا معاملہ نہیں ہے۔''

''پھر!'' میں نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا۔

''فیاض کو پولیس نے قتل کے الزام میں گرفتار کیا ہے۔''

''قتل!'' میں اچھل پڑا۔

ثریا نے بات ہی ایسی کی تھی کہ مجھے ایک دم جھٹکا لگا۔ قتل کے حوالے سے فوری طور پر میرے ذہن میں ڈاکٹر قدرت اللہ کا نام ابھرا لیکن میں نے لب کشائی کے بجائے مستفسرانہ انداز میں اسے دیکھنے پر اکتفا کیا۔

وہ میری استفسار آمیز الجھن کو بھانپتے ہوئے بولی۔ ''بیگ صاحب! میں نے آپ سے کوئی غلط بیانی نہیں کی۔ فیاض کو واقعی قتل کے الزام میں گرفتار کیا گیا ہے۔''

میں نے ذرا سنبھل کر پوچھا۔ ''فیاض پر کس کے قتل کا الزام ہے؟''

''یوسف کے قتل کا۔'' اس نے بتایا۔

یہ ایک اور انکشاف تھا۔ میں اس کی زبان سے ڈاکٹر قدرت اللہ کا نام سننے کی توقع کر رہا تھا مگر اس نے تو میرے اندازے کو غلط ثابت کر دیا۔ میں نے الجھن زدہ نظر سے اسے دیکھتے ہوئے پوچھا۔ ''یہ یوسف کون ہے؟''

''یوسف بھی ہمراز پولی کلینک پر کام کرتا تھا۔''

''فیاض کی اس سے کیا دشمنی تھی؟''

''کوئی بھی نہیں۔''

''پھر فیاض پر اس کے قتل کا الزام کیوں عائد کیا گیا؟'' میں نے پوچھا۔

وہ سر کو تھامتے ہوئے بولی۔ ''بیگ صاحب! میں محسوس کر رہی ہوں' فیاض کے خلاف کوئی گہری سازش کی گئی ہے۔ وہ ہرگز ہرگز قتل نہیں کر سکتا۔ یوسف کا قاتل کوئی اور ہے۔''

وہ ایک لمحے کو سانس درست کرنے کے لیے رکی پھر روہانسے انداز میں بات جاری رکھتے ہوئے بولی۔ ''یہ ٹھیک ہے' آج کل فیاض یوسف سے سخت ناراض تھا لیکن وہ اس کی جان نہیں لے سکتا۔ یہ مجھے کوئی اور ہی ڈرامہ معلوم ہوتا ہے''۔

میرے استفسار پر ثریا نے بتایا کہ یوسف نامی وہ شخص ہمراز پولی کلینک پر کمپیوٹر آپریٹر کی حیثیت سے کام کرتا تھا۔ ان دنوں کمپیوٹر نیا نیا متعارف ہوا تھا اور مختلف ادارے اس سے فائلنگ کا کام لے رہے تھے۔ ڈاکٹر قدرت اللہ خود کو ترقی یافتہ ثابت کرنے کے لیے اپنے مریضوں کے ریکارڈ کو کمپیوٹرائز کرانے کی مہم میں لگا ہوا تھا۔ دنیا پتا نہیں' کہاں سے کہاں پہنچ گئی مگر ہمارے ملک کے اکثر ادارے آج بھی کمپیوٹر کو ایک ریکارڈ رجسٹر کے طور پر استعمال کر رہے ہیں...... اور یہ بھی بخوبی جانتے ہیں کہ اگر کمپیوٹر کا یہی استعمال ہے تو اس سے بدرجہا وہ رجسٹر محفوظ تھے جو ہاتھ سے لکھے جاتے تھے۔

میں نے اس کی فروعی باتوں کو نظر انداز کرتے ہوئے پوچھا۔ ''فیاض' مقتول سے سخت ناراض کیوں تھا؟''

''اس کا خیال ہے' یوسف نے اس کے خلاف ڈاکٹر قدرت اللہ کے کان بھرے ہیں۔ ان دنوں یوسف ڈاکٹر کے بہت قریب ہو گیا تھا اور فیاض سے بات بات پر الجھ پڑتا تھا حالانکہ یوسف کو اس کلینک میں لانے والا فیاض ہی تھا لیکن وہ احسان فراموش ثابت ہوا اور جیسے ہی اسے ڈاکٹر قدرت اللہ کی قربت میسر آئی' اس نے آنکھیں ہی بدل لیں۔ آئے دن ان میں تلخ کلامی ہوتی رہتی تھی۔''

میں نے رف پیڈ پر اہم نکات نوٹ کرتے ہوئے کہا۔ ''گویا اسی تلخ کلامی کو بنیاد بنا کر پولیس نے فیاض کو گرفتار کیا ہے؟''

''یہ تلخ کلامی تو اپنی جگہ تھی ہی۔'' وہ افسوس ناک انداز میں گردن جھٹکتے ہوئے بولی ''فیاض کی ایک جذباتی غلطی نے اس کی گردن پھنسائی ہے۔''

''جذباتی غلطی؟'' میں نے سوالیہ انداز میں اس کے الفاظ دہرائے۔

اس نے بتایا۔ ''ہاں بیگ صاحب! فیاض نے جوش جذبات میں آ کر ایک حماقت کر ڈالی تھی جو اس کی مصیبت کا باعث بن گئی۔'' وہ تھوڑے توقف کے بعد دوبارہ گویا ہوئی۔ ''جب ڈاکٹر قدرت اللہ نے فیاض کو نوکری سے نکالا تو ڈاکٹر کے کمرے سے نکلنے کے بعد اس نے دیگر اسٹاف کے سامنے خاصا واویلا مچایا تھا اور خاص طور پر یوسف کو مخاطب کرتے ہوئے کہا تھا کہ وہ اسے زندہ نہیں

چھوڑے گا۔ یوسف کی سازش کی وجہ سے اس کی نوکری گئی ہے۔ وہ یوسف کو ایسا مزہ چکھائے گا کہ لوگ اس سے عبرت پکڑیں گے۔ بس اس موقع پر کہے ہوئے فیاض کے ان جذباتی کلمات نے کھیل بگاڑ دیا اور پولیس نے فیاض کو یوسف کے قتل کے الزام میں گرفتار کر لیا ہے۔''

صورت حال واقعی بہت گمبھیر تھی اگرچہ فیاض' یوسف کے قتل میں کسی بھی طور ملوث نہیں تھا پھر بھی اس کی پوزیشن خاصی نازک تھی۔ میں نے قدرے خفگی آمیز لہجے میں ثریا سے کہا۔

''آپ لوگوں نے پہلی ملاقات میں اس دھمکی کے بارے میں مجھے کیوں نہیں بتایا تھا۔''

''ہمارا اس طرف دھیان نہیں گیا تھا۔'' وہ بے بسی سے بولی۔

میں نے پوچھا۔''فیاض کو پولیس نے کہاں سے گرفتار کیا ہے؟''

''ہمارے گھر سے' کل رات دس بجے۔'' اس نے بتایا۔''گلشن اقبال میں ہمارا ایک چھوٹا سا بنگلا ہے۔''

میں نے سوال کیا اگر پولیس نے گزشتہ رات فیاض کو گرفتار کیا ہے تو پھر آج اسے عدالت میں ضرور پیش کیا ہو گا۔ اس وقت وہ کہاں ہے؟''

''آپ بالکل ٹھیک کہہ رہے ہیں بیگ صاحب۔'' وہ تھوک نگلتے ہوئی بولی۔''پولیس نے آج صبح فیاض کو عدالت میں پیش کر کے سات روز کا ریمانڈ لے لیا ہے۔ اس وقت تھانے میر پولیس کی تحویل میں ہے۔'' پھر اس نے مجھے متعلقہ تھانے کا نام بتایا۔

''اس کا مطلب ہے' فی الحال فیاض کی ضمانت کیلئے کچھ نہیں کیا جا سکتا۔'' میں نے افسوس کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔ ''جب تک پولیس عدالت میں چالان پیش نہیں کر دیتی' کوئی قانونی پیش رفت نہیں ہو سکتی۔'' پھر میں نے قدرے سختی سے کہا۔''آپ اب تک کیا کر رہی تھیں۔ فیاض کی گرفتاری کے فوراً بعد مجھے مطلع کیوں نہیں کیا؟''

وہ ندامت آمیز انداز میں بولی۔'' سچ پوچھیں تو میرے ہوش ہی ٹھکانے نہیں رہے تھے۔ فیاض کی گرفتاری نے میری سوچنے سمجھنے کی صلاحیت ہی مفقود کر دی تھی۔ آج صبح عدالت میں مجھے آپ کا خیال آیا اور میں نے آپ کو تلاش بھی کیا مگر مجھے ناکامی ہوئی۔ بس' جب قسمت ہی بری ہو تو کوئی کیا کر سکتا ہے۔''

''قسمت کو دوش دینے کے بجائے اپنے طرز عمل پر غور کرنا چاہیے۔'' میں نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔''انسان اگر اپنی غلطیوں کا احساس کر کے ان کا اعادہ کرنے سے گریز کرے تو قسمت بھی ساتھ دینے لگتی ہے۔ بہر حال' پریشانی میں انسان خود کو بھول جاتا ہے اس لیے کسی دوسرے کو تلاش کرنا مشکل ہوتا ہے۔ میں پورا وقت عدالت ہی میں رہا ہوں۔''

وہ ملتجیانہ انداز میں بولی۔'' بیگ صاحب! جو ہونا تھا ہو چکا۔ اب آپ فیاض کی رہائی کے

لیے کوشش کریں۔ آپ جتنی بھی فیس لینا چاہیں میں دینے کو تیار ہوں۔''

''فیس تو میں لوں گا ہی۔'' میں نے پرسوچ انداز میں کہا لیکن ایک بات ذہن میں بٹھا لیں' سردست میں فیاض کے لیے کچھ نہیں کر سکتا۔ ریمانڈ کی مدت پوری ہونے تک آپ کو انتظار کرنا ہو گا۔ اس کے بعد ہی فیاض کے لیے درخواست ضمانت دائر کی جا سکتی ہے۔ ہاں فی الحال یہ ہو سکتا ہے کہ میں آج ہی تھانے میں جا کر اس سے ملاقات کر لیتا ہوں جس سے مجھے کیس کو سمجھنے میں مدد ملے گی۔''

وہ قدرے مطمئن ہوتے ہوئے بولی۔'' سات روز بعد فیاض کی ضمانت ہو جائے گی؟''

''میں پوری کوشش کروں گا۔'' میں نے تسلی آمیز لہجے میں کہا۔''آپ کو کسی شخصی ضمانت یا پھر رقم کا بندوبست کرنا ہو گا۔''

وہ سوچ میں پڑ گئی۔''شخصی ضمانت تو ممکن نہیں البتہ میں رقم کا انتظام کر سکتی ہوں۔ ضمانت کے لیے کتنی رقم درکار ہو گی؟''

''کم از کم پچاس ہزار روپے کا ذاتی مچلکہ بھرنا ہو گا۔''

''ٹھیک ہے' میں اس سے کچھ زیادہ ہی رقم اپنے اکاؤنٹ سے نکلوا لوں گی۔'' وہ پرسکون انداز میں بولی۔''آپ اپنی فیس بھی بتا دیں؟''

میں نے اسے ایک اماؤنٹ بتایا اور کہا۔'' یہ تو صرف میری فیس ہے۔ اسے آپ ایک طرح سے کیس ٹیکنگ بھی کہہ سکتی ہیں۔ آگے چل کر اور بھی اخراجات ہو سکتے ہیں۔ عدالتی حرجہ خرچہ اس کے علاوہ ہو گا۔''

اس نے فوری طور پر فیس کی رقم اپنے بیگ میں سے نکال کر میری جانب بڑھا دی اور بولی۔

''آپ بسم اللہ کریں۔ بعد کی بعد میں دیکھیں گے۔''

میں نے فوراً فیس کی وصولی کی رسید کاٹ کر اس کے حوالے کر دی۔

اس نے رسید کا جائزہ لیا اور اسے اپنے بیگ میں رکھ لیا۔ میں نے دوبارہ کاغذ قلم سنبھالتے ہوئے کہا۔''مقتول یوسف کو کب اور کہاں قتل کیا گیا ہے؟''

''کل دوپہر میں یعنی آٹھ اکتوبر کو۔'' اس نے جواب دیا۔''اور یہ قتل ہمراز پولی کلینک ہی میں ہوا ہے۔''

میں نے پرخیال انداز میں کہا۔''کل دوپہر کو ہمراز پولی کلینک میں یوسف کا قتل ہوا اور کل ہی رات دس بجے فیاض کو اس کے گھر واقع گلشن اقبال سے گرفتار کیا گیا۔ کیا آپ بتا سکتی ہیں' کل دوپہر سے رات دس بجے تک کا وقت اس نے کہاں گزارا تھا؟''

''وہ کل رات آٹھ بجے گھر آیا تھا۔'' ثریا نے بتایا۔''آٹھ سے دس بجے تک وہ گھر میں

میری نظر کے سامنے رہا۔ آٹھ سے پہلے کے وقت کے بارے میں میں کچھ نہیں کہہ سکتی۔ آپ فیاض سے ملاقات کرنے جائیں گے تو اسی سے پوچھ لیجیے گا۔''

''اوکے!'' میں نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا پھر پوچھا۔''اگر آپ میرے ساتھ تھانے جانا چاہتی ہیں تو اس کے لیے آپ کو تین چار گھنٹے انتظار کرنا ہوگا۔ میں دفتر سے فارغ ہونے کے بعد ہی اس طرف جاؤں گا۔''

''کیا آپ کے ساتھ میرا جانا بہت ضروری ہے؟''

''قطعاً ضروری نہیں۔'' میں نے صاف گوئی سے کام لیتے ہوئے کہا۔''آپ نے متعلقہ تھانے کے بارے میں مجھے بتا دیا ہے۔ بس اتنا ہی کافی ہے۔''

وہ اطمینان بھری سانس خارج کرتے ہوئے بولی۔'' تب میں فوراً گھر جانا چاہوں گی۔ بچے میرے انتظار میں پریشان ہو رہے ہوں گے۔''

ثریا نے مجھے بتایا کہ وہ آٹھ سالہ نبیل اور بارہ سالہ عارفہ کو گھر چھوڑ کر آئی تھی۔ میں نے پہلی فرصت میں اسے رخصت کر دیا۔ ماں کی سب سے زیادہ ضرورت بچوں کو ہوتی ہے۔

☆......☆......☆

ریمانڈ پر پولیس کی تحویل میں کسی ملزم سے ملاقات کو بارہا بیان کیا گیا ہے۔ اس کا طریقہ کار کم و بیش ایک سا ہی ہوتا ہے۔ خاص طور پر قتل کے ملزم کو پولیس کسٹڈی میں بہت سیکرٹ رکھا جاتا ہے کسی وکیل کو اس سے ملنے کی اجازت ہرگز نہیں دی جاتی چنانچہ شاطر وکلاء کو مخصوص ہتھکنڈے آزمانا پڑتے ہیں۔ جب گھی سیدھی انگلی سے نہ نکل رہا ہو تو انگلی کو ٹیڑھا کرنا ناگزیر ہو جاتا ہے۔

فیاض سے آدھے گھنٹے کی ملاقات میں مجھے جو معلومات حاصل ہوئیں میں یہاں ان کا خلاصہ بیان کروں گا۔ اس خلاصے میں واقعات کے تسلسل کو برقرار رکھنے کے لیے میں نے وہ حالات بھی شامل کر لیے ہیں جن کے بارے میں مجھے بعد میں پتا چلا۔ اسی طرح کیس میں سسپنس اور دلچسپی کا عنصر بڑھانے کی خاطر میں نے چند باتیں دانستہ چھپا بھی لی ہیں تاکہ عدالتی کارروائی کے دوران میں مناسب موقع پر ان کا ذکر کے لطف کو دوبالا کیا جا سکے۔ ناول کے ان صفحات میں چھپنے والی میری ان کہانیوں کا صرف یہی مقصد نہیں ہے کہ میں قارئین کو اپنے کارناموں سے آگاہ کروں بلکہ میں نے قارئین کی تفریح طبع کو ہمیشہ مقدم جانا ہے۔ اس کوشش میں میں کس حد تک کامیاب ہوں یہ تو آپ ہی بتا سکتے ہیں!

اس مختصر سی وضاحت کے بعد میں اصل واقعے کی طرف آتا ہوں۔

''ہمراز پولی کلینک'' شارع فیصل پر ایک ملٹی اسٹوری بلڈنگ کے آٹھویں فلور پر واقع تھا۔ اس کلینک کا کرتا دھرتا ڈاکٹر قدرت اللہ طویل عرصے سے دکھی انسانوں کے دکھوں میں بے دریغ

اضافہ کرنے میں مصروف تھا۔ ایک طرف وہ کورسز کے نام پر بھاری رقوم وصول کر کے مریضوں اور ان کے لواحقین کو معاشی طور پر تباہ کرتا تو دوسری جانب نہایت ہی سنجیدہ اور خطرناک امراض کا بے تکا علاج کر کے مریض کو موت کے منہ میں دھکیلنے میں ذرا بھی نہیں شرماتا تھا۔ فراڈ کے اس کاروبار نے اسے معاشی استحکام کے ساتھ ساتھ بے پناہ شہرت بھی دی تھی۔ کاروبار کے ساتھ ساتھ اس کی رہائش نے بھی بہت ترقی کی تھی۔ وہ لالوکھیت سے براستہ ناظم آباد گلشن سفر کرتے ہوئے ڈیفنس سوسائٹی تک پہنچ گیا تھا اور اس وقت اس کے کلائنٹ پاکستان سے باہر بھی کئی ملکوں میں موجود تھے۔

ایمان داری اور بے ایمانی کے کام میں یہی بنیادی فرق ہے۔ نہایت ہی دیانتداری سے اور خلوص نیت سے کسی کام کو شروع کر کے کامیاب کروانے اور اپنا سکہ بٹھانے کے لیے خود کو منوانا پڑتا ہے یعنی عوام کو سو فیصد نتائج دینا پڑتے ہیں تب کہیں جا کر کاروبار چلتا ہے جبکہ فراڈ بزنس کے لیے بلند بانگ دعوے اور بھرپور پبلسٹی ہی کافی ہوتی ہے۔ عوام بھیڑ چال کے عادی ہیں اور خوش نما اشتہار بازی میں خوب پھنستے ہیں۔ اس طلسمی ٹرانس میں نتائج کی پروا کوئی نہیں کرتا۔ ڈاکٹر قدرت اللہ کے علاج سے موذی امراض میں مبتلا کتنے افراد صحت یاب ہوئے تھے کوئی نہیں جانتا اور نہ ہی جاننے کی ضرورت محسوس کرتا ہے۔

ڈاکٹر قدرت اللہ کے اشتہار نما کالم اور انٹرویوز اکثر اخبارات کی زینت بنتے اور نئے ضرورت مندوں کو اپنی جانب متوجہ کر لیتے۔ یہی اس کی کامیابی کا راز تھا۔ شاید اسی لیے اس نے اپنے دھندے کو ہمراز پولی کلینک کا نام دیا تھا۔

میرا موکل اور اس مقدمے کا ملزم فیاض لگ بھگ تین سال تک اس کلینک میں کام کرتا رہا۔

اب میں ڈاکٹر قدرت اللہ کو پس پشت ڈال کر فیاض اور یوسف کی طرف آتا ہوں۔ فیاض کو یوسف کے قتل کے الزام میں گرفتار کرنے کی بنیادی وجہ یہ تھی کہ کلینک چھوڑتے وقت فیاض نے یوسف کو جان سے مارنے کی دھمکی دی تھی۔ یہ فیاض کا ایک جذباتی ردعمل تھا بہرحال جوش میں ادا کیے ہوئے الفاظ نے اس کے لیے بہت بڑی مصیبت کھڑی کر دی تھی۔

فیاض کی بے انتہا برہمی کا سبب یہ تھا کہ یوسف نے احسان فراموش ہونے کا ثبوت دیا تھا۔ اس کلینک میں فیاض ہی نے مقتول کو ملازمت دلوائی تھی ورنہ اس سے پہلے وہ بری طرح خوار اور بیروزگار تھا۔ ہمراز پولی کلینک پر ملازم ہوئے اسے کم و بیش ایک سال ہو گیا تھا۔

مقتول یوسف کی رہائش منظور کالونی میں تھی۔ وہ ایک جواری باپ اور بے چاری ماں کا اکلوتا بیٹا تھا۔ گھریلو حالات کی وجہ سے وہ اپنی تعلیم کو انٹرمیڈیٹ سے آگے نہ بڑھا سکا۔ اس نے ابتدا میں بہت سے اور مختلف النوعیت کام کیے جن میں ویلڈنگ الیکٹرک وائرنگ پلمبنگ کنسٹرکشن لیبر اور ریڈیو ٹی وی ریپئرنگ وغیرہ۔ بندہ تیز اور ہنرمند تھا اس لیے نظریہ ضرورت کے تحت جس کام میں

بھی ہاتھ ڈالتا' بہت کم وقت میں اس کی تہہ تک پہنچ جاتا۔ تلون مزاجی کے باعث وہ کوئی ایک کام تک کر نہیں کر سکا تھا ورنہ وہ آج کسی مقام پر ہوتا۔

پھر پاکستان میں کمپیوٹر متعارف ہوا تو مقتول سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر اس طرف متوجہ ہوگیا۔ ریڈیو ٹی وی کے سرکٹس اور فنکشنز سے وہ کھیلتا آیا تھا لہٰذا اس میدان میں اسے زیادہ دشواری کا سامنا نہیں کرنا پڑا۔ ہاتھ پاؤں مار کر اس نے بہت جلد کمپیوٹر ''کھولنا'' اور چلانا سیکھ لیا۔ اس کی استعداد فائلنگ تک محدود تھی۔ اس زمانے میں کمپیوٹر کا استعمال بھی اسی حد تک تھا۔ افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ آج' اکیس ویں صدی میں جبکہ دنیا ایک گلوبل ولیج کی صورت اختیار کر چکی ہے ہمارے ملک کے بعض دقیانوسی ادارے انفارمیشن ٹیکنالوجی کے اس جن کو ابھی تک صرف فائلنگ اور ریکارڈ کیپنگ کے مقاصد کے لیے استعمال کر رہے ہیں۔

گلشن میں آباد ہونے سے پہلے فیاض بھی منظور کالونی میں رہتا تھا۔ یوسف سے اس کی بہت اچھی یاد اللہ تھی۔ وہ یوسف کی کمپیوٹر میں استعداد سے واقف تھا چنانچہ جب ڈاکٹر قدرت اللہ کو ایک کمپیوٹر آپریٹر کی ضرورت پڑی تو فیاض نے یوسف کا نام پیش کر کے اس کی اچھی خاصی تعریفیں بھی کر دیں۔ نتیجتاً یوسف کو ہمراز پولی کلینک میں ملازمت مل گئی۔

ڈاکٹر قدرت اللہ بین الاقوامی خطوط پر سوچنے کا عادی تھا۔ اس نے کمپیوٹر کی افادیت کو بہت دور تک محسوس کر لیا اور اپنے کلینک کو جدید راہ پر استوار کرنے کے لیے اس نے ابتدائی طور پر کمپیوٹر کا استعمال شروع کر دیا۔ وہ ایک ماسٹر مائنڈ آدمی تھا۔ اگرچہ اس کا مائنڈ غلط کاریوں کی نذر ہو چکا تھا۔ فراڈ کے کاموں کے لیے ایک مثل مشہور ہے...... چوری کا مال اور لاٹھیوں کے گز۔ قدرت اللہ جانتا تھا' کلینک کی ہزاروں کی آمدنی میں گڑبڑ کر کے اسٹاف کے بعض افراد اسے چونا لگا رہے ہیں۔ وہ ایک ایک حساب پر نظر نہیں رکھ سکتا تھا چنانچہ اس نے یوسف پر اعتماد ظاہر کر کے باقی اسٹاف کے لیے بداعتمادی کا اظہار کر دیا۔

اس نے ایک روز یوسف کو اپنے کمرے میں بلایا اور نہایت ہی رازداری سے کہا۔ ''تم تین ماہ سے میرے کلینک میں کام کر رہے ہو۔ میں نے تمہیں ایماندار اور محنتی پایا ہے' اس لیے تم پر بھروسا کر رہا ہوں۔ کہیں میں غلط تو نہیں کر رہا؟''

اس سوال نے یوسف کو بوکھلا دیا۔ وہ اس کے سوا کچھ نہ کہہ سکا۔ ''سر! آپ غلط کیسے کہہ سکتے ہیں۔ آپ ایک جہاں دیدہ اور تجربہ کار انسان ہیں۔ آپ نے میرے بارے میں جو بھی اندازہ لگایا ہے وہ ٹھیک ہی ہوگا۔ اب میں اپنے منہ سے کیا کہوں!''

''تمہیں اپنے منہ سے کچھ کہنے کی ضرورت بھی نہیں۔''

قدرت اللہ نے کہا۔ ''تمہارا کام سب کچھ ظاہر کر رہا ہے۔ بہرحال تم میرے کلینک پر خوش تو

ہو نا! کوئی مسئلہ ہو تو بتاؤ؟''

محدود آمدنی والے ہر انسان کا فوری طور پر صرف ایک ہی مسئلہ ہوتا ہے' یوسف نے بھی ڈرتے ڈرتے وہ مسئلہ بیان کر دیا۔ ''سر! ویسے تو میں خوش ہی ہوں۔ مجھے یہاں کوئی پریشانی نہیں لیکن آپ جانتے ہیں مہنگائی کس قدر بڑھ چکی ہے۔ آپ مجھے جو تنخواہ دیتے ہیں وہ اگرچہ بہت مناسب ہے مگر گزارہ......''

''ٹھیک ہے' ٹھیک ہے۔'' یوسف کی بات مکمل ہونے سے پہلے ہی قدرت اللہ نے کہا ''آئندہ ماہ سے میں تمہاری تنخواہ میں پانچ سو روپے کا اضافہ کر رہا ہوں۔ مجھے امید ہے تمہارا مسئلہ حل ہو جائے گا۔''

''تھینک یو سر!'' یوسف نے ممنونیت سے کہا۔

قدرت اللہ یک دم سنجیدہ ہوگیا۔ اس نے نہایت ہی ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔ ''تم جانتے ہو' پرائیویٹ اداروں میں جب تنخواہ میں اضافہ ہوتا ہے تو کام بھی بڑھ جاتا ہے۔''

''میں کام سے نہیں گھبراتا سر! آپ حکم کریں۔''

''میں تمہیں جو کام سونپنے والا ہوں اس کے لیے رازداری بہت اہم ہے۔'' قدرت اللہ نے کہا ''وعدہ کرو' یہ گفتگو صرف ہم دونوں کے درمیان رہے گی۔''

یوسف اپنے مقام دل پر ہاتھ رکھتے ہوئے بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ ''آپ بے فکر ہو جائیں سر! میں اپنی زبان تو کٹوا سکتا ہوں مگر کھول نہیں سکتا۔ اگر آپ کو میری بات پر اعتبار نہ ہو تو میں بڑی سے بڑی قسم کھانے کو تیار ہوں۔''

''اس کی ضرورت نہیں۔'' ڈاکٹر قدرت اللہ نے قطعیت سے کہا۔ ''قسمیں کھا کر جو عہد کیے جاتے ہیں ان میں سے اکثر کے نتائج خلاف توقع اور نقصان دہ برآمد ہوتے ہیں۔ میں تمہاری زبان پر اعتبار کر رہا ہوں۔''

یوسف کی حالت دیدنی تھی۔ وہ خوشی سے پھٹ پڑنے کے قریب تھا۔ ہیجانی انداز میں گویا ہوا۔ ''سر! یہ کہہ کر تو آپ نے مجھے خرید لیا ہے۔ آپ ایک اچھے معالج ہی نہیں بلکہ بہت عظیم انسان بھی ہیں۔''

قدرت اللہ نے یوسف کو اپنا مزید وفادار بنانے کے لیے اس کے نازک پہلو کو چھیڑ دیا۔ ''تم نے ابھی تک شادی کیوں نہیں کی حالانکہ اچھی خاصی عمر کے ہو چکے ہو؟''

''وہ...... وہ جی بس...... کبھی ایسا سوچا ہی نہیں۔'' یوسف گڑبڑا گیا۔

قدرت اللہ نے کہا ''میرے خیال میں تم پینتیس سال کے قریب ہو۔ اتنی عمر گزر جانے کے باوجود بھی شادی کے بارے میں نہ سوچنا سمجھ میں آنے والی بات نہیں۔ مجھے دیکھو!'' اتنا کہہ کر قدرت

اللہ نے سینہ پھلایا اور فخریہ لہجے میں بولا۔ '' ساٹھ کا ہو گیا ہوں مگر خواہش کا یہ عالم ہے کہ تیسری کرنے پر ہر وقت تیار رہتا ہوں۔''

ڈاکٹر قدرت اللہ اس وقت دو بیویوں کا شوہر تھا۔

یوسف جز بز ہوتے ہوئے بولا۔ '' سر! آپ تو بڑے آدمی ہیں۔ اللہ نے آپ کو بے پناہ وسائل سے نواز رکھا ہے۔ آپ ایک چھوڑ' دس شادیاں کر سکتے ہیں۔ آپ کے پاس کس چیز کی کمی ہے۔''

''میاں!'' قدرت اللہ نے فلسفانہ انداز میں کہا۔ '' شادیاں وسائل سے نہیں بلکہ مسائل سے ہوتی ہیں۔ جب تک انسان کے لیے کوئی مسئلہ نہ پیدا ہو وہ اس بندھن کا خیال دل میں نہیں لاتا۔ تم بھی اپنی زندگی میں اس قسم کا کوئی مسئلہ پیدا کرو پھر خود بخود شادی کے بارے میں سوچنے لگو گے...... اور اگر کوئی دوسری پرابلم ہو تو شرمانے کی ضرورت نہیں۔ ہم کس لیے بیٹھے ہیں؟ پوری دنیا یہاں سے صحت یاب ہو کر جاتی ہے۔''

یوسف' قدرت اللہ کی کنایاتی باتوں کو پوری وضاحت سے سمجھ گیا' جلدی سے نفی میں گردن ہلاتے ہوئے بولا ''نہیں نہیں' سر! ایسی تو کوئی بات نہیں۔''

یوسف حیران تھا کہ قدرت اللہ یہ کس قسم کی باتیں لے بیٹھا تھا۔ وہ تو اس سے کوئی راز اور بھروسے کی بات کرنے والا تھا' اس کی شادی کا تذکرہ کہاں سے نکل آیا؟ کیا اس راز کا تعلق یوسف کی شادی سے تھا۔ یوسف کے ذہن میں متعدد سوالات چکرا رہے تھے لیکن وہ اپنے باس سے کچھ بھی پوچھنے کی ہمت نہ کر سکا اور اس کے بولنے کا انتظار کرنے لگا۔

قدرت اللہ چند لمحے خاموش رہنے کے بعد بولا ''وہ میرے ایک مریض کی اکلوتی بیٹی ہے کروڑوں کی جائیداد کی وارث۔ اس کی والدہ میری معتقد ہے۔ وہ میری مرضی کے خلاف نہیں جائے گی۔ میں تمہارا نام پیش کروں گا تو وہ انکار نہیں کرے گی۔ اگر تم تیار ہو تو میں بات کروں؟''

اس موقع پر یوسف کو پوچھنا چاہیے تھا کہ اگر وہ لڑکی کروڑوں کی جائیداد کی اکلوتی وارث ہے تو اس کے لیے صاحب ثروت رشتوں کی کمی کیوں ہے؟ مگر وہ اس وقت پوری طرح ڈاکٹر قدرت اللہ کے ٹرانس میں تھا' اس کی سماعت میں شادیانے رس گھول رہے تھے اور وہ تصور میں ایک حسین وجمیل کروڑ پتی دوشیزہ کا گھونگھٹ اٹھا رہا تھا۔ اس کے ہاتھ گھونگھٹ کو چھوتے ہی کپکپانے لگے تھے لہٰذا وہ لرزتی ہوئی آواز میں بولا۔

''اووو...... اور...... اس کا باپ؟''

اس لکنت زدہ سوال کا مطلب تھا' سر! اگر لڑکی کی ماں آپ کی بات نہیں ٹالے گی تو کیا لڑکی کا باپ بھی اس رشتے کے لیے تیار ہو جائے گا؟

ڈاکٹر قدرت اللہ ایک کائیاں اور انسانی نفسیات کا ماہر تھا۔ فراڈ بزنس میں کامیابی حاصل کرنے کے لیے اپنے فن سے زیادہ انسانی نفسیات کا ماہر ہونا ضروری ہے۔ قدرت اللہ' یوسف کا اشارہ سمجھ گیا۔ اس نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔

''لڑکی کے باپ کا کوئی مسئلہ نہیں۔ چند ماہ پہلے اس کا انتقال ہو گیا۔''

''یعنی آپ کا مریض اب اس دنیا میں نہیں؟''

قدرت اللہ افسوس ناک انداز میں بولا ''اسے جب میرے پاس لایا گیا تو وہ کینسر کے چوتھے سٹیج میں تھا۔ عام طور پر لوگ کینسر کے تین اسٹیجز سے واقف ہیں لیکن میرے ہاں چوتھا سٹیج بھی ہوتا ہے۔ یہ وہ مرحلہ ہے جب مریض کی زندگی چند روزہ اور موت یقینی ہو جاتی ہے۔ کاش! وہ مریض کچھ عرصہ پہلے میرے علاج میں آ جاتا تو میں اس کے مرض کو دیکھ لیتا!'' بات ختم کر کے قدرت اللہ بہت دکھی اور ملول نظر آنے لگا ''مرض کو دیکھ لیتا'' کے الفاظ اس نے کچھ ایسے انداز میں ادا کیے تھے جیسے وہ اس مرض سے کشتی کا ارادہ رکھتا ہو۔

ان کے درمیان تھوڑی دیر تک گمبھیر خاموشی حائل رہی پھر قدرت اللہ نے سوالیہ نظر سے یوسف کو دیکھا۔ پتا نہیں' قدرت اللہ کے ذہن میں اس وقت کون سا سوال تھا۔ جس طرح بھوکے شخص کو چاند بھی روٹی نظر آتا ہے اسی حساب سے یوسف نے قدرت اللہ کے سوالیہ انداز سے اپنی مرضی کا سوال اخذ کر لیا اور بے تابی سے بولا۔

''میں تیار ہوں سر! اس شادی کے لیے بالکل تیار ہوں۔''

پتا نہیں' قدرت اللہ نے اس شادی کے حوالے سے کیا سوچ رکھا تھا بہر حال' یوسف پوری طرح اس کی مٹھی میں آ چکا تھا اس سے وفاداری کی امید رکھی جا سکتی تھی۔ شادی کے ذکر کو بڑی خوب صورتی سے سمیٹتے ہوئے وہ اصل موضوع کی طرف آ گیا۔

''میں نے تمہیں ایک نئی ذمہ داری سونپنے کی بات کی تھی۔'' اس نے کہا۔ یوسف ہمہ تن گوش ہو گیا۔ وہ بولا ''محمود تو میرے بھروسے کا آدمی ہے لیکن دوسرے لوگوں پر مجھے اعتبار نہیں۔ میں محسوس کر رہا ہوں' وہ چپکے چپکے حسابات میں گڑ بڑ کر کے مجھے مالی نقصان پہنچا رہے ہیں۔ تمہیں ان کی سرگرمیوں پر نگاہ رکھنا ہو گی۔''

یوسف نے کچھ سوچتے ہوئے کہا '' سر! اگر محمود صاحب کو نکال دیں تو باقی صرف اسٹاف کے تین افراد ہی بچتے ہیں۔ ایک میں ہوں اور باقی دو فیاض اور زاہد ہیں۔ آفس بوائے ریحان (اس کی حیثیت ایک چپراسی کی سی تھی) کا چونکہ کسی مالی معاملے میں ہاتھ نہیں اس لیے اسے بھی شمار نہیں کیا جا سکتا۔''

''تمہارا اندازہ بالکل درست ہے۔'' قدرت اللہ نے سراہنے والے انداز میں کہا ''تم اور

ریحان مجھے ٹھیک نظر آتے ہو۔ تمہارے ہاتھ صاف ہیں۔ درحقیقت مجھے فیاض اور زاہد پر شک ہے یا تو وہ آپس میں ملے ہوئے ہیں یا ان میں سے کوئی ایک ہنر دکھا رہا ہے۔ یہ بھی ممکن ہے' وہ دونوں انفرادی طور پر اپنی اپنی جگہ کام دکھا رہے ہوں۔ تمہیں ہاتھ دھو کر اور نظر بچا کر انہیں واچ کرنا ہے۔ جیسے ہی کوئی مشکوک بات تمہاری نگاہ میں آئے' تم نہایت ہی رازداری سے مجھے مطلع کرو گے۔ تم سب کے ساتھ پہلے کی طرح گھل مل کر ہی رہنا تاکہ مشتبہ افراد تمہاری طرف سے محتاط نہ ہو جائیں۔"

"ٹھیک ہے سر! میں یہ کام بڑی خوبصورتی سے کرلوں گا۔" یوسف نے پراعتماد لہجے میں یقین دلایا۔

قدرت اللہ نے کہا "اصولی طور پر مجھے یہ ذمہ داری محمود کو سونپنا چاہیے تھی لیکن وہ بہت ہی سیدھا اور بھلا مانس سا آدمی ہے۔ یہ کام اس کے بس کا نہیں۔ فیاض بہت چلتا پرزہ ہے۔ وہ دومنٹ میں اسے الو بنا دے گا۔" پھر یوسف کی طرف دیکھتے ہوئے اس نے توصیفی انداز میں کہا "تم میں مجھے بہت ٹیلنٹ نظر آ رہا ہے۔ مجھے امید ہے تم یہ معرکہ آسانی سے سر کرلو گے۔"

"انشاء اللہ سر! آپ بے فکر ہو جائیں۔"

"اگر تم نے اس مشن میں کامیابی حاصل کرلی تو سمجھ لو' تمہاری ترقی کے امکانات روشن ہو جائیں گے۔" قدرت اللہ نے پرسوچ انداز میں کہا "میرا کاروبار خاصا پھیلتا جا رہا ہے مگر کلینک ایک ہی ہے۔ لوگوں کو دوردراز شہروں سے سفر کر کے کراچی آنا پڑتا ہے۔ میں ان کی مشکلات اور پریشانیوں کو سمجھ سکتا ہوں۔ عنقریب میں اپنے کلینک کی چند برانچز کھولنے والا ہوں۔ ابتدائی طور پر ایک' ایک برانچ لاہور' اسلام آباد' فیصل آباد اور حیدرآباد میں کھولوں گا۔ مہینے میں تین چار روز ہر برانچ پر بیٹھوں گا تاکہ لوگوں کو مجھ تک پہنچنے میں زیادہ دشواری کا سامنا نہ کرنا پڑے۔ اگر یہ تجربہ کامیاب رہا تو ملک سے باہر بھی ایسی کوشش کی جا سکتی ہے۔ مثلاً دبئی...... وغیرہ وغیرہ۔"

یوسف پوری توجہ اور خاموشی سے ڈاکٹر قدرت اللہ کی خوش آئند باتیں سن رہا تھا۔ ڈاکٹر نے بات کو آگے بڑھاتے ہوئے کہا۔

"ہر برانچ کے لیے مجھے اسٹاف کی ضرورت تو ہوگی۔ میں نے فیصلہ کیا ہے' اس اسٹاف میں مقامی لوگوں کو ترجیح دوں گا تاکہ کم سے کم مسائل کا سامنا کرنا پڑے۔" یوسف جو یہ سوچ رہا تھا کہ شاید اسے کسی برانچ کا انچارج بنا دیا جائے گا' قدرت اللہ کا مذکورہ فیصلہ سن کر بجھ سا گیا تاہم اگلے ہی لمحے ڈاکٹر نے اس کے دل کی کلی کو مسکا دیا "یوسف!" وہ اسے مخاطب کرتے ہوئے گہری سنجیدگی سے بولا "اگر تم نے اپنے فرائض اور ذمہ داری کو بطریق احسن نبھا کر دکھا دیا تو تمہاری حیثیت میرے اسسٹنٹ کی سی ہوگی۔ میں کراچی سے باہر جس بھی برانچ پر جاؤں گا' تم میرے ساتھ ہو گے۔ میں تمہیں مستقل طور پر اپنا "پی ایس" بنالوں گا۔"

"یعنی پرسنل سیکرٹری!" یوسف نے بے یقینی سے ڈاکٹر قدرت اللہ کو دیکھا۔

ڈاکٹر نے اثبات میں سر ہلانے پر اکتفا کیا۔

چند ضروری ہدایات کے بعد ڈاکٹر قدرت اللہ نے یہ نہایت ہی اہم اور خفیہ میٹنگ ختم کردی۔ اگلے ہی روز سے یوسف نے فیاض اور زاہد کی کڑی نگرانی شروع کردی' اس طرح کہ ان دونوں کو رتی برابر شبہ نہ ہو۔ اس سلسلے میں ڈاکٹر قدرت اللہ کا یہ کہنا بالکل درست تھا کہ یوسف میں ایسے کاموں کے لیے بہت ٹیلنٹ چھپا ہوا تھا۔ ہمراز پولی کلینک کے اوقات کار شام پانچ سے رات دس بجے تک تھے۔ تاہم آفس بوائے ریحان چار بجے شام کلینک کو کھولتا تھا۔ کلینک کا باقاعدہ وقت شروع ہونے سے پہلے وہ صفائی وغیرہ کروا کر کلینک کو سیٹ کر دیتا تھا لیکن جب سے یوسف نے وہاں ملازمت اختیار کی تھی' کلینک کھولنے کا ٹنٹا جاتا رہا تھا۔ کلینک کی چابیوں کا ایک سیٹ یوسف کے پاس تھا۔ وہ دن میں کسی بھی وقت آ کر کلینک کھول لیتا اور اپنے کام میں مصروف ہو جاتا۔ ان دنوں وہ تمام رجسٹری ریکارڈ کو کمپیوٹر فائلز پر منتقل کر رہا تھا اور ڈاکٹر قدرت اللہ کی ہدایت کے مطابق ہمراز پولی کلینک کو جدید اسٹائل دینے کی کوشش میں مصروف تھا۔

جب سے ڈاکٹر قدرت اللہ نے یوسف کو نئی "ذمہ داری" سونپی تھی وہ کچھ زیادہ ہی مستعد ہوگیا تھا۔ دن میں جب اس کے سوا کوئی اور کلینک میں موجود نہ ہوتا تو وہ مشتبہ افراد یعنی فیاض اور زاہد کی میزوں پر رکھے رجسٹر اور فائلیں بھی "ٹٹولتا" رہتا تاکہ ان کے جرم کا کوئی سراغ مل سکے۔ بعض اوقات اس نے اپنی مہارت سے ان کی درازیں کھولکر بھی اندر کا تفصیلی جائزہ لے ڈالا۔ تاہم اسے اپنے مقصد میں کامیابی نہ ہوسکی البتہ اس سلسلے میں ٹیلی فون نے اس کی بہت مدد کی۔

کلینک کے اوقات میں ٹیلی فون سننے کی ذمہ داری بھی فیاض ہی کی تھی۔ گویا فون پر رابطہ کرنے والے کلائنٹس یا مریضوں سے وہی کاروباری ڈیل کرتا تھا۔ جملہ امراض کے کورسز اور قیمت وغیرہ کے معاملات کو نمٹاتا تھا۔ اگر کوئی بہت ضروری فون ہوا تو ڈاکٹر قدرت اللہ کی جانب ٹرانسفر کردیا۔ کلائنٹس سے براہ راست رابطے میں رہنے کے سبب اکثر لوگ ڈاکٹر قدرت اللہ کے بجائے اسے ہی جانتے تھے اور اسے ہمراز پولی کلینک کا روح رواں سمجھتے تھے۔ اپنے قدموں سے چل کر کلینک تک پہنچنے والے افراد کو فیاض اور محمود مل کر یا ان میں سے کوئی ایک ڈیل کرلیتا تھا۔ فیاض نے اپنی چابکدستی سے محمود کو اس طرح اپنے فرانس میں لے رکھا تھا کہ وہ اس کے مشورے کے بغیر کوئی کام نہیں کرتا تھا۔

اگر فون میں لائن ہو تو گاہے بہ گاہے اس کی گھنٹی بھی بجتی ہے اور کمرشل فون تو اس سلسلے میں کچھ زیادہ ہی فعال ہوتا ہے۔ یوسف نے دن میں کام کرنا شروع کیا تو اسے فون ریسیو کرنے کا موقع بھی ملا۔ اگرچہ پانچ بجے سے پہلے اکا دکا فون ہی آتے تھے تاہم تھوڑے ہی عرصے میں اس نے چند

ایسے فون بھی سنے جن لوگوں کو ڈاکٹر قدرت اللہ اور ہمراز پولی کلینک سے متعدد شکایات تھیں۔ یوسف نے پہلی فرصت میں ڈاکٹر قدرت اللہ کو رپورٹ پیش کی اور جب باریک بینی سے ان شکایات کا تجزیہ کیا گیا تو قصور وار سراسر فیاض ہی نظر آیا۔ کسی مریض سے رقم تو وصول کرلی گئی تھی مگر اسے ’’کورس‘‘ روانہ نہیں کیا گیا‘ کسی مریض سے دوگنا‘ تین گنا رقم وصول کی گئی۔ اسی نوعیت کے اور بھی کئی کیس تھے۔ اسی طرح غیر ممالک میں بسنے والوں سے بھی ہیر پھیر کیا گیا تھا۔ یوسف‘ فیاض کے خلاف اپنے اس کارنامے پر بہت خوش وخرم تھا۔

اس تجزیاتی رپورٹ کے بعد ڈاکٹر قدرت اللہ نے یوسف سے کہا’’تم بالکل ٹھیک جارہے ہو۔ اپنا کام اسی طرح راز داری سے جاری رکھو اور اپنی کوشش سے مجھے ایسے ٹھوس ثبوت فراہم کرو جن کی بنیاد پر میں فیاض سے بات کرسکوں۔‘‘

’’سر! آپ بے فکر ہوجائیں۔ میں چند یوم میں آپ کو ایسے ثبوت فراہم کردوں گا۔‘‘

’’ویری گڈ!‘‘ قدرت اللہ نے گمبھیر آواز میں کہا’’تم اپنا کام مکمل کرلو پھر میں فیاض سے نمٹ لوں گا۔‘‘

اس کے بعد یوسف زیادہ تندہی سے فیاض کے پیچھے پڑ گیا اور اس کے جرائم کا ریکارڈ مرتب کرنے میں مصروف ہوگیا۔ اگرچہ یوسف نے اس سلسلے میں بہت احتیاط سے کام لیا تھا لیکن فیاض کی نظر سے اس کی سرگرمیاں مکمل طور پر پوشیدہ نہیں رہ سکیں۔ فیاض نے بڑا ہی سرایت انگیز دماغ پایا تھا۔ ایک روز مناسب موقع دیکھتے ہوئے اس نے یوسف کو گھیر لیا۔

’’تم آج کل کس قسم کی سرگرمیوں میں پڑے ہوئے ہو؟‘‘

فیاض نے چبھتے ہوئے لہجے میں استفسار کیا۔

’’مم...... میں کیا کررہا ہوں گرو!‘‘ یوسف بوکھلا گیا۔

فیاض نے متعدد مواقع پر یوسف کی اخلاقی اور معاشی ومعاشرتی مدد کی تھی۔ اس لیے بھی وہ فیاض کو گرو کہا کرتا پھر اس کلینک پر بھی فیاض ہی نے اسے سیٹ کروایا تھا‘ اس وجہ سے بھی فیاض اس کی طرف سے خاصا خفا تھا۔ یوسف کی تازہ ترین مصروفیات کے سبب!

فیاض نے معنی خیز انداز میں کہا’’تم اچھی طرح جانتے ہو‘ میرا اشارہ کس طرف ہے؟‘‘

گرو! مذاق نہیں کرو۔‘‘ یوسف نے ہنسی کھیل میں بات ٹالنا چاہی۔

’’میں نہایت سنجیدگی سے کہہ رہا ہوں یوسف۔‘‘ فیاض نے کہا تم جو کچھ بھی کررہے ہو اچھا نہیں کررہے۔‘‘

یوسف نے بے تکلفی سے فیاض کے کندھے پر اپنا بازو رکھتے ہوئے کہا’’گرو! خوانخواہ کے وہم میں نہ پڑو۔ میں اپنے کام سے کام رکھنے والا آدمی ہوں‘ یہ بات تو تم بھی جانتے ہو!‘‘

’’ہاں جانتا ہوں۔‘‘ فیاض نے پرسوچ انداز میں سرہلایا’’مگر آج کل تم اپنے کام سے کام نہیں رکھ رہے ہو۔ ڈاکٹر صاحب کے پاس تمہارا کچھ زیادہ ہی آنا جانا شروع ہوگیا ہے۔ یہاں تو تم کمرے میں گھسے ہی رہتے ہو‘ مجھے معلوم ہوا ہے‘ تم آج کل ان کے گھر پر بھی جانے لگے ہو۔‘‘

’’تمہیں یہ کس نے بتایا ہے گرو؟‘‘

’’میرے معلومات حاصل کرنے کے اپنے ذرائع ہیں۔‘‘

’’اگر میں تمہاری ان معلومات کی نفی کردوں تو؟‘‘

’’تو میں سمجھوں گا‘ تم بڑی دیدہ دلیری سے جھوٹ بول رہے ہو۔‘‘

’’فرض کیا‘ میں ڈاکٹر صاحب کے گھر جاتا ہوں‘ اس سے تم کیا نتیجہ اخذ کررہے ہو؟‘‘

’’میں فرض نہیں کرسکتا۔‘‘ فیاض نے قطعیت سے کہا’’مجھے پورا یقین ہے‘ تم ہفتے میں ایک آدھ مرتبہ ڈاکٹر صاحب کے گھر ضرور جاتے ہو۔ میری معلومات ناقص یا غلط نہیں ہوسکتیں اور......‘‘ وہ ایک لمحے کو سانس لینے کی خاطر رکا پھر بات کو آگے بڑھاتے ہوئے بولا’’میں تمہاری ان حرکتوں سے یہ نتیجہ اخذ کرنے پر مجبور ہوں کہ تم میرے خلاف کسی سازباز میں مصروف ہو۔‘‘

یوسف نے ایک بلند آہنگ قہقہہ لگایا اور بولا’’یار گرو! کبھی کبھی تم بڑی ہی مضحکہ خیز بات کر جاتے ہو۔ مجھے تمہاری سوچ پر بہت زور کی ہنسی آرہی ہے۔ میں...... اور تمہارے خلاف کوئی سازش کروں گا۔ یار اتنا بڑا الزام لگانے سے پہلے کچھ سوچ تو لیا ہوتا۔‘‘

’’یہ الزام نہیں‘ حقیقت ہے یوسف!‘‘ فیاض کی سنجیدگی میں کوئی کمی نہ آئی۔

یوسف بھی یک دم سنجیدہ نظر آنے لگا۔ اس نے ایک نیا داؤ مارنے کے بارے میں سوچ لیا تھا۔ وہ بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔

’’تم مجبور کررہے ہو تو میں بتارہا ہوں ورنہ ڈاکٹر صاحب نے اس سلسلے میں لب کشائی سے مجھے منع کررکھا ہے۔ میں نہیں چاہتا‘ میری طرف سے تم کسی بدگمانی کا شکار ہو اس لیے ڈاکٹر صاحب سے کیے ہوئے عہد کو توڑتے ہوئے میں تمہیں سب کچھ بتارہا ہوں۔ وعدہ کرو یہ باتیں صرف تم تک رہیں گی۔‘‘

یوسف نے ایسے مبہم انداز میں بات کی تھی کہ فیاض متذبذب نظر سے اسے دیکھنے لگا اور تھوڑی دیر کے بعد بولا’’کہیں تم مجھے بیوقوف بنانے کے لیے الٹی سیدھی کہانی تو نہیں سنانے والے!‘‘

’’گرو! تم بھی عجیب باتیں کرتے ہو۔‘‘ یوسف نے شکایتی لہجے میں کہا’’میں نے تمہیں گرو بنایا ہے‘ بیوقوف بنانے کی جسارت کیسے کرسکتا ہوں۔ میں تمہیں کوئی الٹی سیدھی بلکہ سو فیصد سچی کہانی سنانے والا ہوں۔‘‘

’’ٹھیک ہے‘ سناؤ!‘‘

"پہلے وعدہ کرو' ڈاکٹر صاحب سے اس کا ذکر نہیں کرو گے!"

"اگر اس میں مجھے نقصان پہنچنے والی کوئی بات نہ ہوئی تو میں خاموش رہوں گا۔"

آئندہ دس منٹ میں نہایت رازداری کے ساتھ یوسف نے فیاض کو بتایا کہ ڈاکٹر قدرت اللہ کسی مالدار حسینہ سے اس کی شادی کرانے والا تھا۔ یوسف کی ڈاکٹر سے ہونے والی مختلف میٹنگز اسی سلسلے کی کڑیاں تھیں۔ یوسف نے یہ انکشاف کرتے ہوئے اس بات کا خیال رکھا تھا کہ اس کی پکڑ کہیں نہ ہو تا کہ آئندہ کبھی قدرت اللہ کو اس بارے میں کچھ معلوم ہو تو وہ اس سے باز پرس نہ کر سکے۔

پوری بات سننے کے بعد فیاض نے کہا "یار! تم تو بہت لکی ہو۔ ایسا ہی کسی کروڑ پتی حسینہ کا رشتہ میرے سامنے آ جائے تو میں پہلی فرصت میں ثریا سے نجات حاصل کر لوں گا۔"

"نجات سے تمہاری کیا مراد ہے گرو!" یوسف نے معنی خیز نظر سے اسے گھورا۔

وہ جلدی سے بولا "بدمعاش! تم جو سوچ رہے ہو وہ ہرگز نہیں۔ میں طبعی طور پر اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔ میرے ہاتھ تو اس کی کلائی کو دبوچنے سے قاصر ہیں' ثریا کا ٹیٹوا دبانے کا تو تصور ہی نہیں کیا جا سکتا۔"

"اس کا مطلب ہے' تم نے اسے ٹھکانے لگانے کے لیے کوئی اور راہ نکالی ہے...... یا وقت پڑنے پر ایسی کوئی راہ نکال سکتے ہو؟"

"ارے یار! تو تم ہاتھ دھو کر میرے الفاظ پکڑنے میں لگ گئے ہو۔" فیاض نے زچ ہوتے ہوئے کہا "میں نے تو ایک بات یونہی کہہ دی تھی اور وہ بھی اس حوالے سے کہ اگر کسی مالدار حسینہ کا رشتہ میرے سامنے آ جائے تو!"

یوسف ایک آنکھ دباتے ہوئے بولا "اب سمجھا گرو! اگر ایسا کوئی رشتہ تمہیں آفر ہوتا ہے تو تم ثریا بھابی کے ساتھ وہ سلوک کرو گے جو تم نے ثریا کو حاصل کرنے کے لیے نزہت کے ساتھ کیا تھا۔"

پھر وہ ایک لمحے کے توقف سے بولا "نزہت بھابی ایک غریب عورت تھی اور ثریا ایک لکھ پتی بیوہ۔ تم نے ثریا اور اس کی دولت و جائیداد کو حاصل کرنے کے لیے نزہت کو طلاق دے کر ثریا سے شادی بنالی۔ اسی طرح اگر ثریا سے زیادہ مالدار رشتہ تمہارے سامنے آ گیا تو تم اسے طلاق دے کر "نئی" کو اپنا لو گے۔ کیا میں غلط کہہ رہا ہوں۔"

فیاض کھسیانے انداز میں ہنسا اور سرزنش آمیز انداز میں بولا "تم بہت بدمعاش ہو یوسف!"

"گرو! میں آپ ہی کا چیلا ہوں۔" یوسف بھی چوٹ سے باز نہ آیا۔

ان کے درمیان مزید کچھ دیر تک اسی نوعیت کی باتیں ہوتی رہیں۔ کسی زمانے میں فیاض بھی منظور کالونی میں رہتا تھا۔ وہ آپس میں "گرو چیلا" ہونے کے باوجود بھی خاصے بے تکلف تھے اس

لیے ہر قسم کی بات ڈسکس کر لیتے تھے۔

یوسف نے وقتی طور پر فیاض کو مطمئن کر دیا تھا لیکن اب اسے زیادہ محتاط رہنے کی ضرورت تھی۔ آئندہ چند ماہ اس نے زیادہ احتیاط اور چابک دستی سے کام دکھایا اور فیاض کے خلاف وہ کچھ ایسے ٹھوس ثبوت حاصل کرنے میں کامیاب ہو گیا جن کی بنا پر ڈاکٹر قدرت اللہ نے فوری طور پر فیاض کو کلینک سے برطرف کر دیا۔ فیاض پر جو الزامات عائد کیے گئے تھے ان کی صفائی اور وضاحت میں اس نے بہت کچھ کہنا چاہا مگر اس کی ایک نہ سنی گئی' خاص طور پر وہ محمود کی بے احتیاطی اور غائب دماغی کے بارے میں بہت کچھ کہنا چاہتا تھا۔ بہت سی رقوم کی انٹریز فیاض کے رجسٹر میں موجود تھیں لیکن محمود کے رجسٹر میں ان کا اندراج نہیں ملتا تھا۔ فیاض کا موقف تھا' وہ مذکورہ تمام رقوم محمود کے حوالے کر چکا ہے مگر محمود اس سے انکاری تھا۔ مجموعی طور پر فیاض کو غبن کے الزام میں نوکری سے نکال دیا گیا۔

فیاض نے اپنی برطرفی پر احتجاجاً جذبات میں آ کر بہت باتیں کیں۔ یہ باتیں ڈاکٹر قدرت اللہ' محمود اور یوسف کے خلاف تھیں۔ یوسف کے لیے تو اس نے واشگاف الفاظ میں کہا تھا' میں اس شخص کی سازش کا شکار ہوا ہوں اس لیے میں اسے زندہ نہیں چھوڑوں گا۔

اس قسم کی دھمکی آمیز گفتگو کے بعد ہی ڈاکٹر قدرت اللہ نے اگلے روز اسے فون پر دھمکایا کہ وہ اس کے خلاف تھانے میں غبن کی رپورٹ درج کروانے جا رہا ہے۔ ڈاکٹر قدرت اللہ نے تو اس دھمکی پر عمل نہ کیا البتہ جوش جذبات میں فیاض کے کہے ہوئے الفاظ اس کے لیے مصیبت کا باعث بن گئے۔ یوسف کے قتل پر پولیس نے فیاض کو گرفتار کر لیا۔ یوسف کو جان سے مارنے کی دھمکی اس نے کئی افراد کے سامنے دی تھی لہٰذا ان لوگوں کی گواہی فیاض کے خلاف گئی اور وہ اس وقت قتل کے ملزم کی حیثیت سے عدالتی ریمانڈ پر پولیس کی تحویل میں تھا۔

اس کے علاوہ بھی مختلف ذرائع سے مجھے چند باتیں معلوم ہوئیں جن کا ذکر عدالتی کارروائی کے دوران میں مناسب موقع پر آئے گا۔

☆......☆......☆

ریمانڈ کی مدت پوری ہونے کے بعد پولیس نے عدالت میں چالان پیش کر دیا۔ ابتدائی چند دنوں میں' میں نے اس کیس کو اچھی طرح اسٹڈی کر لیا تھا' کچھ باتیں بعد میں معلوم ہو گئی تھیں۔ عدالتی کارروائی کا ذکر کرنے سے قبل میں پوسٹ مارٹم کی رپورٹ کے بارے میں بتاتا چلوں۔

پوسٹ مارٹم کی رپورٹ اور کیمیکل ایگزامنر کے تجزیے کا خلاصہ کچھ اس طرح سے تھا کہ مقتول یوسف کو سائلنسر لگے اعشاریہ تین دو کیلی بر کے ریوالور سے قتل کیا گیا تھا۔ مذکورہ کیلی بر کی دو گولیاں عین دل کے مقام پر مقتول کے جسم میں اتاری گئی تھیں جو اس کی فوری موت کا سبب بنیں۔ رپورٹ کے مطابق' مقتول یوسف کو آٹھ اکتوبر کی دوپہر دو اور تین بجے کے درمیان موت کے گھاٹ

اتارا گیا تھا۔

عدالتی کارروائی کا آغاز ہوا۔ جج نے فردِ جرم پڑھ کر ملزم کو سنائی۔

ملزم نے صحت جرم سے انکار کر دیا۔

اس کے بعد میں نے اپنے موکل کی درخواست ضمانت دائر کر دی۔ قتل کے ملزم کی ضمانت آسانی سے نہیں ہوتی۔ مجھے یہ بتانے میں کوئی عار نہیں کہ میں ملزم فیاض کی ضمانت کروانے میں ناکام رہا تھا۔ جج نے باقاعدہ کارروائی کی تاریخ دے کر عدالت برخاست کر دی۔

اپنے موکل کی ضمانت کے حق میں لگ بھگ پندرہ منٹ تک میں نے مختلف دلائل دیئے تھے۔ ثریا کا خیال تھا جج میرے دلائل سے متاثر ہو کر فیاض کو ذاتی مچلکے پر رہا کر دے گا یعنی ضمانت پر اس کی رہائی کے احکام صادر کر دیگا۔ جب ایسا نہیں ہوا تو وہ خاصی اداس ہوگئی۔ ہم عدالت سے نکل کر باہر آئے تو وہ بڑی سنجیدگی سے میری جانب متوجہ ہوگئی۔

''بیگ صاحب! میں تو سمجھی تھی' آپ پہلی ہی پیشی پر فیاض کی ہتھکڑی کھلوا دیں گے۔'' وہ بھرائی ہوئی آواز میں بولی۔

میں نے کہا'' عام طور پر ملزم کے لواحقین یہی سمجھتے ہیں مگر یہ اتنا آسان کام نہیں ہوتا' خصوصاً فوجداری کے کیسز میں ضمانت بہت مشکل سے ہوتی ہے۔ شاید پہلے کبھی آپ کا عدالتی معاملات سے واسطہ نہیں پڑا' میرا مطلب ہے' فوجداری کے حوالے سے۔''

''پہلے تو کبھی واسطہ نہیں پڑا اور اللہ کرے' آئندہ بھی ایسا کوئی موقع نہ آئے۔'' وہ کانوں کو ہاتھ لگاتے ہوئے شکستہ لہجے میں بولی'' ایک تجربہ کافی ہے۔''

''آپ پریشان نہ ہوں ثریا صاحبہ۔'' میں تسلی آمیز لہجے میں کہا'' انشاء اللہ! سب ٹھیک ہو جائے گا''

وہ قدرے مطمئن نظر آنے لگی۔ بھاری بھرکم جثے پر اس کی پریشانی خاصی متاثر کن اور ناقابل فراموش دکھائی دیتی تھی۔ میں نے اسے تسلی دلاسا دیا اور سمجھا بجھا کر عدالت سے رخصت کر دیا۔

آئندہ پیشی پر استغاثہ کے گواہوں کے بیان ہوئے۔ استغاثہ کی جانب سے کل آٹھ گواہوں کی فہرست پیش کی گئی تھی لیکن میں یہاں پر صرف اہم گواہ اور ان پر ہونے والی جرح کا احوال بیان کروں گا۔

سب سے پہلے گواہی دینے کے لیے استغاثہ کا گواہ اور ہمراز پولی کلینک کا مالک ڈاکٹر قدرت اللہ وٹنس باکس میں آ کر کھڑا ہوا۔ اس نے سچ بولنے کا حلف اٹھانے کے بعد معزز عدالت کے روبرو اپنا بیان ریکارڈ کروایا۔ یہ بیان کم وبیش ویسا ہی تھا جیسا وہ پہلے پولیس کو دے چکا تھا۔

وکیل استغاثہ گواہ کے کٹہرے کے پاس پہنچا اور بڑے ہموار لہجے میں اسے مخاطب کرتے ہوئے پوچھا'' ڈاکٹر صاحب! آپ کی نظر میں ملزم کیسا آدمی ہے؟''

''یہ جیسا بھی آدمی ہے اس کے اعمال سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔'' قدرت اللہ نے نفرت انگیز نظر سے ملزم فیاض کو گھورا'' میں ان اعمال کا ذکر کر رہا ہوں جن کے سبب آج یہ یہاں کھڑا نظر آ رہا ہے۔''

''قدرت اللہ صاحب!'' وکیل استغاثہ نے کہا'' کیا آپ کو یقین ہے' یوسف کا قتل ملزم ہی نے کیا ہے؟''

وہ ٹھہرے ہوئے لہجے میں بولا'' یقین نہ کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہو سکتی۔ اس شخص نے کئی افراد کے سامنے کھلم کھلا مقتول کو جان سے مارنے کی دھمکی دی تھی پھر ایک ہفتے بعد اس نے اپنی دھمکی کو عملی جامہ پہنا دیا۔ یہ قتل فیاض کے سوا اور کوئی نہیں کر سکتا یعنی یوسف کا قاتل یہی بدبخت ہے۔''

میرا موکل اور اس مقدمے کا ملزم فیاض خاموش کھڑا اپنے خلاف ہونے والی یہ زہربیانی سن رہا تھا۔ عدالتی کارروائی کے دوران میں سب سے زیادہ کسمپرسی کی حالت میں بے چارہ ملزم ہوتا ہے۔ گواہوں کے بیانات اور ان پر ہونے والی جرح کو وہ تحمل اور صبر سے سنتا ہے اور کسی بھی موقع پر اسے لب کشائی کی اجازت نہیں ہوتی۔

وکیل استغاثہ نے سوالات کے سلسلے کو آگے بڑھاتے ہوئے کہا'' قدرت اللہ صاحب! آپ نے بتایا ہے' وقوعہ سے چند روز قبل.....''

''ٹھیک ایک ہفتہ پہلے۔'' قدرت نے قطع کلامی کرتے ہوئے کہا۔

''ہاں' ایک ہفتہ پہلے'' وکیل استغاثہ نے اس کے الفاظ دہرانے کے بعد کہا'' ملزم نے واشگاف الفاظ میں مقتول کو جان سے مارنے کی دھمکی دی تھی۔ ذرا وضاحت کریں' اس دھمکی کا محل وقوع یا محرک کیا تھا؟''

ڈاکٹر قدرت اللہ مدبرانہ انداز میں گویا ہوا'' دراصل بات یہ ہے کہ میں نے ملزم کو نوکری سے برخاست کر دیا تھا اور ملزم کا خیال تھا' مقتول نے اس کے خلاف کوئی گہری سازش کی ہے جس کے نتیجے میں اس کی نوکری چلی گئی۔'' وہ ایک لمحے کو سانس لینے کی خاطر متوقف ہوا پھر مزید بتایا'' ملزم کو اس بات کا بھی قلق تھا کہ مقتول نے احسان فراموشی کا عظیم الشان ثبوت دیا ہے۔ میرے کلینک میں مقتول' ملزم ہی کے توسط اور فرمائش پر آیا تھا۔''

وکیل استغاثہ نے پوچھا'' ملزم کے ان خیالات میں کس حد تک صداقت ہے؟''

''مطلب؟'' ڈاکٹر قدرت اللہ نے چونک کر وکیل استغاثہ کو دیکھا۔

وہ جلدی سے بولا'' مطلب یہ کہ کیا واقعی ملزم کی نوکری مقتول کی کسی گہری سازش کے سبب

ختم ہوئی تھی؟''

میں نے وکیل استغاثہ کے زاویہ سوال کو بڑی وضاحت سے سمجھ لیا۔ وہ بڑی مہارت اور کاریگری سے میرے موکل کی کردارکشی کا بیڑا اٹھائے بیٹھا تھا۔ ڈاکٹر قدرت اللہ نے اس کے سوال کے جواب میں بتایا۔

''ایسی کوئی بات نہیں۔ مقتول کا کسی گہری یا اتھلی سازش سے کوئی تعلق نہیں تھا۔ اس نے جو کچھ کیا' میری ہدایت اور اشارے پر کیا۔ میں نے مقتول کو یہ ذمہ داری سونپی تھی کہ وہ ملزم کے خلاف مجھے ٹھوس ثبوت فراہم کرے تاکہ میں اس بے ایمان شخص کو بری طرح ذلیل کر کے اپنے کلینک سے نکال باہر کروں۔''

وکیل استغاثہ نے نمک پاشی کرتے ہوئے کہا'' ڈاکٹر صاحب! آپ کی باتوں سے لگتا ہے' ملزم آپ کے کلینک پر کسی سنگین نوعیت کے جرم میں ملوث تھا۔''

''بے شک ایسا ہی تھا!'' قدرت اللہ نے حقارت آمیز نظر سے ملزم فیاض کو دیکھا'' یہ شخص حسابات میں گڑبڑ کر کے مجھے ہزاروں بلکہ لاکھوں کا نقصان پہنچا رہا تھا۔ مجھے اس پر شک تو تھا لیکن کوئی ٹھوس ثبوت نہ ہونے کے باعث میں اس کے خلاف کوئی سنجیدہ کارروائی نہیں کر رہا تھا۔ جیسے ہی ثبوت میرے ہاتھ لگے میں نے اس کا پتا صاف کر دیا۔''

وکیل استغاثہ کے مزید کچھ بولنے سے قبل میں نے اپنی سیٹ سے اٹھ کر کہا'' مجھے سخت اعتراض ہے جناب عالی!''

میرا روئے سخن چونکہ جج کی جانب تھا اس لیے اس نے چونک کر سوالیہ نظر سے مجھے دیکھا۔

میں نے احتجاجی لہجے میں کہا'' یور آنر! اس وقت معزز عدالت میں یوسف مرڈر کیس کی سماعت ہو رہی ہے۔ ملزم کے غیر متعلقہ معاملات کو زیر بحث لانا غیر مناسب ہے۔ وکیل استغاثہ کو اس بات کا خیال رکھنا چاہیے۔''

وکیل استغاثہ نے کہا'' جناب عالی! میں معزز عدالت کے سامنے اس پس منظر کو اجاگر کر رہا ہوں جو اس قتل کا سبب اور محرک بنا اس لیے کلینک میں ملازمت کے دوران میں ملزم نے جو گڑبڑ کی ہے اس کا ذکر کسی بھی لحاظ سے غیر متعلق نہیں کہا جا سکتا۔''

جج نے میرے اعتراض کو رد کرتے ہوئے وکیل استغاثہ کو جرح جاری رکھنے کی ہدایت کی۔

''قدرت اللہ صاحب!'' وکیل استغاثہ نے مجھے فاتحانہ نظر سے دیکھنے کے بعد گواہ کو مخاطب کیا'' ملزم نے آپ کو کتنا نقصان پہنچایا تھا؟''

''لگ بھگ ایک لاکھ روپے۔'' ڈاکٹر نے جواب دیا'' بلکہ آپ اس نقصان کو ڈیڑھ لاکھ شمار کریں تو حساب درست ہو جائے گا۔ جب میں نے اسے نوکری سے نکالا تو یہ شخص میرا مقروض بھی

تھا۔ اس کی جانب کم و بیش پچاس ہزار روپے نکلتے تھے۔''

وکیل استغاثہ نے پوچھا'' ڈاکٹر صاحب! کیا آپ نے ملزم کو نوکری سے برطرف کرتے وقت یہ رقم وصول کر لی تھی؟''

''حسابات میں گڑبڑ کو تو اس نے تسلیم ہی نہیں کیا تھا۔''

قدرت اللہ نے بتایا'' بلکہ جس رقم کا حساب نہیں مل رہا تھا اس کے لیے ملزم نے محمود کو مورد الزام ٹھہرا دیا۔ بہرحال میں اس سے ایک پائی بھی وصول نہیں کر سکا تھا۔ قرض کی مد میں لیے ہوئے پچاس ہزار کے بارے میں اس نے وعدہ کیا تھا کہ وہ بعد میں تھوڑے تھوڑے کر کے مجھے لوٹا دے گا۔''

وکیل استغاثہ نے پوچھا'' اس واقعے کے ایک روز بعد آپ نے غالباً فون پر ملزم کو دھمکی دی تھی کہ آپ اس کے خلاف غبن کی رپورٹ درج کروانے والے ہیں!''

''غالباً نہیں بلکہ یقیناً'' وہ قطعیت سے بولا'' میں نے ایسی دھمکی دی تھی اور اس کی بنیادی وجہ ملزم کی بکواس تھی۔ اس مردود نے نہ صرف مقتول کو جان سے مارنے کی دھمکی دی تھی بلکہ محمود کے خلاف بھی زہر اگلا تھا...... اور اسے سنگین نتائج سے ڈرانے کی کوشش بھی کی تھی۔''

وکیل استغاثہ نے مزید دو چار غیر اہم اور غیر متعلقہ سوالات کے بعد جرح ختم کر دی۔

اپنی باری میں جج سے اجازت لے کر گواہ کے کٹہرے کے نزدیک آن کھڑا ہوا۔ ڈاکٹر قدرت اللہ کی عمر ساٹھ سے متجاوز تھی تاہم صحت کو قابل رشک اس لیے کہا جا سکتا ہے کہ وہ اپنی عمر سے بہت کم لگتا تھا۔ اندر کا حال تو خدا جانتا تھا یا پھر میں نے کوشش کر کے تھوڑا بہت جان لیا تھا۔ وہ اس وقت گرے کلر سفاری سوٹ میں ملبوس تھا۔ آنکھوں پر بیش قیمت گولڈن فریم نظر کا چشمہ اس کی شخصیت کے تاثر کو بڑھا رہا تھا۔

میں نے کھنکار کر گلا صاف کیا اور گواہ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا'' میں آپ کو ڈاکٹر صاحب کہہ کر مخاطب کروں یا قدرت اللہ؟''

''ایک ہی بات ہے۔'' وہ گہری سنجیدگی سے بولا'' آپ دونوں میں سے کسی بھی انداز میں مجھے مخاطب کر سکتے ہیں' کوئی فرق نہیں پڑتا۔ دراصل' میرا ڈاکٹر ہونا بھی اللہ کی قدرت ہے یعنی قدرت اللہ......''

میں نے میٹھی چھری سے دھیرے دھیرے اسے ذبح کرنا شروع کیا'' قدرت اللہ صاحب! آپ کس قسم کے ڈاکٹر ہیں۔ میرا مطلب ہے' ایلو پیتھک' ہومیو پیتھک' یونانی......؟''

میں نے جملہ ادھورا چھوڑ کر سوالیہ نظروں سے قدرت اللہ کو دیکھا۔ وہ بڑے معنی خیز انداز میں سر کو جنبش دینے کے بعد بولا'' ان میں سے کسی بھی پیتھی سے ہمارا تعلق نہیں۔ دراصل میں بڑے

مختلف اور انتہائی ذاتی طریقے سے مریضوں کا علاج کرتا ہوں۔ اس پیتھی کا کوئی نام نہیں کیوں کہ یہ پیتھی عام نہیں۔ یہ سینہ گزٹ کی طرح ایک طویل سفر کر کے مجھ تک پہنچی ہے۔''

''آپ کا یہ کہنا ہے کہ طب کا علم آپ نے باقاعدہ کہیں سے سیکھا نہیں؟''

''میں نے یہ تو نہیں کہا۔'' وہ برہمی سے بولا ''میں نے اس فن کو اپنے استاد محترم سے سیکھا ہے۔ انہوں نے اپنی رحلت سے قبل مجھے بہت سے سربستہ رازوں سے آگاہ کر دیا تھا۔ آج میں اسی فن سے روزی روٹی کما رہا ہوں۔ میرے کلینک پر صرف پانچ خطرناک امراض کا شرطیہ اور شافی علاج کیا جاتا ہے۔ استاد نعمت اللہ کے دیئے ہوئے یہ پانچوں نسخے تیر بہ ہدف ہیں۔ اس سلسلے میں مجھے کبھی ناکامی یا مایوسی نہیں ہوئی۔ میں نے جب سے کلینک کھولا ہے' اللہ کے فضل اور استاد کی دعاؤں سے میرے پاس آنے والے مریضوں نے شفا پائی ہے۔''

''آپ کو ہمراز یونی کلینک چلاتے ہوئے کتنا عرصہ ہوا ہے؟''

''پندرہ سال سے زیادہ ہو گئے ہیں۔''

''کیا آپ نے کلینک اپنے استاد محترم کی زندگی ہی میں کھول لیا تھا؟''

''نہیں۔'' اس نے نفی میں گردن ہلائی ''استاد کی زندگی میں تو مجھے ان کی خدمت ہی سے فرصت نہیں ملتی تھی۔ جب ان کا وصال ہو گیا تو میں نے کلینک کھول لیا۔ یہ ان کی خواہش بھی تھی۔ پانچ موذی امراض کے نسخے دیتے وقت استاد جی نے مجھے تلقین کی تھی کہ میں ان کے فن کو زندہ رکھوں چنانچہ میں نے ان کی آنکھ بند ہوتے ہی کلینک بنا لیا۔''

''اس کا مطلب یہ ہوا کہ آپ کے استاد نعمت اللہ کے انتقال کو پندرہ سال سے زیادہ کا عرصہ گزر چکا ہے؟'' میں نے اس کی آنکھوں میں جھانکا۔

''جی ہاں' لگ بھگ سترہ سال۔''

میں نے کہا ''آج کل ہمراز یونی کلینک شارع فیصل پر نرسری کے قریب ایک ملٹی اسٹوری بلڈنگ میں واقع ہے۔ میری معلومات کے مطابق مذکورہ بلڈنگ کو وجود میں آئے ہوئے سات آٹھ سال ہوئے ہیں۔ کیا اس سے قبل آپ کا کلینک کہیں اور ہوا کرتا تھا؟''

''میں نرسری والی بلڈنگ میں گزشتہ پانچ سال سے ہوں۔'' ڈاکٹر قدرت اللہ نے جواب دیا ''اس سے قبل میں گلشن اقبال میں کلینک کرتا تھا۔''

''گلشن اقبال سے قبل غالباً ناظم آباد میں!''

اس نے اثبات میں سر ہلانے پر اکتفا کیا۔

میں نے چبھتے ہوئے لہجے میں کہا ''جس طرح آپ کی رہائش لالوکھیت سے ناظم آباد' ناظم آباد سے گلشن اقبال اور گلشن اقبال سے ڈیفنس سوسائٹی تک پہنچی ہے بالکل اسی طرح آپ کا کلینک

بھی ایک طویل سفر طے کر کے نرسری پہنچ گیا ہے۔ کیا میں غلط کہہ رہا ہوں؟''

''آپ کا کہنا غلط نہیں۔'' وہ تصدیقی اور متحمل لہجے میں بولا۔ ''لگتا ہے' وکیل صاحب! آپ نے میرے ماضی اور حال کے بارے میں اچھی خاصی معلومات حاصل کر رکھی ہیں!''

میں نے جلدی سے کہا۔ ''نہ ماضی اور حال بلکہ مستقبل کے بارے میں بھی۔''

وہ طنزیہ لہجے میں بولا ''پھر تو آپ حیرت انگیز انسان ہیں۔ مستقبل کے بارے میں تو صرف خدا ہی جانتا ہے یا پھر نجومی حضرات اپنے پیٹ کا جہنم بھرنے کے لیے ٹامک ٹوئیاں مارتے رہتے ہیں۔'' اچانک رک کر اس نے بڑی شدت سے نفی میں گردن جھٹکی ''نہیں' آپ تو ایک وکیل ہیں۔'' وہ بڑبڑانے والے انداز میں بولا پھر میری جانب دیکھتے ہوئے بولا ''معاف کیجیے گا' تھوڑی دیر پہلے میرے ذہن میں یہ خیال ابھرا تھا کہ کہیں آپ کوئی پامسٹ یا نجومی وغیرہ تو نہیں!''

میں نے کہا ''میں نہ تو کوئی دست شناس ہوں اور نہ زائچہ ماسٹر' البتہ ان علوم کے چند ماہرین سے میری یاد اللہ ہے۔ اگر یاد اللہ ہے تو ان کی لن ترانیوں سے بھی محفوظ نہیں ہوں۔ میں نے ذاتی طور پر ان علوم کو انتہائی محدود اور مشروط پایا ہے۔''

یہ ساری گفتگو غیر متعلقہ اور فضول تھی مگر چونکہ استغاثہ کا گواہ بہ رضا و رغبت میرے ہر سوال کا جواب دے رہا تھا۔ اس لیے جج نے مداخلت نہ کی البتہ وکیل استغاثہ کی حالت دیدنی تھی۔ اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ فوراً ''آبجکشن یور آنر'' کا نعرہ بلند کرتا۔

میں نے میٹھی چھری کو ہاتھ سے رکھ دیا۔ میں بڑی صفائی اور غیر محسوس انداز میں گواہ کی کھال اتار چکا تھا۔ اب اندر کا احوال دریافت کرنے کی باری تھی۔ اس احوال تک دسترس حاصل کرنے کے لیے میں نے گواہ پر کاسٹک سوڈے کا استعمال شروع کر دیا۔ اس کی دھلائی کا وقت آ گیا تھا۔

''قدرت اللہ صاحب!'' میں نے قدرے بدلے ہوئے لہجے میں اسے مخاطب کیا ''مختلف اخبارات میں چھپنے والے آپ کے کلینک کے پرکشش اشتہارات گاہے بہ گاہے میری نگاہ سے گزرتے رہتے ہیں''

اس کے چہرے پر ایک رونق سی آ گئی لیکن میں اس کے چہرے پر نمودار ہونے والے ہر اجالے کو تاریکی میں بدلنے کا تہیہ کر چکا تھا۔ ڈاکٹر قدرت اللہ جیسے معاشرتی ناسوروں کی سرکوبی ہر محب وطن اور انسان دوست کا فرض ہے۔ اپنی استطاعت کے مطابق ہمیں اس کار خیر کے لیے کوشاں رہنا چاہیے۔

''ان اشتہارات کے مطابق آپ کے کلینک پر ذیابیطس' گردے کی پتھری' بے اولادی' سرطان اور ایڈز کا شرطیہ منی بیک گارنٹی ٹائپ علاج کیا جاتا ہے۔ کیا میں غلط کہہ رہا ہوں؟''

وہ تصدیقی لہجے میں بولا ''آپ بالکل درست فرما رہے ہیں۔ میں صرف انہی پانچ بیماریوں کا علاج کرتا ہوں۔ میرے استادِ محترم کی ہدایت بھی یہی تھی۔''

میں نے کہا ''ایڈز جیسے مہلک اور خطرناک مرض کو متعارف ہوئے ابھی چند سال ہوئے ہیں۔ میں اپنی معلومات کو تازہ رکھنے کے لیے بہت زیادہ پڑھتا ہوں خاص طور پر میڈیکل کے شعبے میں ہونے والی کوئی پیش رفت مجھ سے پوشیدہ نہیں۔ ایڈز بالکل تازہ ترین اور برننگ ایشو ہے۔ اس کا علاج تو کیا' ابھی تک اس مرض کو پوری طرح سمجھا بھی نہیں گیا۔ (واضح رہے کہ یوسف مرڈر کیس آج سے کئی سال پہلے کا ہے۔ وہ ایڈز کے تعارف کا ابتدائی دور تھا) اور آپ کے استادِ محترم نے لگ بھگ سترہ سال قبل اس مرض کا نسخہ آپ کے حوالے کر دیا۔ یہ کچھ عجیب سی بات نہیں ہو جاتی ڈاکٹر قدرت اللہ صاحب؟''

ایک لمحے کیلئے اس کے چہرے پر گھبراہٹ کے آثار نمودار ہوئے لیکن دوسرے ہی لمحے اس نے خود کو سنبھال لیا۔ بندہ خاصہ ہوشیار اور چالباز تھا' بات بناتے ہوئے بولا۔

''وہ بات دراصل یہ ہے جناب! استادِ محترم نے مجھے ایک جان لیوا خطرناک مرض کا نسخہ عطا کیا تھا۔ اس وقت اس مرض کو کوئی نہیں جانتا تھا' محض اس کی علامتیں بتائی تھیں۔ دنیا نے اس موذی مرض کو بعد میں ایڈز کا نام دیا۔''

''آپ کے استاد نعمت اللہ نے ایڈز کی کیا علامتیں بتائی تھیں؟''

''یہی...... یہی کہ...... اس مرض میں مبتلا شخص موت کے منہ میں چلا جاتا ہے۔'' وہ گڑبڑائے ہوئے لہجے میں بولا۔

میں نے ایک اور وار کیا'' حالانکہ آپ تو ایسے مریض کے شافی علاج کے دعوے دار ہیں۔ کیا آپ نے موت کا علاج دریافت کرلیا ہے؟''

''ایسی بات نہیں۔'' وہ بوکھلاہٹ آمیز انداز میں بولا ''اگر اس مرض میں مبتلا شخص پہلی فرصت میں میرے پاس علاج کروانے آجائے تو پھر اس کی جان خطرے سے باہر آجاتی ہے۔''

میں نے پوچھا ''آپ کو یہ کیسے پتا چلتا ہے کہ آپ کے پاس آنے والا مریض ایڈز جیسے موذی مرض میں مبتلا ہو چکا ہے۔ کیا آپ اس سلسلے میں کوئی ٹیسٹ وغیرہ بھی کرواتے ہیں؟'' میں نے ایک لمحے کے توقف کے بعد زہریلے لہجے میں کہا'' آپ کے استادِ محترم نے ایڈز کی جو علامتیں آپ کو تعلیم کی ہیں ان کی روشنی میں تو مریض کے مرنے کا انتظار کرنا ضروری ہے۔''

''وقت وقت کی بات ہے جناب۔'' خلافِ توقع وہ بااعتماد لہجے میں بولا ''اس زمانے میں علامتوں سے کام چل جاتا تھا۔ اس جدید دور میں ہر قسم کے لیبارٹری ٹیسٹ کی سہولت موجود ہے۔ میں بھی اس سہولت سے فائدہ اٹھاتا ہوں۔''

میں نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا ''آپ کا مطلب ہے' آپ مریض کو لیبارٹری ٹیسٹ سے بھی گزارتے ہیں۔''

''اس میں حیران ہونے والی کون سی بات ہے۔'' اس نے میرے چہرے کے تاثرات پڑھ لیے تھے۔ ''طریقہ علاج کوئی بھی ہو' لیبارٹری ٹیسٹ سے استفادہ کرنے میں کیا حرج ہے؟''

''کوئی حرج ہے اور نہ ہی کوئی قباحت۔'' میں نے کہا پھر پوچھا ''آپ کے بیان سے میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ آپ کو یہ راز اچھی طرح معلوم ہے کہ ایڈز ایک مخصوص قسم کے وائرس سے ہوتا ہے یعنی اس مرض کا سبب ایک خطرناک روپوشی خصوصیات کا حامل وائرس ہے؟''

''جی آپ بالکل درست نتیجے پر پہنچے ہیں۔'' وہ رکھائی سے بولا۔

''کیا آپ مجھے اس وائرس کا نام بتا سکتے ہیں؟''

''یہ ضروری نہیں کہ میں آپ کے ہر سوال کا جواب دوں۔'' اس کے لہجے میں برہمی تھی۔

میں نے کہا'' آپ ایڈز کے مریضوں کی لیبارٹری ٹیسٹ رپورٹ پڑھتے ہوں گے لہٰذا اس مخصوص وائرس کا نام متعدد بار آپ کی نظر سے گزرا ہوگا بلکہ اب تک تو آپ کے ذہن میں نقش ہو چکا ہوگا۔''

وہ جھنجلاہٹ آمیز لہجے میں بولا'' اول تو میں اپنے مریضوں کے معاملات کو صیغہ راز میں رکھتا ہوں اس لیے آپ کو کچھ بتانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا دوم آپ کون ہوتے ہیں مجھ سے اس قسم کے سوالات کرنے والے؟ مجھے تو یوں محسوس ہو رہا ہے جیسے میں میڈیکل کے کسی نہایت ہی مشکل پرچے کے لیے امتحان گاہ میں بیٹھا ہوا ہوں۔''

قدرت اللہ کے جواب کے پہلے حصے پر جج زیرلب مسکرایا تھا تاہم دوسرے حصے تک پہنچنے سے پہلے وہ دوبارہ سنجیدہ ہو چکا تھا۔ اس موقع پر وکیل استغاثہ نے ایک مرتبہ پھر اپنی موجودگی کا احساس دلایا۔

اس کے اعتراض کے جواب میں' میں نے تحمل مزاجی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا'' ٹھیک ہے قدرت اللہ صاحب! آپ ہمراز پولی کلینک کے کرتا دھرتا ہیں۔ اپنے مریضوں کے راز کو پوشیدہ رکھنا آپ کا فرض ہے۔ میں آپ سے اس سلسلے میں ضد نہیں کروں گا' تاہم اتنا ضرور کہوں گا۔'' تھوڑی دیر رکنے کے بعد میں نے اضافہ کیا'' جس بات کو آپ صیغہ راز میں رکھنے کے لیے بضد ہیں وہ بات پوری دنیا کو معلوم ہے۔ ایڈز ایسے موذی مرض کا سبب بننے والا وائرس ایچ آئی وی (HIV) کہلاتا ہے۔

یعنی...... ہیومن امیونو ڈیفیشنسی وائرس' یہ خبیث النسل وائرس مریض کی قوت مدافعت کو تباہ کر کے اسے موت کے منہ میں دھکیل دیتا ہے۔''

وہ خاموش کھڑا ناپسندیدہ نظر سے مجھے دیکھتا رہا۔ میرے آخرالذکر سوالات نے اسے برہمی میں مبتلا کر دیا تھا جو کہ میرے لیے کسی کامیابی سے کم نہیں تھا۔ جب تک وہ نارمل رہتا' اس کی زبان سے کام کی بات اگلوانا مشکل ہوتا۔ غصے اور برہمی کی حالت میں میں اپنے مقصد کو باآسانی حاصل کر سکتا تھا۔ میں نے اسے برانگیختہ کرنے کی خاطر ایک نئے انداز سے وار کیا۔

''قدرت اللہ صاحب!'' میں نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں اسے مخاطب کیا ''پچھلے سال آپ کی سگی بہن زہرہ بیگم کا انتقال ہوا ہے۔ وہ ایک طویل عرصے سے ڈاکٹر مظفر زیدی کے زیرِ علاج تھیں۔ یہ کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں کہ زہرہ بیگم کو سرطان جیسا موذی مرض لاحق تھا جو اس کی موت کا سبب بنا۔ آپ تو ماشاءاللہ کینسر اسپیشلسٹ ہیں۔ اس پر کچھ روشنی ڈالیں گے؟''

ڈاکٹر قدرت اللہ کے بارے میں انتہائی نجی نوعیت کی معلومات حاصل کرنے کے لیے مجھے خاصی محنت کرنا پڑی تھی جو اس وقت کام آ رہی تھی۔ میرا سوال ختم ہوا ہی تھا کہ وکیل استغاثہ احتجاجی لہجے میں بولا۔

''آبجکشن یور آنر! وکیل صفائی حد سے تجاوز کر رہے ہیں۔''

میں نے اسے سلگانے کی خاطر کہا ''ذرا اس حد کی وضاحت کر دیں میرے فاضل دوست جسے عبور کرنے کی خطا مجھ سے ہوئی؟''

وہ جج کی طرف دیکھتے ہوئے بولا ''یور آنر! اس وقت' معزز عدالت میں یوسف مرڈر کیس کی سماعت جاری ہے مگر ڈیفنس کونسلر ملزم کو فراموش کر کے استغاثہ کے ایک معزز گواہ کی ذاتی زندگی کو ڈسکس کر رہے ہیں۔ انہیں موضوع کی طرف آنے اور اس پر ثابت قدم رہنے کی ہدایت کی جائے۔''

اس سے پہلے کہ جج میرے لیے کوئی ہدایت جاری کرتا' کٹہرے میں کھڑے ہوئے ڈاکٹر قدرت اللہ نے وکیل استغاثہ کی طرف دیکھتے ہوئے مضبوط لہجے میں کہا۔

''وکیل صفائی کو اپنا شوق پورا کرنے دیا جائے۔ میں ان کے سوالوں کا جواب دینے کو تیار ہوں۔''

وکیل استغاثہ جزبز ہو کر رہ گیا۔ جج نے بھی کچھ کہنے کا ارادہ ترک کر دیا۔ گواہ ڈاکٹر قدرت اللہ میری جانب مڑا اور نہایت ہی ٹھوس لہجے میں بولا۔

''وکیل صاحب! زہرہ بیگم میری بہن ضرور تھی مگر اس کے جملہ حقوق میرے بہنوئی کے ہاتھ میں تھے۔ وہ ایلوپیتھی طریقہ علاج کے سوا کسی اور طریقہ علاج پر یقین نہیں رکھتا۔ اگر وہ زہرہ کے علاج کے لیے مجھ سے رجوع کرتا تو وہ اس طرح کسمپرسی کی حالت میں نہ مرتی۔''

میں اسے اپنی مرضی کی راہ پر لے آیا تھا' گویا شکار نے پھندے میں پاؤں رکھ دیا تھا۔ میں

نے کھنکار کر گلا صاف کیا اور قدرت اللہ سے مخاطب ہوتے ہوئے کہا۔

''ڈاکٹر صاحب! کیا یہ غلط ہے کہ اس وقت آپ دو بیویوں کے شوہر ہیں۔ آپ کی پہلی بیوی کا نام رخشندہ اور دوسری کا نام سندس ہے؟''

''آپ بالکل درست کہہ رہے ہیں۔'' وہ فخریہ لہجے میں بولا ''میری بیویوں کے یہی نام ہیں۔'' پھر اس نے طنزیہ لہجے میں دریافت کیا ''کیا آپ کے قانون میں کوئی ایسی شق شامل ہوگئی ہے کہ کوئی شخص بیک وقت دو بیویاں نہیں رکھ سکتا؟''

میں نے زیرِ لب مسکراتے ہوئے کہا ''ایسی کوئی بات نہیں ڈاکٹر صاحب۔ آپ بحیثیت مسلمان ایک وقت میں چار عورتوں کو اپنے نکاح میں رکھ سکتے ہیں۔ میرا سوال کرنے کا مقصد کچھ اور تھا۔''

''اب آپ ذرا اپنے مقصد کی وضاحت بھی کر دیں؟''

''لیجیے۔'' میں نے شگفتہ لہجے میں کہا پھر پوچھا ''آپ میری اس بات کے جواب میں کیا کہیں گے ڈاکٹر صاحب کہ چند سال پہلے آپ کی پہلی بیوی رخشندہ کے گردے کا آپریشن ہوا تھا۔ اس کے دائیں گردے میں پتھری بن گئی تھی جو ڈاکٹر طلعت حسین نے آپریشن کر کے نکال دی مگر ایک سال بعد دوسرے گردے میں پتھری کے آثار پیدا ہو گئے۔ آج کل میں رخشندہ کے بائیں گردے کی سرجری ہونے والی ہے۔ آپ چند روز قبل اسے ایک ماہر گردہ کے پاس لے گئے تھے۔ آپ تو گردے کی پتھری کا شرطیہ علاج صرف دو یوم میں' پانچ ہزار روپے کے عوض کرتے ہیں۔ یہ چراغ تلے اندھیرا کیسا؟''

وہ اچانک تلخ ہو گیا ''کیا آپ شادی شدہ ہیں؟''

''ابھی تک میں اس نعمت خداوندی سے محروم ہوں۔'' میں نے شوخی سے کہا۔

وہ مدبرانہ انداز میں سر ہلاتے ہوئے بولا ''جبھی تو آپ اس قسم کی باتیں کر رہے ہیں۔ آپ کو عورت خصوصاً بیوی کا کوئی تجربہ نہیں ہے۔ کسی شوہر سے جا کر پوچھیں بیوی کس آفت کا نام ہے اور یہ مخلوق خداوندی کس طرح اپنی بات منواتی ہے۔ تریاہٹ کے بارے میں آپ نے بہت کچھ پڑھا ہوگا۔ ماشاءاللہ آپ خاصے پڑھاکو وکیل ہیں!''

''ہاں' میں نے اس بارے میں پڑھا ہے'' میں نے تصدیق کی۔

وہ ایک ٹھنڈی آہ بھرتے ہوئے بولا ''جب سے میں نے دوسری شادی کی ہے' رخشندہ کی ضدیں کچھ زیادہ ہی بڑھ گئی ہیں۔ وہ ہر وقت میرے پیسے خرچ کروانے کے چکر میں رہتی ہے۔ اگر میں اس کا علاج کرتا تو ایک پائی پیسا خرچ نہ ہوتا اس لیے وہ ضد کر کے آپریشن وغیرہ کے چکر میں پڑ گئی ورنہ کڈنی اسٹون تو میرے بائیں ہاتھ کا کھیل ہے۔''

''اور آپ کا اپنے بارے میں کیا خیال ہے؟'' میں نے چبھتے ہوئے لہجے میں کہا۔

''میرے بارے میں!'' وہ الجھن زدہ نظر سے مجھے دیکھنے لگا۔

میں نے کہا ''آپ گزشتہ پانچ سال سے ذیابیطس کے مرض کا شکار ہیں۔ اسی وجہ سے ہائی بلڈ پریشر میں بھی مبتلا ہو گئے ہیں۔ آپ باقاعدگی سے انسولین کے انجکشن بھی لیتے ہیں۔ کیا آپ کا اپنے آپ پر بھی اختیار نہیں ہے۔ اپنا علاج خود نہ کرنے کی کیا وجہ ہے؟''

ایک لمحے کے لیے اس نے مجھے مخاصمانہ نظر سے گھورا پھر کسی فلسفی کی طرح آنکھیں سکیڑتے ہوئے بولا ''وکیل صاحب! درخت خود دھوپ میں جلتا ہے تو دوسروں کے لیے سایہ فراہم کرنے میں کامیاب ہوتا ہے۔ آپ عقل مند ہیں۔ میرا اشارہ بخوبی سمجھ گئے ہوں گے۔''

وہ بڑی خوبصورتی سے جان چھڑانے کی کوشش کر رہا تھا۔ میں نے قدرے سخت لہجے میں کہا ''علاج کروانا سنت نبویؐ ہے۔ میری معلومات کے مطابق آپ کی دو بیویاں ہیں مگر اولاد ایسی نعمت سے آپ یکسر محروم ہیں۔ سندس سے آپ نے دوسری شادی اولاد ہی کے لیے کی تھی مگر اس سلسلے میں بھی آپ کو ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا۔ اس وقت آپ تینوں کو واضح الفاظ میں بے اولاد کہا جا سکتا ہے جب کہ آپ بے اولادی کا شرطیہ علاج کرنے کے ماہر ہیں اور اس سلسلے میں اپنے پاس آنے والوں سے آپ بڑی بڑی رقمیں بھی اینٹھتے ہیں۔''

وہ دونوں ہاتھ بلند کرتے ہوئے تجاہل عارفانہ سے بولا ''یہ سب خدا کی قدرت ہے اور میں ڈاکٹر قدرت اللہ ہوں۔''

میں اپنی اس طویل اور غیر متعلقہ جرح کے ذریعے ڈاکٹر قدرت اللہ کی اصلیت اور لوٹ مار کو معزز عدالت کے علم میں لانا چاہتا تھا اور اس مقصد میں مجھے خاطر خواہ کامیابی ہوئی تھی۔ لہٰذا میں نے زیر سماعت کیس کی جانب پلٹا کھایا اور قدرت اللہ سے پوچھا۔

''آپ نے وکیل استغاثہ کے ایک سوال کے جواب میں کہا ہے' ملزم فیاض یوسف کا قاتل ہے۔ کیا آپ نے ملزم کو اپنی آنکھوں کے سامنے قتل کی واردات کرتے ہوئے دیکھا تھا؟''

اس نے نفی میں گردن ہلائی اور بولا ''میرے کہنے کا مطلب یہ تھا کہ کلینک سے برطرفی کے وقت ملزم نے واشگاف الفاظ میں مقتول کو جان سے مارنے کی دھمکی دی تھی لہٰذا یوسف کے قتل کے بعد فیاض کے بارے میں ایسا سوچنا کچھ غلط بھی نہیں۔''

''تو گویا یہ محض آپ کی سوچ تھی۔'' میں نے پرخیال انداز میں کہا پھر پوچھا ''کیا آپ نے ملزم کو اس قسم کی کوئی خطرناک دھمکی دیتے ہوئے سنا تھا۔ میرا اشارہ یوسف کو جان سے مارنے کی دھمکی کی جانب ہے؟''

''نہیں' میں نے اپنے کانوں سے ایسا کہتے ہوئے نہیں سنا۔''

''پھر یہ بات آپ تک کیسے پہنچی؟''

''مجھے محمود نے اس دھمکی کے بارے میں بتایا تھا۔''

''محمود صاحب آپ کے انتہائی قریبی سسرالی رشتے دار ہیں؟''

''جی ہاں' ایسا ہی ہے۔'' اس نے سر کو اثباتی جنبش دیتے ہوئے کہا۔

میں نے پوچھا ''قدرت اللہ صاحب! آپ نے اپنے بیان میں اور پھر وکیل استغاثہ کی جرح کے جواب میں بتایا ہے کہ ملزم نے مقتول کو قتل کی دھمکی اس لیے دی تھی کہ اس کے خیال میں مقتول نے اس کے خلاف کوئی خطرناک سازش کی تھی جس کے نتیجے میں ملزم کی ملازمت جاتی رہی۔''

میں ایک لمحے کو سانس لینے کی خاطر رکا پھر بات جاری رکھتے ہوئے مزید کہا ''آپ نے اس بات کی وضاحت بھی کی ہے کہ آپ نے مقتول کو ملزم کے بارے میں کسی نہایت ہی اہم اور رازداری کے کام میں لگا رکھا ہے۔ آپ کو شبہ ہے کہ ملزم آپ کے ساتھ بے ایمانی کا برتاؤ کر رہا تھا اور اس نے حسابات میں مختلف گھپلے کر کے اچھی خاصی رقم خورد برد کر لی تھی۔ آپ نے مقتول کی فراہم کردہ رپورٹ پر ایکشن لیا اور ملزم کو کھڑے کھڑے نوکری سے نکال دیا۔''

''وہ اسی سلوک کا مستحق تھا۔'' وہ سپاٹ لہجے میں بولا۔

میں نے کہا ''حالانکہ میرے موکل اور اس مقدمے کے ملزم نے اس موقع پر اپنی صفائی میں بہت کچھ کہنا چاہا تھا لیکن آپ نے اس کی ایک نہ سنی کیا آپ کا رویہ ظلم و زیادتی کے زمرے میں نہیں آتا؟ دنیا کی ہر عدالت ملزم کو کوئی بھی سزا سنانے سے قبل صفائی کا موقع ضرور دیتی ہے۔ کیا میں غلط کہہ رہا ہوں؟''

''آپ بالکل درست فرما رہے ہیں۔'' وہ مصلحت آمیز لہجے میں بولا ''میں دنیا کی ہر عدالت کی اس مہربانی سے واقف ہوں۔ آپ کی اطلاع کے لیے عرض کر دوں کہ میں کسی بھی قسم کی زیادتی یا ظلم کا مرتکب نہیں ہوا کیونکہ ملزم فیاض اپنی صفائی میں نہیں بلکہ محمود کی مخالفت اور بدخواہی میں بہت کچھ کہنا چاہتا تھا۔ اس نے جیسے ہی اسٹارٹ لیا' میں سمجھ گیا وہ کس میٹر بینڈ پر تقریر کرنے والا ہے لہٰذا میں نے اسے چپ کراتے ہوئے فوراً دفع ہونے کے احکام صادر کر دیے۔ مجھے اس بات کا کوئی شوق نہیں تھا کہ اسے محمود پر کیچڑ اچھالتے ہوئے دیکھوں یا سنوں۔ محمود میرے بھروسے کا آدمی ہے۔ وہ حسابات میں کسی قسم کی گڑبڑ یا بے ایمانی نہیں کر سکتا۔''

میں نے کہا ''قدرت اللہ صاحب! کیا آپ اس کیچڑ کی وضاحت کریں گے' ملزم جو محمود پر اچھالنے کا ارادہ رکھتا تھا؟''

وکیل استغاثہ نے بہ آواز بلند کہا ''مجھے سخت اعتراض ہے جناب عالی! جرح کا رخ ایک مرتبہ پھر نامعلوم اور غیر متعلقہ منزل کی جانب مڑ چکا ہے۔ یہ عدالت یوسف مرڈر کیس کے لیے لگائی

گئی ہے نہ کہ ملزم فراڈ کیس کے لیے۔ میں معزز عدالت سے استدعا کروں گا کہ میرے فاضل دوست کو واپس راہ راست پر لایا جائے۔''

جج نے مجھ سے مخاطب ہوتے ہوئے پوچھا ''بیگ صاحب! کیا گواہ پر جرح کے دوران میں ملزم کی سابق ہیرا پھیری کا ذکر بہت ضروری ہے؟''

''نہایت ہی ضروری جناب عالی!'' میں نے ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے کہا ''ملزم کی مبینہ ہیرا پھیری' اس کا ملازمت سے نکالا جانا' مقتول کو جان سے مارنے کی دھمکی اور پھر مقتول یوسف کا قتل سب کچھ ایک ہی زنجیر کی کڑیاں ہیں اس لیے زنجیر کو مکمل کرنے کے لیے کڑیوں کا آپس میں مربوط کرنا بہت اہم ہے اور میں اسی کوشش میں لگا ہوا ہوں۔'' ایک لمحے کے توقف سے میں نے اضافہ کیا ''ہاں' اگر گواہ کو میرے سوالات کے جواب دینے میں کوئی اعتراض ہے تو پھر دوسری بات ہے۔''

جج نے گواہ قدرت اللہ کی جانب استفسار طلب نظر سے دیکھا' وہ بولا ''میں آج وکیل صفائی کے تمام ارمان پورے کروں گا اس لیے وہ جو چاہیں پوچھ سکتے ہیں۔ مجھے کسی قسم کا کوئی اعتراض نہیں۔''

میں نے اپنے سوال کو دہرایا۔

اس نے جواب دیا ''جب میں نے ملزم سے اس کی بے ایمانی اور بدعنوانی کے سلسلے میں باز پرس کی تو وہ سارا الزام محمود کے سر تھوپنے کی کوشش کرنے لگا۔ اس کا کہنا تھا کہ نہ ملنے والی تمام رقوم اس نے محمود کے حوالے کی تھیں مگر اس نے اپنے پاس رجسٹر میں ان کا اندراج نہیں کیا اس طرح خورد برد کی صورت حال نے جنم لیا مگر میں نے محمود کیخلاف اس کی ایک نہ سنی اور پہلی فرصت میں اسے چلتا کر دیا۔''

میں نے کہا ''یہ بھی تو ممکن ہے' میرے موکل کا کہنا درست ہو۔ آپ کا سسرالی رشتے دار واقعی اس کرپشن میں ملوث ہو؟''

''یہ ممکن نہیں۔'' وہ قطعیت سے بولا ''محمود میرا برسوں کا آزمایا ہوا ہے۔ وہ اتنی گھٹیا حرکت نہیں کر سکتا پھر محمود والے حسابات پر ہی کیا موقوف!'' وہ چند لمحے سانس لینے کی خاطر رکا پھر بات کو آگے بڑھاتے ہوئے بولا ''میں نے دراصل فیاض کو غیر ملکی گھپلوں کے سبب نوکری سے برخاست کیا تھا۔''

''غیر ملکی گھپلوں سے آپ کی کیا مراد ہے؟''

''محمود سے منسوب گڑبڑ تو چند ہزار کی تھی۔ میں اسے نظر انداز کر سکتا تھا۔'' ڈاکٹر قدرت اللہ نے [illegible]ت کرتے ہوئے کہا ''شاید آپ کو معلوم نہیں' میرے کلائنٹس پوری دنیا میں پائے جاتے

ہیں۔ گرین لینڈ سے انٹارٹیکا تک اور فجی سے الاسکا کہیں نہ کہیں آپ کو میرا کلائنٹ ضرور ملے گا اور ''

''ماشاءاللہ!'' میں نے قطع کلامی کرتے ہوئے کہا ''آپ تو پوری دنیا میں پھیلے ہوئے ہیں۔''

وہ میرے تبصرے کو نظر انداز کرتے ہوئے بولا ''غیر ممالک سے مجھے فیاض کی بہت ہی شکایات ملی تھیں۔ اس نے ناروے کی تصور خانم' انگلینڈ کی گلشاد بیگم' فرانس کی مسز چوہان اور دبئی کی سلمیٰ اعوان سے مجموعی طور پر ایک لاکھ روپے ہتھیا لیے تھے۔ کہیں غلط بیانی کر کے اور کہیں دھوکا دہی سے۔ جو شخص میرا ملازم ہوتے ہوئے میرے ہی کلینک پر بیٹھ کر فریب اور دھوکا دہی سے میرے کاروبار کو برباد اور اپنے گھر کو آباد کر رہا ہو' میں اسے کس طرح معاف کر سکتا ہوں؟'' وہ بولتے بولتے خاصا جذباتی ہو گیا' بات کو آگے بڑھاتے ہوئے بولا ''ایسے شخص کو میں اپنے کلینک پر ایک لمحہ برداشت نہیں کر سکتا لہٰذا میں نے اسے دفع دور کر دیا۔''

''آپ کے بیان سے لگتا ہے' آپ کے کلائنٹس میں غالب تعداد خواتین کی ہے۔ بہر حال!'' میں نے کندھے اچکائے اور کہا ''وکیل استغاثہ کو آپ نے بتایا ہے کہ ملزم نے آپ کو لگ بھگ ڈیڑھ لاکھ روپے کا نقصان پہنچایا ہے۔ ایک لاکھ فراڈ کر کے اور پچاس ہزار بطور قرض حاصل کر کے نوکری سے نکالنے کے دوسرے روز آپ نے اسے دھمکی دی تھی کہ اس کے خلاف غبن کی رپورٹ درج کرائیں گے لیکن آپ نے اپنے ارادے پر عمل نہیں کیا۔ اس کی وجہ بتائیں گے؟''

ڈاکٹر قدرت اللہ نے حقارت آمیز نظر سے کٹہرے میں کھڑے ملزم فیاض کو دیکھا اور خشک لہجے میں بولا ''مجھے اس خبیث کے بچوں کا خیال آ گیا تھا۔ میں نے سوچا' اگر یہ شخص جیل چلا گیا تو اس کے بیوی بچے رل جائیں گے۔ بس یہی سوچ کر میں نے غبن کی رپورٹ کا خیال دل سے نکال دیا۔''

''ماشاءاللہ! آپ بڑے خدا ترس اور انسان دوست ثابت ہوئے ہیں!'' میں نے طنزیہ لہجے میں کہا ''اس وقت آپ کی خدا ترسی اور انسان دوستی کہاں چلی جاتی ہے جب علاج کے نام پر آپ بے بس اور مجبور لوگوں کو دونوں ہاتھوں سے لوٹتے ہیں؟''

''یہ کیا بکواس ہے؟'' وہ بپھر کر بولا۔

''یہ بکواس نہیں حقیقت ہے۔'' میں نے ترکی بہ ترکی کہا۔

''آپ اسٹیرائیڈز (Steroid) پر مشتمل ادویات مریضوں کے اجسام میں پہنچا کر ایک طرف ان کی جمع پونجی کا صفایا کرتے ہیں اور دوسری جانب انہیں لاعلاج امراض میں مبتلا کر کے موت کی وادی میں دھکیل دیتے ہیں۔ کیا آپ اس بات سے انکار کریں گے کہ آپ کے کورسز کے نام پر تیار کردہ نسخہ جات میں اسٹیرائیڈز شامل ہوتے ہیں؟''

''ہاں' میں انکار کرتا ہوں۔'' وہ بڑی شدت سے بولا ''میرے تیار کردہ نسخہ جات خالص جڑی بوٹیوں پر مشتمل ہوتے ہیں۔''

وکیل استغاثہ نے میرے دعوے سے فائدہ اٹھاتے ہوئے کہا ''وکیل صاحب! آپ کے پاس اس بات کا کیا ثبوت ہے کہ معزز گواہ اپنی ادویہ میں اسٹیرائیڈز ملاتے ہیں۔ اگرچہ یہ ایک غیر متعلقہ سوال ہے مگر میں ضرور پوچھنا چاہوں گا۔''

جج نے بھی مجھ سے دریافت کیا ''بیگ صاحب! آپ اس بات کے ثبوت میں کیا کہیں گے؟''

میں نے کہا ''مسز شمیم نامی میری ایک جاننے والی عورت آج کل گواہ کے زیر علاج ہے۔ اس کے پاس موجود ادویاتی کورس کو میں عدالت میں پیش کر سکتا ہوں۔ لیبارٹری ٹیسٹ کے بعد دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ہو جائے گا۔ میری ہدایت پر اس عورت نے علاج روک دیا تھا۔ اس لیے دوا کا پورا پیکٹ اس کے پاس محفوظ ہے۔''

''یہ...... میرے...... اور میرے کلینک کے خلاف کوئی...... سازش بھی ہو سکتی ہے؟'' ڈاکٹر قدرت اللہ گڑبڑائے ہوئے لہجے میں بولا۔

میں نے مضبوط لہجے میں کہا ''ہونے کو تو بہت کچھ ہو سکتا ہے۔ آپ کے کلینک کے رجسٹر میں مسز شمیم کا اندراج موجود ہے پھر آپ کے کلینک پر موجود ادویہ کو بھی ٹیسٹ کے لیے بھیجا جا سکتا ہے اور......''

اسکے ساتھ ہی عدالت کا وقت ختم ہو گیا۔ جج نے آئندہ پیشی کی تاریخ دیکر عدالت برخاست کر دی۔

☆☆☆

منظر اسی عدالت کا تھا اور کٹہرے میں استغاثہ کا گواہ محمود کھڑا تھا۔ جب وہ حلفیہ بیان دے چکا تو وکیل استغاثہ نے اس سے پوچھا۔

''محمود صاحب! آپ کو ہمراز پولی کلینک پر کام کرتے ہوئے کتنا عرصہ ہوا ہے؟''

''تقریباً پانچ سال۔'' اس نے جواب دیا۔

''اور ملزم کو؟''

''کم وبیش تین سال۔''

وکیل استغاثہ نے سوال کیا ''ان تین سالوں میں آپ نے ملزم کو کیسا پایا؟''

محمود نے تھوڑی دیر سوچنے کے بعد کہا ''وکیل صاحب! ہم کو زیادہ باتیں کرنا نہیں آتا۔ سچی بات یہ ہے کہ فیاض کے بارے میں کبھی کوئی حتمی رائے قائم نہیں کر سکے۔ کسی وقت اس کا رویہ ایک

ہمدرد انسان کی طرح ہو جاتا اور کبھی لگتا یہ مکار اور عیار شخص ہے۔ بہرحال ڈاکٹر صاحب نے اس کے فراڈ اور غبن کو آخر پکڑ ہی لیا۔''

''محمود صاحب! جب ڈاکٹر قدرت اللہ نے ملزم کو نوکری سے برخاست کیا تو اس نے مقتول کو جان سے مارنے کی دھمکی دی تھی۔ آپ تو اس موقع پر موجود تھے۔ اس بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟''

محمود نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے کہا ''ملزم نے ہمارے سامنے یوسف کو قتل کی دھمکی دی تھی۔ ہم بہت حیران ہوئے کیوں کہ ہم نے اس سے پہلے کبھی ملزم کو اتنے غصے میں نہیں دیکھا تھا۔ ہمیں تو لگ رہا تھا' وہ اسی وقت یوسف کو ختم کر دے گا۔ بہرحال وہ تھوڑی دیر تک برا بھلا کہنے کے بعد کلینک سے چلا گیا تھا۔''

وکیل استغاثہ نے گھما پھرا کر چند مزید سوالات کیے اور جرح ختم کر دی۔ میں اپنی باری پر گواہ والے کٹہرے کے پاس پہنچ گیا۔

استغاثہ کے گواہ محمود کی عمر کا تخمینہ میں نے پچاس کے قریب لگایا۔ وہ مضبوط کاٹھی کا مالک ایک سیدھا سادہ انسان تھا۔ اس نے آسمانی رنگ کی شلوار قمیض پہن رکھی تھی۔ چہرے پر نظر کا چشمہ بھی نظر آ رہا تھا۔ میں نے جرح کا آغاز کرتے ہوئے کہا۔

''محمود صاحب! آپ کے بیانات اور وکیل استغاثہ کو دیئے گئے جوابات سے ظاہر ہوتا ہے آپ کی ملزم کے ساتھ لگ بھگ تین سال تک ملازمانہ رفاقت رہی ہے۔ میں غلط تو نہیں کہہ رہا؟''

وہ بولا ''ظاہر ہے آپ ٹھیک ہی کہہ رہے ہیں۔ ملزم ہماری موجودگی میں ہی کلینک پر ملازم ہوا تھا۔ ہم نے تین سال تک ایک ساتھ کام کیا ہے۔''

''ان تین سالوں میں آپ نے اسے کیسا پایا؟''

''ٹھیک ٹھاک ہی پایا۔'' وہ گردن کو ایک جھٹکا دیتے ہوئے بولا ''ہمیں تو اندازہ نہیں تھا یہ اس قسم کی گھپلے بازی کرے گا۔ بظاہر تو یہ بہت شریف آدمی لگا ہم کو۔''

''ملزم کے گھپلے بازی پر تھوڑی روشنی ڈالیں گے؟'' میں نے تیز لہجے میں کہا۔

وہ ایک سست سانس خارج کرتے ہوئے بولا ''ہم اس سے پہلے بھی دو تین مرتبہ اس کیس کی کارروائی کے دوران میں عدالت میں موجود رہے ہیں۔ ہمارا خیال ہے لگ بھگ پانچ مرتبہ ملزم کی گھپلے بازی زیر بحث آ چکی ہے۔ اب ہم اپنی زبان سے کیا کہیں۔ سب کچھ تو سامنے آ چکا ہے!''

''آپ اس وقت استغاثہ کے ایک معزز گواہ کی حیثیت سے کٹہرے میں کھڑے ہیں۔'' میں نے اس کے چہرے پر نگاہ جماتے ہوئے کہا ''کارروائی کی سماعت کے لیے عدالت میں آنا بالکل مختلف بات ہے۔ اس وقت معزز عدالت آپ کی زبان سے سننا چاہتی ہے لہٰذا آپ کو میرے سوال

کا جواب دینا ہوگا۔''

''ٹھیک ہے بھئی! آپ کا اصرار ہے تو ہم ضرور بتائیں گے۔'' وہ مصالحانہ انداز میں بولا'' ملزم نے ڈاکٹر صاحب کے ساتھ کئی قسم کی گھپلے بازی کی ہے۔ غیر ممالک میں بسنے والے کلائنٹس سے دوگنا تین گنا رقمیں منگوا کر ان کا کہیں اندراج نہیں کیا اور نہ ہی ان لوگوں کو کورسز روانہ کیے گئے۔ اسی طرح کلینک پر بھی بعض رقمیں خورد برد کر لی گئیں اور اپنے رجسٹر میں فرضی اندراج کر کے ہمیں رقم نہیں دی بلکہ الٹا ہمیں پھنسانے کیلئے وہ رقمیں ہمارے کھاتے میں ڈال دیں۔ اسی طرح کی اور بھی بہت سی ہیرا پھیری ہے۔''

میں نے کہا'' میرے موکل کا کہنا ہے کہ اس نے اپنے پاس درج ہونے والی ہر رقم آپ کے سپرد کر دی تھی مگر آپ اپنی غائب دماغی اور بے احتیاطی کے باعث ان رقموں کو اپنے رجسٹر میں درج نہ کر سکے آپ اس بارے میں کیا کہتے ہیں؟''

''نا بابا! اگر ان رقوم کا اندراج کرنا بھول جاتے تو حسابات کرتے وقت ہمارے پاس موجود کیش ضرور بڑھ جاتا مگر کبھی ایسا نہیں ہوا کہ ایک روپے کا بھی فرق آیا ہو۔ ملزم اپنے جرم کی پردہ پوشی کے لیے اس قسم کی بے سروپا باتیں کر رہا ہے۔''

میں نے چبھتے ہوئے لہجے میں کہا'' میرے موکل کا موقف تو یہ ہے کہ اصل مجرم آپ ہیں۔ خود کو بچانے کے لیے آپ نے ٹوپی اس کے سر پہنا دی ہے۔'' ایک لمحے کے توقف سے میں نے اضافہ کیا'' محمود صاحب! آپ چونکہ ڈاکٹر قدرت اللہ کے قریبی رشتے دار ہیں اس لیے ڈاکٹر نے آپ پر شک کرنے کے بجائے ملزم کو نوکری سے نکال دیا۔''

وہ قدرے اکھڑے ہوئے لہجے میں بولا'' اگر ہم ڈاکٹر صاحب کے رشتے دار ہیں تو اس میں پریشانی اور اعتراض کی کون سی بات ہے؟ انہوں نے ہم پر اعتماد کا اظہار کیا ہے تو ان کا بڑا پن ہے۔ ڈاکٹر صاحب بہت ہمدرد اور انسان دوست ہیں۔ انہوں نے مختلف مواقع پر ہم پر بہت احسانات کیے ہیں۔ ہم حسابات میں یہ چھوٹی موٹی ہیرا پھیری کر کے اپنے ہاتھ گندے اور منہ کالا نہیں کر سکتے۔'' وہ ایک لمحے کو سانس درست کرنے کی خاطر رکا پھر جذباتی لہجے میں بولا'' ڈاکٹر صاحب نے ہمیں کبھی اپنا ملازم نہیں سمجھا' ہماری حیثیت گھر کے ایک فرد جیسی ہے۔ کلینک میں بھی ہمیں مالکانہ حقوق حاصل ہیں۔ ملزم کو ہمیں موردِ الزام ٹھہراتے ہوئے اتنا تو سوچ لینا چاہیے تھا۔''

میں نے کہا'' محمود صاحب! ڈاکٹر قدرت اللہ سے آپ کے مراسم اپنی جگہ اور ڈاکٹر صاحب کا آپ پر اعتماد اور بھروسا ایک طرف مگر ایک بات میری کچھ سمجھ میں نہیں آ رہی اور وہ یہ کہ ڈاکٹر صاحب نے آپ کو ایک فضول کی ذمے داری کیوں سونپ رکھی تھی؟''

''فضول کی ذمہ داری!'' اس نے چونک کر مجھے دیکھا۔ میں نے کہا'' جہاں تک میں سمجھ پایا

ہوں..... اور یہ حالات و واقعات سے بھی ظاہر ہوتا ہے کہ ملزم فیاض اور آپ کلینک میں ایک ہی نوعیت کا کام کر رہے تھے یا یوں کہنا زیادہ مناسب ہوگا کہ دو افراد بہ یک وقت ایک ہی کام کر رہے تھے۔ اس صورت میں غلط فہمی اور حسابی گڑبڑ پیدا ہونے کے امکانات سو فیصد سے تجاوز کر جاتے ہیں۔ اس سلسلے میں آپ کیا وضاحت کریں گے؟''

''آپ کا کہنا اس حد تک درست ہے کہ ہم دونوں ایک ہی کام کر رہے تھے۔'' وہ مفاہمانہ انداز میں بولا'' ہم ایسا کیوں کر رہے تھے؟ اس سوال کا جواب آپ کو ڈاکٹر صاحب سے پوچھنا چاہیے کیونکہ یہ سب کچھ انہی کے احکام سے ہو رہا تھا۔''

''ٹھیک ہے محمود صاحب!'' میں نے زاویہ سوالات کو تھوڑا تبدیل کرتے ہوئے کہا'' گواہ ڈاکٹر قدرت اللہ نے مجھے بتایا تھا..... اور تھوڑی دیر پہلے وکیل استغاثہ کے سامنے بھی آپ نے اس بات کا اقرار کیا ہے کہ ملزم کی دھمکی والی بات ڈاکٹر تک آپ کے توسط سے پہنچی تھی؟''

''اس میں کوئی شک نہیں۔'' وہ سادگی سے بولا'' ملزم نے ہمارے سامنے مقتول یوسف کو جان سے مارنے کی دھمکی دی تھی۔ ہم ڈاکٹر صاحب کا نمک کھاتے ہیں۔ رشتے داری رہی ایک طرف' کلینک میں کام کرنے کے حوالے سے بھی ہم پر بہت سے فرائض عائد ہوتے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب کو ملزم کی دھمکی سے آگاہ کرنا ہماری اولین ذمہ داری تھی۔ کیا ایسا کر کے ہم نے کوئی غلطی کی ہے؟''

''کوئی غلطی نہیں کی۔'' میں نے سرسری انداز میں کہا پھر پوچھا'' کیا آپ کا بھی یہی خیال ہے کہ مقتول یوسف کو ملزم فیاض نے قتل کیا ہے؟''

میں نے بات ختم کرتے ہی اس کی آنکھوں میں جھانکا۔ وہ جزبز ہوتے ہوئے بولا'' ہم نے ملزم کو اپنی آنکھوں سے قتل کی واردات کرتے ہوئے تو نہیں دیکھا البتہ اس روز ملزم نے جتنے خطرناک انداز میں مقتول کو جان سے مار دینے کی دھمکی دی تھی اس کے پیش نظر کہا جا سکتا ہے کہ یہ حرکت ملزم فیاض کے سوا کسی اور کی نہیں ہو سکتی۔''

''گویا آپ ملزم کے اقدام کے بارے میں پر یقین نہیں ہیں؟''

''ظاہر ہے' آنکھوں دیکھے بغیر کوئی بات یقین سے کیسے کہی جا سکتی ہے۔'' وہ بے بسی سے بولا۔

میں نے پوچھا'' اگر ملزم کے خلاف تحقیق والے معاملے کو نظر انداز کر دیا جائے تو آپ کے خیال میں اس قتل کی کوئی اور وجہ بھی ہو سکتی ہے۔ میرا مطلب ہے کوئی ایسا محرک یا سبب جس کی بنا پر میرا موکل مقتول یوسف کو قتل کرنے پر مجبور ہو سکتا ہو؟''

میرا سوال سمجھنے میں اسے تھوڑی دیر لگی۔ اس نے ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے کہا۔

"ہمارے خیال میں سب سے بڑی وجہ تو یہی ہوسکتی ہے اور اگر اس کے علاوہ کوئی اور وجہ ہے تو ہم اس کے بارے میں کچھ نہیں جانتے۔" وہ تھوڑے وقت کے لیے خاموش ہوا پھر بات جاری رکھتے ہوئے بولا "ہمراز پولی کلینک میں مقتول یوسف کو لانے والا یہی شخص یعنی ملزم فیاض ہی تھا اور ہمیں معلوم ہے کسی زمانے میں ملزم منظور کالونی میں مقتول کے گھر کے نزدیک رہتا تھا۔ دونوں میں بہت اچھی دوستی بھی تھی۔ بعض اوقات جب دوستی دشمنی میں بدلتی ہے تو اس کی گہرائی دوستی سے کہیں زیادہ ہوتی ہے۔ منفی جذبات اور خیالات زیادہ تیزی سے پھلتے پھولتے ہیں۔ عین ممکن ہے ان دونوں کی دوستی درپردہ کسی وجہ سے دشمنی میں بدل گئی ہو۔"

"لیکن آپ اس بارے میں کچھ نہیں جانتے؟"

اس نے نفی میں گردن ہلانے پر اکتفا کیا۔

میں نے پوچھا "مقتول عموماً کلینک کتنے بجے پہنچ جاتا تھا؟"

"اس کا کوئی وقت مقرر نہیں تھا۔" وہ بے پروائی سے بولا۔

"یہ تو مجھے بھی معلوم ہے۔" میں نے مقررہ وقت کے بارے میں نہیں پوچھا بلکہ اس کی عمومی آمد کے بارے میں دریافت کیا ہے؟"

اس نے بتایا "عام طور پر مقتول دوپہر گیارہ بارہ بجے تک کلینک پہنچ جاتا تھا۔"

"کلینک کے اوقات کیا ہیں؟"

"شام پانچ بجے سے رات دس بجے تک۔" اس نے جواب دیا پھر وضاحت کرتے ہوئے بولا "مقتول کو ڈاکٹر صاحب نے کچھ اضافی ذمہ داری سونپ رکھی تھی۔ اس لیے وہ دن میں کلینک آ کر کمپیوٹر پر کام کرتا رہتا تھا۔ اس کے پاس کلینک کی چابیوں کا ایک سیٹ موجود تھا۔"

میں نے سلسلہ سوالات کو دراز کرتے ہوئے پوچھا "مقتول کی اضافی ذمہ داریوں سے قبل کلینک کتنے بجے کھلتا تھا؟"

"عموماً شام چار بجے۔" اس نے بتایا "تاکہ باقاعدہ کلینک کا وقت شروع ہونے سے پہلے صفائی اور سیٹنگ وغیرہ ہو سکے۔"

"کلینک کھولنے کی ذمہ داری کس کی تھی؟" میں نے استفسار کیا "میرا مطلب ہے' ان دنوں جب مقتول نے دن میں کلینک آنا شروع نہیں کیا تھا؟"

اس نے جواب دیا "یہ ذمہ داری آفس بوائے ریحان کی تھی۔"

ریحان وہ نوجوان لڑکا تھا جس نے مقتول یوسف کی لاش کو سب سے پہلے دیکھا تھا۔ واقعات اور استغاثہ کے مطابق حسب معمول جب وہ چار بجے کلینک پہنچا تو اس نے مقتول کو اپنی سیٹ پر مردہ پایا تھا۔ میں نے اسی حوالے سے گواہ محمود سے سوال کیا۔

"محمود صاحب! وقوعہ کے روز آفس بوائے ریحان نے شام یا سہ پہر چار بجے مقتول کی لاش دریافت کی۔ آپ ذرا سوچ کر بتائیں' دوپہر بارہ سے سہ پہر چار بجے کے درمیانی وقفے میں اسٹاف میں سے کون شخص کلینک آ سکتا ہے؟ واضح رہے کہ پوسٹمارٹم کی رپورٹ کے مطابق مقتول کی موت کا وقت دوپہر دو اور تین بجے کے درمیان بتایا گیا ہے۔"

محمود نے کھنکار کر گلا صاف کیا اور بتایا "اس دوران میں اسٹاف کا کوئی آدمی کلینک نہیں آتا تھا اور نہ ہی وقوعہ کے روز کسی کی آمد کی شہادت ملتی ہے۔ یوسف کے علاوہ باقی تمام افراد پانچ بجے ہی کلینک پہنچتے تھے البتہ آفس بوائے لگ بھگ چار بجے آ جاتا تھا کیوں کہ اسے اپنی نگرانی میں صفائی کروانا ہوتی تھی۔"

"محمود صاحب!" میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے سوال کیا "کلینک پر آپ کی آمد و شد کے کیا اوقات ہیں؟"

وہ اکتاہٹ آمیز لہجے میں بولا "ہم عموماً شام چھ بجے کلینک پہنچتے تھے اور واپسی میں دس' ساڑھے دس اور گیارہ بھی بج جاتے تھے۔ دفتر کا باقی اسٹاف دس بجے چھٹی کر جاتا تھا۔ ہم ڈاکٹر صاحب کے ساتھ ہی کلینک سے نکلتے۔ وہ اپنی گاڑی میں ہمیں پہلے ہمارے گھر چھوڑتے پھر اپنے گھر کی جانب روانہ ہو جاتے لیکن ....." اس نے جملہ ادھورا چھوڑ کر میری طرف دیکھا۔

میری سوالیہ نظر اس پر جمی رہی تو وہ اپنے "لیکن" کی وضاحت میں بتانے لگا "جب سے فیاض کو نوکری سے نکالا گیا تھا ہم نے شام پانچ بجے کلینک آنا شروع کر دیا تھا۔ ملزم فیاض کے جانے کی وجہ سے کام کا لوڈ بڑھ گیا تھا چنانچہ ہمیں وقت سے پہلے آنا پڑتا۔"

"کیا وقوعہ کے روز بھی آپ شام پانچ بجے ہی کلینک پہنچے تھے؟"

"نہیں' اس روز ہمیں ایمرجنسی میں ساڑھے چار بجے کلینک پہنچنا پڑا۔"

میں نے کہا "اور اس ایمرجنسی کا تعلق اس فون سے تھا جو کلینک کے آفس بوائے ریحان نے آپ کے گھر کیا تھا؟"

"جی ہاں' ریحان نے ہمیں اطلاع دی تھی کہ کلینک پر یوسف کو کسی نے قتل کر دیا ہے۔" اس نے بتایا "اس لیے ہمیں فوراً کلینک پہنچنا پڑا۔"

"جب آپ کلینک پہنچے تو ریحان کے علاوہ اسٹاف کا کوئی اور شخص بھی وہاں موجود تھا؟"

"نہیں!" وہ قطعیت سے بولا۔

"آپ نے جائے وقوعہ پر پہنچنے کے بعد کیا کیا؟"

"ہم نے پہلی فرصت میں ڈاکٹر صاحب کو فون کر کے اس سانحے کی اطلاع دی تھی۔" اس نے جواب دیا "ڈاکٹر صاحب نے کہا کہ وہ کلینک پر آ رہے ہیں اور ہمیں ہدایت کی کہ ہم متعلقہ

تھانے فون کر کے پولیس کو اس واردات کے بارے میں بتائیں۔ ہم نے فوراً ڈاکٹر صاحب کی ہدایت پر عمل کیا۔''

میں نے اچانک اپنے لہجے میں سختی بھرتے ہوئے کہا ''محمود صاحب! کیا یہ غلط ہے کہ وقوعہ کے روز آپ بارہ اور ایک بجے دوپہر کے درمیان کلینک پر موجود تھے؟''

''یہ غلط نہیں ہے۔'' اس نے کہا ''ہم واقعی ان اوقات میں وہاں موجود تھے بلکہ مذکورہ اوقات میں ہم اکثر وہاں جاتے ہیں۔''

''اس کی کوئی خاص وجہ ہے؟''

''جی ہاں۔'' محمود نے اثبات میں سر ہلایا ''دراصل بات یہ ہے کہ بچوں کو سکول سے لینے کی ذمہ داری ہماری ہے پھر ادھر نرسری مارکیٹ میں ہمارے چھوٹے بھائی کی دکان بھی ہے۔ وہاں بھی ہمیں تھوڑی دیر کے لیے جانا ہوتا ہے۔ چنانچہ آتے جاتے ہمیں جب بھی تھوڑی فرصت ہوتی ہے ہم کلینک سرور جاتے ہیں کیونکہ یہ ہماری راہ میں پڑتا ہے۔ بچوں کا سکول تھوڑا آگے ہے۔ مقتول یوسف سے تھوڑی گپ شپ ہو جاتی اور ہم کمپیوٹر کے بارے میں اس سے سوالات بھی کرتے۔ دراصل ڈاکٹر صاحب نے ہمیں مشورہ دیا تھا کہ ہم کوشش کر کے جلد از جلد کمپیوٹر کا کام سیکھ لیں۔''

''ڈاکٹر صاحب نے آپ کو بہترین مشورہ دیا تھا۔'' میں نے سراہنے والے انداز میں کہا پھر پوچھا ''آپ کے عدالتی بیان میں ایک نہایت اہم نکتہ یہ بھی پایا جاتا ہے کہ آپ نے ملزم کی جائے وقوعہ کے نزدیک موجودگی کا ذکر کیا ہے۔ کیا واقعی آپ نے میرے موکل کو وقوعہ کے روز دوپہر میں جائے واردات کے آس پاس کہیں دیکھا تھا۔''

''ہم نے اپنی آنکھوں سے ملزم فیاض کو نہیں دیکھا تھا۔''

''پھر کس کی آنکھوں سے دیکھا تھا؟''

''ہمیں اس بارے میں زاہد نے بتایا تھا۔''

''آپ کے بیان میں زاہد کے حوالے کا ذکر نہیں۔'' میں نے درشتی سے کہا ''اس لیے یہی سمجھا جائے گا کہ آپ ملزم کے جائے وقوعہ کے قریب پائے جانے کے عینی شاہد ہیں۔''

''ہم سے غلطی ہو گئی۔'' وہ ندامت آمیز لہجے میں بولا ''ہم بیان دیتے ہوئے زاہد کا ذکر کرنا بھول گئے۔ حقیقت یہی ہے کہ ملزم کی وہاں موجودگی کے بارے میں ہمیں زاہد سے معلوم ہوا تھا۔''

میں نے مزید چند سوالات کے بعد جرح ختم کر دی۔

ہم عدالت کے کمرے سے باہر نکلے تو میرے موکل کی بیوی ثریا میرے ہمراہ تھی۔ اس کیس میں ہاتھ ڈالے ہوئے اب لگ بھگ تین ماہ ہو گئے تھے۔ ہر پیشی پر ثریا عدالت ضرور پہنچتی تھی اور عدالتی کارروائی کے دوران میں تمام وقت وہ کمرے میں موجود رہتی تھی۔ اب تک کی میل ملاقات کے

بعد میں نے اسے خاصا سمجھدار پایا تھا۔ اس نے اس عمومی خیال کو غلط ثابت کر دیا تھا کہ موٹے لوگوں کی عقل بھی موٹی ہوتی ہے۔''

میں اپنی گاڑی کی جانب بڑھا تو ثریا نے اطمینان بھرے لہجے میں کہا ''بیگ صاحب! عدالتی کارروائی اگرچہ ذہن کو بری طرح تھکا دیتی ہے مگر اس کے دلچسپ ہونے میں کوئی کلام نہیں۔ ایسی کرتب بازی میں نے پہلے اور کسی کھیل میں نہیں دیکھی۔''

''یہ ٹھیک کہا آپ نے۔'' میں نے تائیدی انداز میں کہا ''عدالت کا کمرا کسی اکھاڑے سے کم نہیں ہوتا۔ یہاں پر جیتنے کے لیے اچھا کرتبی ہونا ضروری ہے۔''

وہ تعریفی لہجے میں بولی ''بیگ صاحب! میں یہ تو محسوس کر رہی ہوں کہ آپ بہت خوبصورتی کے ساتھ عدالتی کارروائی کو آگے بڑھا رہے ہیں لیکن ایک بات کا اندازہ نہیں لگا پا رہی کہ ہم کامیابی کے کتنا قریب پہنچ چکے ہیں۔ شاید میں اپنے خیالات کی وضاحت نہیں کر پا رہی ہوں۔''

''میں بڑی وضاحت کے ساتھ آپ کی بات کو سمجھ رہا ہوں اور آپ کے خیالات کو محسوس کر رہا ہوں۔'' میں نے صاف گوئی سے کام لیتے ہوئے کہا ''آپ کی کنفیوژن کی وجہ یہ ہے کہ ہماری سوچ میں خاصا فرق ہے اور اس سوچ کا تعلق ہماری جانبداری سے ہے۔ دیکھیں کتنی دلچسپ بات ہے کہ ہم دونوں فیاض کے بارے میں پر یقین ہیں کہ وہ قاتل نہیں۔ یوسف کے قتل سے اس کا دور کا واسطہ بھی نہیں۔ وہ محض اپنی جذباتی دھمکی کے باعث اس لپیٹ میں آ گیا ہے۔ ہمارے پاس ایسے پوائنٹس ہیں جن کی بنیاد پر فیاض کو بے گناہ ثابت کیا جا سکتا ہے مگر ہم دونوں کے محسوسات میں فرق ہے۔ مجھے یقین ہے کہ میں آپ کے شوہر کو بے گناہ ثابت کر دکھاؤں گا' آپ کو اندیشہ ہے کہ شاید میں ایسا کر سکوں یا نہ کر سکوں۔ عدالتی کارروائی کو آگے بڑھاتے ہوئے میرے ذہن میں کیسا نقشہ ترتیب پا چکا ہے' یہ آپ کو معلوم نہیں۔ آپ کی یہی لاعلمی آپ کی الجھن اور بے یقینی کا سبب ہے جب کہ میں کلی طور پر مطمئن ہوں۔''

''آپ نے بات گھما پھرا کر کی ہے مگر میری سمجھ میں آ گئی ہے۔'' وہ سر کو اثباتی جنبش دیتے ہوئے بولی ''مجھے آپ کی کارکردگی پر بھروسا ہے بیگ صاحب۔''

میں نے کہا ''جہاں تک کامیابی سے قربت کا تعلق ہے تو سمجھ لیں' چند قدموں کا فاصلہ باقی ہے۔ ایک دو پیشیوں کے بعد محنت رنگ لے آئے گی۔''

''اللہ آپ کی زبان مبارک کرے۔'' اس نے خلوص دل سے کہا۔

میں نے پرسوچ انداز میں کہا ''ثریا صاحبہ! عدالتی کارروائی کا ایک مخصوص طریقہ کار ہے۔ اس سے گزرنا ضروری ہے۔ استغاثہ کے گواہوں کے بعد ملزم سے استفسار ہوگا پھر مجھے ملزم یعنی اپنے موکل کی صفائی کے لیے گواہ پیش کرنے ہوں گے یا وکیل مخالف سے دلائل بازی ہوگی۔ ان تمام

مراحل سے گزرنا ضروری ہے۔ میں یہ تمام کوشش صرف اپنے موکل کو بے گناہ ثابت کرنے کے لیے نہیں کر رہا بلکہ گناہ گار یعنی قاتل کو بے نقاب کرنے کی خواہش بھی رکھتا ہوں۔ اس مقصد میں مجھے کس حد تک کامیابی ہوگی یہ تو آنے والا وقت ہی بتائے گا۔''

وہ نیک خواہشات کا اظہار کرنے کے بعد رخصت ہوگئی۔

☆......☆......☆

ہمراز پولی کلینک کا ریسپشنسٹ زاہد گواہوں والے کٹہرے میں آیا۔ اس نے سچ بولنے کا حلف اٹھانے کے بعد اپنا مختصر سا بیان ریکارڈ کروایا۔ میں نے اس کے انداز میں اضطرار کو واضح طور پر محسوس کیا۔ یا تو وہ اس وقت نروس ہو رہا تھا۔ یا پھر اس کی عادت ہی ایسی تھی۔ زاہد کی عمر زیادہ سے زیادہ پچیس سال ہوگی۔ وہ ایک گورا چٹا اور دبلا پتلا شخص تھا۔

بیان کی تکمیل کے بعد وکیل استغاثہ نے چند سوالات کے بعد گواہ کو فارغ کر دیا تو میں جج کی اجازت سے جرح کیلیے اس کے کٹہرے کے قریب آن کھڑا ہوا۔ سوالات کا سلسلہ شروع کرنے سے قبل میں چند لمحات تک گھور کر گواہ کو دیکھتا رہا۔ میں نے واضح طور پر محسوس کیا اس کے اضطرار اور اضطراب میں اضافہ ہو گیا تھا۔ اس کا یہی مطلب تھا کہ وہ عادتاً نہیں بلکہ عدالت میں حاضر ہونے کے سبب نروس تھا جس سے ظاہر ہوتا تھا' دال میں کچھ نہیں بلکہ بہت کچھ کالا ہے۔ میں نے اسے آڑے ہاتھوں لیا۔

''زاہد صاحب! آپ خاصے گھبرائے ہوئے لگ رہے ہیں۔'' میں نے ٹٹولتی ہوئی نظر سے اسے دیکھتے ہوئے کہا'' خدانخواستہ آپ کو عدالت میں آ کر کسی قسم کا ڈر یا خوف تو محسوس نہیں ہو رہا!''

یہ انسانی فطرت ہے کہ جب کسی شخص کی دکھتی ہوئی رگ پر ہاتھ رکھا جائے یا اس کے کسی نازک پہلو کو چھیڑا جائے تو وہ اپنی کیفیت یا حالت کے برخلاف ردعمل ظاہر کرتا ہے۔ اس طرح لاشعوری طور پر وہ اپنی حالت یا کیفیت کی تصدیق کر رہا تھا۔

زاہد نے بڑی سرعت سے جواب دیا'' نہیں' ایسی تو کوئی بات نہیں۔'' اس کے ساتھ ہی اس نے خود کو انتہائی چاق وچوبند ظاہر کرنے کی کوشش کی۔

میں نے کہا'' ایسی بات ہے مسٹر زاہد' آپ بتانا نہ چاہیں تو آپ کی مرضی۔ بہرحال' اس وقت پریشانی اور گھبراہٹ کے سبب آپ کا چہرہ پسینے سے شرابور ہو رہا ہے۔''

وہ میرے نفسیاتی ہتھکنڈے میں آ گیا۔ بے اختیار اس نے اپنے چہرے کو چھو کر دیکھا۔ میں نے کہا'' دیکھا' میں ٹھیک کہہ رہا تھا نا۔ آپ کے چہرے پر پسینہ نام کی کوئی شے موجود نہیں مگر آپ نے بے ساختہ اپنے چہرے کو چھو کر میرے بیان کی تصدیق کرنا چاہی جس سے ثابت ہوتا ہے' اس وقت آپ بری طرح بدحواس اور نروس ہیں۔ اس حالت میں آپ نے کیا بیان دیا ہوگا اور کیا جرح کا

سامنا کریں گے؟''

وہ پہلے سے بھی زیادہ بوکھلاہٹ کا مظاہرہ کرنے لگا۔ میرا نفسیاتی حربہ کارگر رہا تھا۔

وکیل استغاثہ نے فوراً اعتراض جڑ دیا'' جناب عالی!'' اس نے جج کو مخاطب کرتے ہوئے احتجاجی لہجے میں کہا'' مجھے سخت اعتراض ہے۔ فاضل وکیل اپنی الٹی سیدھی حرکتوں سے گواہ کو ہراساں کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ انہیں ایسی کارروائی سے باز رہنے کی تلقین کی جائے۔''

''الٹی سیدھی حرکتیں؟'' میں نے حیرت سے دہرایا اور...... سرتاپا وکیل استغاثہ کو دیکھنے کے بعد اپنا جائزہ لیا پھر کہا'' قبلہ وکیل صاحب! میں تو اس وقت اپنے قدموں پر کھڑا ہوں۔ الٹی یا سیدھی حرکت کا کیا سوال ہے؟''

اس کا روئے سخن دوبارہ جج کی جانب ہو گیا'' دیکھیں جناب! انہوں نے پھر منطق بازی شروع کر دی۔ یہ اس قسم کے ہتھکنڈوں سے معزز عدالت کا وقت برباد کرنے کے ماہر ہیں۔ اس کیس میں پہلے ہی بہت سا وقت ضائع ہو چکا ہے لہٰذا میں لرنڈ کورٹ سے پرزور اپیل کروں گا کہ وہ وکیل صفائی کو ٹو دی...... پوائنٹ رہنے کی ہدایت کرے۔''

میں نے کہا'' جو لوگ وقت ضائع کرتے ہیں وقت انہیں برباد کر دیتا ہے۔ لہٰذا میں اس قسم کی کسی کوتاہی کا مرتکب نہیں ہو سکتا۔ وقت بڑی ظالم شے ہے۔ میں اس ظالم کو نظرانداز کر کے مظلوم کی دادرسی نہیں کر سکتا' بہرحال!'' میں نے بے نیازی سے کندھے اچکائے۔

جج نے میری جانب دیکھتے ہوئے کہا'' پلیز پروسیڈ۔''

''تھینک یو یور آنر۔'' میں نے گردن کو ہلکا سا خم دیتے ہوئے کہا پھر گواہ کی جانب متوجہ ہو گیا۔

''زاہد صاحب!'' میں نے کڑے تیوروں سے اسے گھورا'' استغاثہ کے گواہ محمود کا کہنا ہے کہ آپ نے وقوعہ کے روز ملزم فیاض کو جائے واردات کے آس پاس دیکھا تھا؟''

''جی ہاں' دیکھا تھا۔'' وہ اپنی گھبراہٹ پر قابو پانے کی کوشش کرتے ہوئے بولا۔

''جائے واردات کے آس پاس کہاں دیکھا تھا؟''

اس نے بتایا'' کلینک والی کثیرالمنزلہ عمارت کے گراؤنڈ فلور پر مختلف دکانیں بنی ہوئی ہیں۔ انہیں میں ایک ''محمدی کولڈ اسپاٹ'' ہے۔ میں نے ملزم کو وہیں دیکھا تھا۔''

''وہ محمدی کولڈ اسپاٹ پر کیا کر رہا تھا؟''

''وہ وہاں مجھ سے ملنے آیا تھا۔''

''بہت خوب۔'' میں نے استہزائیہ انداز میں کہا۔'' اس کا مطلب ہے' آپ نے اسے وہاں بلایا تھا؟''

"میں نے نہیں بلکہ اس نے مجھے وہاں بلایا تھا۔" زاہد نے مضبوط لہجے میں کہا۔ اس کے لہجے میں مضبوطی برائے نام ہی تھی۔ "میں اس کے بلانے پر وہاں پہنچا تھا۔"

اس ملاقات کے بارے میں میرے موکل فیاض نے مجھے تفصیلاً بتایا تھا۔ اس کے بعد کے واقعات سے بھی مجھے مکمل آگاہی حاصل تھی لہٰذا میں نے استغاثہ کے گواہ زاہد کو رگڑا دیتے ہوئے کہا۔

"زاہد صاحب! میرے موکل نے مجھے بتایا ہے کہ آپ نے اسے خاص طور پر وہاں بلایا تھا؟"

"وہ جھوٹ بولتا ہے۔" زاہد نے جلدی سے کہا۔ "حقیقت وہی ہے جو میں بتا رہا ہوں۔"

"زاہد صاحب! میرے موکل کا کہنا ہے' آپ نے اسے کسی ملازمت کے بارے میں بتانے کیلئے وہاں بلایا تھا۔"

میں نے بغور اس کے چہرے کے تاثرات کا جائزہ لیتے ہوئے کہا۔ "ملزم کی ملازمت چھوٹ جانے کا آپ کو بہت افسوس تھا اور آپ جلد از جلد اسے برسر روزگار دیکھنا چاہتے تھے۔ جیسے ہی آپ کو کسی جاب کا پتہ چلا' آپ نے اسے مطلع کرنے کیلئے بلالیا۔ ماضی کا ریکارڈ بھی یہی بتاتا ہے کہ آپ دونوں میں اچھی انڈر اسٹینڈنگ رہی ہے۔ میں حیران ہوں کہ آپ اچانک میرے موکل کے دشمن کیوں ہوگئے؟"

"میں کبھی اس کا دوست رہا ہوں اور نہ ہی اب مجھے اس سے دشمنی پیدا ہوئی ہے۔" وہ بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ "سچی بات یہ ہے کہ ملزم نے اس روز مجھے بلیک میل کرنے کیلئے محمدی کولڈ اسپاٹ پر بلایا تھا۔ مجھے اس کی بات سن کر سخت افسوس ہوا تھا۔"

"کیسی بلیک میلنگ مسٹر زاہد؟" میں نے چونکتے ہوئے لہجے میں سوال کیا۔

وہ اپنی بات میں تاثر بھرنے کی کوشش کرتے ہوئے بولا۔ "ملزم نے مجھے دھمکی دی تھی کہ میں چوبیس گھنٹے کے اندر اندر اسے دس ہزار روپے دے دوں ورنہ وہ ڈاکٹر قدرت اللہ کو میرے کرتوتوں کے بارے میں بتا دے گا۔"

"کس قسم کے کرتوت زاہد صاحب؟" میں حیرت سے اسے دیکھتے ہوئے بولا۔

"ملزم کا خیال تھا' میں کلینک کے معاملات میں کسی بڑی کرپشن میں ملوث ہوں۔" اس نے بتایا۔ "اگر میں نے اسے مطلوبہ رقم فراہم نہ کی تو وہ ڈاکٹر قدرت اللہ کو میرے خلاف کر دے گا۔"

میں نے کہا۔ "ڈاکٹر قدرت اللہ تو پہلے ہی پوری طرح ملزم کے خلاف تھا پھر وہ اس بات پر کیوں کان دھرتا؟"

"یہ تو مجھے نہیں معلوم۔" وہ بے پروائی سے بولا۔ "ملزم نے مجھ سے جو کچھ کہا' میں نے آپ

کو وہ بتایا ہے۔"

وہ سراسر جھوٹ بول رہا تھا مگر میں اس کی جان چھوڑنے والا نہیں تھا۔ جھوٹے کو اس کے گھر تک پہنچانا بہت ضروری ہوتا ہے۔ میں نے استفسار کیا۔ "زاہد صاحب! کیا آپ نے ملزم کا مطالبہ پورا کر دیا تھا۔ میرا مطلب ہے' دس ہزار روپے کی فراہمی والا؟"

"میرا دماغ خراب نہیں ہوا۔" وہ بگڑے ہوئے لہجے میں بولا۔ "میرے ہاتھ صاف ہیں۔ میں نے کلینک کے معاملات میں ایک پیسے کی بدعنوانی نہیں کی اس لئے ملزم کی دھونس یا دھمکی میں آنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ میں نے واضح الفاظ میں اس سے کہہ دیا تھا' وہ جو کر سکتا ہے کر لے' مجھ سے ایک پائی نہیں وصول کر سکے گا۔"

"آپ کے انکار پر اس نے کیا ردعمل ظاہر کیا تھا؟" میں نے چبھتے ہوئے لہجے میں سوال کیا۔

"وہ مجھے ڈرانے دھمکانے لگا۔ خطرناک اور عبرتناک انجام کی دھمکیاں دینے لگا۔" زاہد نے تیز آواز میں کہا۔ "اس نے یہاں تک کہہ دیا کہ اس نے میرا نام یوسف کے نیچے لکھ لیا ہے۔ پہلے وہ یوسف کو موت کے گھاٹ اتارے گا پھر میری باری آئے گی۔ وہ...... وہ اس وقت ایک جنونی لگ رہا تھا۔ مجھے واقعی اس سے خوف محسوس ہوا اور میں چپکے سے وہاں سے چلا آیا۔"

بات ختم کرتے ہی اس نے ایک جھرجھری لی اور خوف زدہ نظر سے حاضرین عدالت کو دیکھنے لگا۔ میں نے دل ہی دل میں اس کی اداکاری کو سراہا۔ وہ بڑی کامیابی اور ڈھٹائی سے جھوٹ بول رہا تھا۔ میں حقیقت حال سے واقف نہ ہوتا تو یقیناً اس کی اداکاری سے متاثر ہو جاتا۔

زاہد کو گھیرے میں لینے کیلئے میں نے جو جال بچھایا تھا اب آہستہ آہستہ اسے سمیٹنے کا وقت آ گیا تھا۔ میں نے جرح کے سلسلے کو آگے بڑھاتے ہوئے کہا۔ "زاہد صاحب! آپ ریسپشنسٹ کے بجائے کہانی کار ہوتے تو زیادہ کامیاب ہو سکتے تھے۔"

"کہانی کار؟" وہ چونک کر مجھے دیکھنے لگا۔ "میں آپ کا مطلب نہیں سمجھ سکا۔"

"کہانی کار کا مطلب ہے' کہانی بنانے والا۔" میں نے اس کے چہرے پر نگاہ جماتے ہوئے کہا۔ "آپ بہترین کہانی بننے کی صلاحیت سے مالا مال ہیں۔"

اس کی حیرت مزید بڑھ گئی' الجھن زدہ لہجے میں بولا۔ "میں نے کون سی کہانی بنی ہے؟"

میں نے سخت لہجے میں کہا۔ "اس سے بڑی کہانی اور کیا ہوگی کہ وقوعہ کے روز آپ کے بلانے پر میرا موکل محمدی کولڈ اسپاٹ پہنچا۔ آپ نے کسی جاب کے بارے میں بتانے کیلئے اسے وہاں بلایا تھا۔ باتوں باتوں میں اس نے اپنی رقم کا مطالبہ کر دیا کیونکہ ان دنوں اسے رقم کی سخت ضرورت تھی اور...... آپ نے قرض کی واپسی کے مطالبے کو بلیک میلنگ کے کھاتے میں ڈال دیا۔" فیاض نے

اس سلسلے میں مجھے پوری تفصیل سنائی تھی۔ گواہ زاہد اس کا لگ بھگ دس ہزار روپے کا مقروض تھا۔ میں نے گواہ کی جانب انگلی سے اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ ''آپ کہانی کار نہیں ہیں تو اور کیا ہیں؟''

اس کے چہرے پر ایک سایہ سا گزر گیا تاہم دوسرے ہی لمحے اس نے خود کو سنبھال لیا اور تھرتھراتی آواز میں بولا۔ ''قرض کی واپسی.....کون سے قرض کی واپسی؟''

''وہ قرض جو گاہے بگاہے تم میرے موکل سے لیتے رہے تھے۔'' مجھے اس کی ڈھٹائی پر غصہ آ گیا اور میں ''آپ'' سے ''تم'' پر اتر آیا۔ ملزم کے دس ہزار روپے تمہاری طرف نکلتے تھے۔ مشکل وقت میں اس نے تم سے اپنی رقم مانگی تو تم نے الٹا اسی پر بلیک میلنگ کا الزام لگا دیا۔ بہت خوب۔

''یہ جھوٹ ہے' میں ملزم کا ایک پیسے کا مقروض نہیں ہوں۔'' وہ تیز آواز میں چلایا۔

لوہا گرم ہو چکا تھا اور بھرپور چوٹ لگانے کا وقت آ گیا تھا۔ گواہ زاہد واقعتاً میرے موکل کا مقروض تھا۔ اس سلسلے میں' میں نے کسی غلط بیانی سے کام نہیں لیا تھا مگر گواہ دروغ گوئی کی انتہا کو چھونے کا خواہاں نظر آتا تھا۔ میں چند لمحے کھوجتی ہوئی نظر سے اسے دیکھتا رہا' پھر گمبھیر لہجے میں کہا۔

''مسٹر زاہد! اب میں تم سے جو سوال کرنے والا ہوں اس کا بہت سوچ سمجھ کر جواب دینا کیونکہ تمہارے جواب سے بازی پلٹ سکتی ہے۔ ہیرو' زیرو اور زیرو' ہیرو کی جگہ لے سکتا ہے۔'' میں نے تھوڑا توقف کر کے اس سے استفسار کیا۔ ''کیا تم تیار ہو؟''

''میں ایور ریڈی ہوں۔'' وہ جلدی سے بولا۔

میں نے پوچھا۔ ''ایور ریڈی پکچرز یا ایور ریڈ بیٹری سیل؟''

وہ ''کچھ نہ سمجھے خدا کرے کوئی'' کی غماز آنکھوں سے مجھے تکنے لگا۔

میں نے سخت لہجے میں دریافت کیا۔ ''مسٹر زاہد! وقوعہ کے روز' محمدی کولڈ اسپاٹ پر آپ دونوں کی ملاقات کتنے بجے ہوئی تھی۔ دونوں سے میری مراد تم اور ملزم فیاض ہے؟''

وہ کسی رٹو طوطے کی مانند جھٹ سے بولا۔ ''دوپہر ایک بجے۔''

''دوپہر ایک بجے۔'' میں نے اس کے الفاظ دہرائے پھر استفسار کیا'' اس میں کسی کمی بیشی کی گنجائش تو نہیں؟''

''بالکل نہیں۔'' وہ قطعیت سے بولا۔ ''ہم لگ بھگ ساڑھے بارہ بجے وہاں پہنچے تھے اور میں ٹھیک ایک بجے وہاں سے رخصت ہو گیا تھا۔ البتہ ملزم کے بارے میں' میں کچھ نہیں کہہ سکتا کہ وہ وہاں مزید کتنی دیر بیٹھا تھا۔ میں اسے اس کے حال پر چھوڑ کر آ گیا تھا۔''

''ٹھیک ہے۔'' میں نے چند لمحے سوچنے کی اداکاری کی پھر نہایت سنجیدگی سے کٹہرے میں کھڑے استغاثہ کے گواہ زاہد سے مخاطب ہوتے ہوئے کہا۔ ''مسٹر زاہد! کیا تمہیں معلوم ہے' قانون کی کتاب میں ''شہادت'' پر کئی صفحات موجود ہیں۔ میرا مطلب ہے' قانون شہادت پر؟''

''ہوں گے۔'' وہ الجھن زدہ نظر سے مجھے دیکھتے ہوئے بولا۔ ''میں نے قانون کی کتابیں نہیں پڑھیں۔''

میں نے بڑی شفقت سے کہا۔ ''کوئی بات نہیں' قانون کی کتابیں نہ پڑھنے پر تمہیں کچھ نہیں کہا جائے گا۔'' پھر میں وکیل استغاثہ کی جانب متوجہ ہو گیا۔ ''آپ نے تو یقیناً بارہا ''قانون شہادت'' کا باب مطالعہ کیا ہوگا؟''

اس نے اثبات میں سر ہلانے پر اکتفا کیا۔

میں نے بات کو آگے بڑھاتے ہوئے کہا۔ ''پھر تو آپ کو اچھی طرح یہ معلوم ہوگا کہ جس طرح کسی شہادت کو چھپانا یا بگاڑ کر پیش کرنا جرم کے زمرے میں آتا ہے بالکل اسی طرح جھوٹی شہادت دینا بھی ایک سنگین جرم ہے۔''

''ہاں' میں یہ تمام قوانین جانتا ہوں۔'' وکیل استغاثہ نے متذبذب لہجے میں کہا۔ ''مگر یہاں اس ذکر کا مقصد سمجھ میں نہیں آتا؟''

میں نے ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے کہا۔ ''میں یہ بتانے اور سمجھانے کی کوشش کر رہا ہوں کہ آپ کا معزز گواہ پے در پے جھوٹ بول رہا ہے۔''

''کیا مطلب؟'' وکیل استغاثہ نے چونک کر مجھے دیکھا۔

''مطلب تو آپ اپنے گواہ سے پوچھیں۔'' میں نے سپاٹ لہجے میں کہا۔

وکیل استغاثہ زاہد کی جانب استفساریہ نظر سے تکنے لگا۔

''مم...... میں...... میں نے...... کوئی جھوٹ نہیں بولا......'' گواہ لکنت زدہ آواز میں بولا۔

اس بدلتی ہوئی صورتحال نے جج کو بھی الجھا دیا۔ اس نے براہ راست مجھ سے مخاطب ہوتے ہوئے کہا۔ ''بیگ صاحب! آپ اپنی بات کی وضاحت کریں۔''

میں نے کھنکار کر گلا صاف کیا اور مضبوط لہجے میں کہا۔ ''جناب عالی! وقوعہ کے روز محمدی کولڈ اسپاٹ پر ملزم اور گواہ کی ملاقات صبح نو بجے ہوئی تھی۔ ملزم ساڑھے نو بجے وہاں سے رخصت ہو گیا۔ اسے اپنے ایک دوست قمر علی سے ملنے حیدرآباد جانا تھا۔ وہ وقوعہ کے روز دوپہر ساڑھے بارہ بجے سے لے کر شام پانچ بجے تک حیدرآباد میں موجود رہا۔ میں اس وقفے کے دوران میں حیدرآباد میں اس کی موجودگی کے واضح اور مصدقہ ثبوت فراہم کر سکتا ہوں اور۔'' میں ایک لمحے کو سانس لینے کی خاطر رکا پھر سلسلہ کلام کو جاری رکھتے ہوئے کہا۔ ''میں نے جو کچھ کہا اس کی گواہی قمر علی کے علاوہ ایک اور شخص بھی دے سکتا ہے۔ مذکورہ شخص کا نام بلال احمد ہے اور وہ یہیں کراچی میں رہتا ہے۔''

''یہ بلال احمد کون ہے؟'' جج نے مجھ سے استفسار کیا۔ ''اور موجودہ کیس سے اس کا کیا تعلق ہے؟''

میں جج کی بڑھتی ہوئی دلچسپی کو واضح طور پر محسوس کر چکا تھا۔ اس کے سوالات کے جواب دیتے ہوئے میں نے کہا۔ ''جناب عالی! بلال احمد محمدی کولڈ اسپاٹ کا مالک ہے۔ وہ اس حقیقت کا گواہ ہے کہ ملزم اور گواہ وقوعہ کے روز نو بجے اس کی دکان پر موجود تھے۔ اسے ان دونوں کی ملاقات اس لئے بھی یاد رہ گئی کہ کھانے پینے کا بل ادا کرنے کی غرض سے گواہ زاہد نے ایک بڑا نوٹ بلال احمد کو دیا تھا۔ بلال کے پاس واپس دینے کیلئے کھلے نوٹ نہیں تھے اور اس نے وہ بڑا نوٹ یہ کہتے ہوئے زاہد کو واپس کر دیا تھا کہ...... کوئی بات نہیں' پیسے بعد میں آ جائیں گے۔ تم کہیں بھاگے تھوڑی جا رہے ہو۔'' میں نے ذرا توقف کر کے وکیل استغاثہ' گواہ زاہد اور حاضرین عدالت کو دیکھا پھر نہایت ہی ڈرامائی انداز میں کہا۔ ''زاہد کہیں نہیں بھاگا مگر اس روز دوپہر دو اور تین بجے کے درمیان کسی ظالم شخص نے یوسف کے سینے میں سائلنسر لگے ریوالور کی دو گولیاں اتار کر اسے زندگی کی قید سے آزاد کر دیا اور......'' میں نے اکیوزڈ باکس میں کھڑے اپنے موکل کی جانب اشارہ کیا۔ ''اس قتل کے الزام میں یہ بے چارہ کئی ماہ سے قید و بند کی صعوبتیں برداشت کر رہا ہے...... استغاثہ کی مہربانی سے جبکہ یہ شریف انسان مذکورہ روز دوپہر ساڑھے بارہ بجے سے شام پانچ بجے تک حیدر آباد میں موجود تھا۔''

میری بات ختم ہوئی ہی تھی کہ وکیل استغاثہ کے حلق سے ایک سرسراتی ہوئی آواز خارج ہوئی۔ اس آواز میں استعجاب اور اضطراب کی آمیزش تھی۔ اس نے متزلزل اور غیر یقینی لہجے میں دریافت کیا۔ ''اگر ملزم آٹھ اکتوبر کی دوپہر دو اور تین بجے کے درمیان حیدر آباد میں موجود تھا تو پھر یوسف کو کس نے قتل کیا؟''

آٹھ اکتوبر وہی تاریخ تھی جب وقوعہ پیش آیا۔ میں نے وکیل استغاثہ کے سوال کے جواب میں طنزیہ لہجے میں کہا۔

''وکیل استغاثہ آپ ہیں جناب...... استغاثہ کے سرپرست اعلیٰ...... یہ بات آپ سے زیادہ اور کسے معلوم ہو گی کہ یوسف کا قاتل کون ہے؟''

وکیل استغاثہ نے بے اختیار اپنے گواہ زاہد کی طرف دیکھا۔ میں نے چوٹ کی ''بالکل درست' آپ کی نگاہ صحیح سمت میں پرواز کر رہی ہے۔ اگر آپ کی نگاہ کا ٹارگٹ قاتل نہیں ہے تو وہ اس سلسلے میں آپ کی رہنمائی ضرور کر سکتا ہے۔ میں فی الحال اس شخص کو ''قاتل کا سراغ'' کا ٹائٹل دیتا ہوں۔''

عدالت میں موجود ہر شخص کی نظر بشمول جج کی زاہد پر جمی ہوئی تھی۔ میرے پے در پے خطرناک حملوں نے اسے بری طرح پچھاڑ رکھا تھا۔ اس کا بس نہیں چل رہا تھا ورنہ وہ پہلی فرصت میں وہاں سے فرار ہو جاتا۔ جب وہاں موجود سب لوگوں نے اشتباہ آمیز نظروں سے اسے گھورنا شروع کیا

تو اس کی رہی سہی ہمت بھی جواب دے گئی۔

اس نے دونوں ہاتھوں سے اپنے سر کو اس طرح تھاما جیسے اسے بڑی زور کا چکر آ گیا ہو' پھر وہ سر کو تھامے تھامے کٹہرے کے فرش پر بیٹھ گیا۔ اسٹینڈ سے سٹ پوزیشن میں آنے کے دوران میں اس کے لبوں سے جدا ہونے والی شکستہ پکار کو سب نے سنا۔

''پپ...... پپ...... پا...... نی!''

☆......☆......☆

آئندہ پیشی پر میں نے جج کی ہدایت کے مطابق صفائی کے گواہان محمدی کولڈ اسپاٹ کے مالک بلال احمد اور میرے موکل کے حیدر آبادی دوست قمر علی کو عدالت میں پیش کر دیا۔ قمر علی اپنے ساتھ تین چار ایسے افراد کو بھی لایا تھا۔ جن کے ساتھ ملزم نے وقوعہ کے وقت حیدر آباد میں وقت گزارا تھا۔ ان سب افراد کی معتبر گواہی نے میرے موکل فیاض کی پوزیشن صاف کر دی۔

فیاض کی شخصیت قاتل کے دائرے سے باہر آئی تو زاہد خود بخود اس دائرے کے اندر چلا گیا۔ گزشتہ پیشی پر اس نے میرے سوالات کے جواب میں جو کچھ کہا تھا وہ یکسر دروغ گوئی پر مشتمل تھا لہٰذا جج نے تفتیشی افسر کو احکام صادر کیے کہ وہ گواہ زاہد کو شامل تفتیش کر کے نیا چالان پیش کرے۔

زاہد جب پولیس کے ہتھے چڑھا تو اس کی چیں بول گئی۔ پتھروں کو بولنے پر مجبور کرنے والا یہ محکمہ اپنی صلاحیت پر پورا اترا۔ انہیں زاہد پر زیادہ محنت نہیں کرنا پڑی۔ وہ کسی چٹانی پتھر کے بجائے ان کیلئے موم کا پتلا ثابت ہوا۔ پہلی ہی رات اس نے اقبال جرم کر لیا۔ یوسف کو اسی نے موت کے گھاٹ اتارا تھا۔ دراصل اس نے ایک تیر سے دو شکار کرنے کی کوشش کی تھی۔ اگر یوسف کے قتل کے جرم میں فیاض پھانسی لگ جاتا تو اس کے دونوں دشمن ٹھکانے لگ جاتے۔ ان دونوں کو راہ سے ہٹانا اس کیلئے ضروری ہو گیا تھا۔

زاہد نے اقرار جرم کرتے ہوئے جو اقبالی بیان دیا' یہاں میں اس کا خلاصہ ضرور بیان کر دوں گا۔ واقعات کے مطابق' مقتول یوسف کی کلینک میں آمد سے قبل ڈاکٹر قدرت اللہ نے زاہد کو بھی ویسا ہی مشن سونپا تھا جیسا بعد میں یوسف کے سپرد کیا گیا۔ اسے اسٹاف کے دیگر افراد کے حرامی پن کی تفصیل تیار کر کے ثبوت حاصل کرنے تھے۔ کامیابی کی صورت میں انعام کے طور پر ڈاکٹر قدرت اللہ نے اس سے ایک حسین و جمیل کروڑ پتی دوشیزہ سے شادی کرانے کا وعدہ کیا تھا۔ یہ بالکل ایسا ہی ٹاسک تھا جیسا بعد میں قدرت اللہ نے یوسف کو دیا۔

زاہد ابھی کامیابی اور ناکامی کے درمیان ہی لٹکا ہوا تھا کہ یوسف اس کلینک پر ملازم ہو گیا۔ یوسف جب بہت جلد ڈاکٹر کے قریب ہو گیا تو زاہد کے کان کھڑے ہوئے کیونکہ یوسف کی آمد کے بعد قدرت اللہ نے زاہد کو لفٹ دینا ختم کر دی تھی۔ زاہد کی فیاض سے واقعی اچھی انڈر اسٹینڈنگ رہی

تھی۔ اس نے یوسف کے سلسلے میں فیاض کو ٹٹولا۔ فیاض اپنی کوشش سے یوسف سے یہ اگلوا چکا تھا کہ ڈاکٹر قدرت اللہ کسی امیر و کبیر لڑکی سے اس کی شادی کروانے والا ہے۔ جب یہ معلومات زاہد تک پہنچیں تو وہ حسد کی آگ میں سلگ اٹھا۔ اس نے یوسف کو اپنا دشمن اول اور رقیب سمجھنا شروع کر دیا جو اچانک وارد ہو کر ایک خوبصورت لڑکی اور بیش بہا دولت کے راستے میں دیوار کی طرح حائل ہو گیا تھا۔

ڈاکٹر قدرت اللہ نے اپنی دانست میں کام نکالنے کیلئے زاہد اور یوسف کو فرداً فرداً الو بنایا تھا لیکن زاہد کے دل میں ایسا کانٹا چبھا کہ وہ یوسف کو جان سے گزارنے کے بارے میں منصوبہ بندی کرنے لگا پھر خود بخود یہ موقع اس کے ہاتھ آ گیا۔

ڈاکٹر قدرت اللہ نے یوسف کی ''مہربانیوں'' کے طفیل فیاض کو نوکری سے برخاست کر دیا۔ فیاض نے جذباتی ابال میں آ کر یوسف کو قتل کی دھمکی دی اور زاہد نے اس زریں صورتحال سے فائدہ اٹھانے کا فیصلہ کر لیا۔ فیاض کا وہ اچھا خاصا ادھار کھائے بیٹھا تھا۔ اگر یوسف کے قتل کے الزام میں فیاض زندگی بھر کیلئے جیل چلا جاتا تو زاہد کو ان دونوں افراد سے نجات مل جاتی لیکن تقدیر اس کی تدبیر پر مسکرا رہی تھی۔ اسے معلوم نہیں تھا' کیا ہونے والا ہے۔

زاہد نے وقوعہ کے روز فیاض کو خاص طور پر محمدی کولڈ اسپاٹ پر بلایا تھا تاکہ وقوعہ پر اس کی موجودگی کو ثابت کیا جا سکے لیکن وہ یہ نہیں جانتا تھا کہ فیاض اس سے ملاقات کے بعد سیدھا حیدرآباد چلا جائے گا۔ زاہد تو اس بات پر حیرت زدہ تھا کہ کس طرح بلال احمد بھی اس کے خلاف گواہ بن گیا۔ اس نے ایک بڑا نوٹ بلال کو دیتے ہوئے ایک لمحے کیلئے بھی نہیں سوچا ہو گا کہ بالآخر اس کا یہ عمل انتہائی خطرناک ثابت ہو گا۔

جب انسان پر برا وقت آتا ہے تو وہ اسی نوعیت کی حماقتیں کرتا ہے۔ وہ فیاض کو ایک ڈیڑھ بجے بھی محمدی کولڈ اسپاٹ پر بلا سکتا تھا۔ اس طرح جائے وقوعہ سے اس کی دوری ثابت نہ ہو سکتی مگر زاہد نے انتہائی احتیاط برتتے ہوئے فیاض کو صبح بلا لیا۔ اسے یہ بات معلوم تھی کہ دوپہر کے وقت اکثر محمود کلینک کا پھیرا ضرور لگاتا ہے۔ وہ اپنی اور فیاض کی ملاقات کو محمود سے خفیہ رکھنا چاہتا تھا اور محمود کے جانے کے بعد اس نے یوسف کو ٹھکانے لگانے کا پروگرام بنا رکھا تھا مگر اس کی یہی احتیاط اس کیلئے پھانسی کا پھندا بن گئی۔

یہ بتانے کی ضرورت نہیں۔ آئندہ پیشی پر عدالت نے میرے موکل فیاض کو باعزت بری کر دیا تھا۔

میرے خیال میں اس سارے کھیل میں ڈاکٹر قدرت اللہ سب سے زیادہ قصوروار تھا۔ اس کی لگائی ہوئی آگ نے زاہد اور یوسف کو جلا کر خاکستر کر دیا اور فیاض بھی جھلسنے سے نہ بچ سکا لیکن

عام طور پر دیکھا گیا ہے ڈاکٹر قدرت اللہ جیسے فتنہ پرور اور شیطان صفت افراد دنیاوی قانون کی پکڑ میں نہیں آتے......شاید اس لئے کہ قانون قدرت ان کیلئے کچھ اور ہی فیصلہ کیے بیٹھا ہوتا ہے۔ جب ایسے لوگ قہر خداوندی کی لپیٹ میں آتے ہیں تو کوئی ان کی شخصی ضمانت نہیں دیتا' دنیا کا کوئی وکیل ان کی وکالت کیلئے تیار نہیں ہوتا۔

اللہ کے مجرموں کی وکالت کون کرے گا۔ جو لوگ اللہ کے بندوں پر ظلم کرتے ہیں ان کا کیس براہ راست اللہ اپنے ہاتھ میں لے لیتا ہے۔ جب قدرت ان کا احتساب شروع کرتی ہے تو پھر کوئی بھی ان کی حمایت میں ایک لفظ بول کر اللہ کی دشمنی مول لینے کی جرأت نہیں کر سکتا۔

اللہ ہر شخص کو ظلم و شرک سے بچائے کہ اس کے نزدیک یہ ناپسندیدہ ترین فعل ہیں۔

☆......☆......☆

مس فٹ

اس روز صبح ہی سے اکتاہٹ اور بیزاری میری مصروفیت میں گھس آئی تھیں۔ میں حسب معمول تیار ہو کر نکلا تو پوری طرح ہشاش بشاش تھا۔ دفتر سے عدالت کی طرف جاتے ہوئے اچانک بارش شروع ہو گئی۔ آج مجھے جس اہم کیس کی پیروی کرنا تھی اس میں اچھی خاصی گڑبڑ ہو گئی۔ مخالف پارٹی نے جج کے ریڈر کی مٹھی گرم کر کے مقدمے میں کچھ اس قسم کا الجھاؤ پیدا کر دیا کہ معاملہ کئی پیشیوں تک دراز ہوتا نظر آنے لگا حالانکہ وہ کیس جس مرحلے میں تھا' ایک آدھ پیشی کے بعد اس کا فیصلہ ہو جاتا پھر دوپہر کے وقت ایک ہم پیشہ سے ترش کلامی ہو گئی۔ الغرض جب میں دفتر پہنچا تو کوفت نے درد کی شکل اختیار کر کے میرے اپر چیمبر میں جگہ بنا لی تھی۔

اچانک ہو جانے والی بارش نے میرے دفتری معاملات کو بھی خاصا متاثر کیا۔ اس روز انتظار گاہ مجھے خاصی سونی نظر آئی۔ اکا دکا کلائنٹس آئے بھی تو میری بوریت میں اضافہ کر کے چلے گئے۔ ایک شخص نے تو حد کر دی۔ وہ اپنی باتوں سے خاصا کھسکا ہوا لگا۔ وہ اس ابر آلود دن میں مجھے یہ مشورہ دینے آیا تھا کہ میرے جیسے معروف اور چوٹی کے وکیلوں کو مفلس و نادار لوگوں کے مقدمات مفت لڑ کر اپنی عاقبت سنوارنا چاہیے۔ میں تو پہلے ہی جھلایا بیٹھا تھا اس مشیر فی سبیل اللہ کو میں نے خوب کھری کھری سنائیں اور چلتا کر دیا۔

مزید ایک گھنٹے تک ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے رہنے کے بعد میں نے آفس اسسٹنٹ سے کہا۔ ''بھئی! میرا خیال ہے اب ہمیں دفتر بند کر کے اپنے گھروں کی راہ لینا چاہیے۔ موسم کے تیور بڑے خطرناک نظر آ رہے ہیں۔''

ادارہ کوئی بھی ہو اسٹاف ایسے مواقع پر گھر بھاگنے کے چکر میں رہتا ہے اور جب ادارے کا سربراہ خود ایسے خیالات کا اظہار کر رہا ہو تو کون کم بخت ایک سیکنڈ کی تاخیر کا مرتکب ہو گا۔ عدالت سے فارغ ہونے کے بعد میں لنچ کرتا ہوں اور پھر تین سے رات نو بجے تک مجھے اپنے دفتر میں مصروف رہنا ہوتا ہے جو سٹی کورٹ کے نزدیک ہی ایک کثیر المنزلہ عمارت میں واقع ہے۔

اس وقت ابھی آٹھ بجے تھے لیکن میرا اشارہ پاتے ہی اسٹاف نے بڑی پھرتی دکھائی۔ ایسے مواقع کبھی کبھار ہی ہاتھ آتے ہیں۔ میں اپنے کمرے سے نکلنے کا ارادہ کر ہی رہا تھا کہ میز پر رکھے ٹیلی فون کی گھنٹی بج اٹھی۔ پہلے تو میں نے اسے نظر انداز کرنے کے بارے میں سوچا' پھر پتا نہیں کیا خیال آیا کہ میں نے ہاتھ بڑھا کر ریسیور اٹھا لیا۔

''ہیلو!'' میں نے ماؤتھ پیس میں کہا۔

دوسری طرف سے پوچھا گیا۔ ''کیا میں بیگ صاحب سے بات کر رہا ہوں؟''

''جی ہاں' میں مرزا امجد بیگ بول رہا ہوں۔''

''شکر ہے آپ مل گئے۔'' اس شخص نے ایک طویل سانس خارج کی۔ ''ورنہ میں تو سمجھ رہا تھا' اس موسم میں کہیں آپ.....''

''آپ بالکل صحیح سمجھ رہے تھے نیازی صاحب!'' میں نے آواز کی شناخت ہوتے ہی قطع کلامی کرتے ہوئے کہا۔ ''اگر آپ فون کرنے میں ایک منٹ کی تاخیر کر دیتے تو ہماری بات نہیں ہو سکتی تھی۔ بس میں دفتر سے نکلنے ہی والا تھا۔''

نیازی کا پورا نام بابر نیازی تھا اور وہ ایک مقامی اصلاحی' سماجی تنظیم کا روح رواں تھا۔ مذکورہ تنظیم نیکی اور بھلائی کے کاموں کے ساتھ حقوق انسان کیلئے بھی کوشاں رہتی تھی۔

''تو گویا اس وقت میں نے آپ کو نکلتے نکلتے پکڑ لیا۔'' نیازی کا شگفتہ جملہ میری سماعت سے ٹکرایا۔

میں نے کہا۔ ''بالکل بجا فرمایا آپ نے۔ اب یہ بھی بتا دیں' اس وقت کیسے یاد فرمایا؟''

''ایک مظلوم کو آپ کے قانونی تعاون کی ضرورت ہے۔'' نیازی نے مبہم لہجے میں کہا۔

نیازی کے فون سے میں نے فوراً یہ اندازہ تو لگا لیا تھا کہ وہ کوئی کیس میرے سپرد کرنا چاہتا تھا جس کیلئے وہ مجھ سے خصوصی رعایت کی فرمائش بھی کرے گا۔ میرا ہمیشہ سے یہ اصول رہا ہے کہ سال میں دو تین ''کم بجٹ'' کے کیس بھی پکڑ لیتا ہوں۔ یہ کام کہاں تک نیکی کے زمرے میں آتا ہے' خدا ہی بہتر جانتا ہے۔ البتہ اس طرح میرے پیشے کی زکوٰۃ نکلتی رہتی ہے۔

میں نے نیازی کے مبہم جملے کے جواب میں کہا۔ ''نیازی صاحب! آج کل مصروفیت بہت زیادہ ہے۔ یقین جانیے' سر کھجانے کی بھی ضرورت نہیں اور......''

''یہ کیس تو آپ ہی کو لینا پڑے گا بیگ صاحب!'' وہ میری بات کاٹتے ہوئے بولا۔ ''ایک بات سمجھ لیں' اس کیس میں آپ کی فیس کہیں نہیں گئی۔ مظلوم اگرچہ یہ وزن اٹھانے کے قابل نہیں لیکن ایک نیک دل انسان اس سلسلے میں بھرپور تعاون کرنے کو تیار ہے۔ آپ سے صرف قانونی مدد کی درخواست ہے۔ میں یہ کیس کسی بھی وکیل کے حوالے کر سکتا تھا مگر مجھے آپ پر زیادہ بھروسہ ہے۔

جس طرح آپ اس کیس کو ڈیل کریں گے‘ شاید دوسرا کوئی نہ کر سکے۔‘‘

میں نے دلچسپی کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔ ’’مذکورہ مظلوم کون ہے اور اسے کس نوعیت کی قانونی مدد درکار ہے؟‘‘

’’اس کا نام حامد محمود ہے۔‘‘ بابر نیازی نے بتایا۔ ’’اس شریف آدمی پر چوری کا الزام ہے۔‘‘

میں نے یک دم سنجیدہ لہجے میں کہا۔ ’’نیازی صاحب! آپ کو معلوم ہے‘ میں زیادہ تر بڑے مقدمات لیتا ہوں۔ فوج داری وغیرہ کے کیسز۔‘‘

’’سب جانتا ہوں۔‘‘ وہ جلدی سے بولا۔ ’’اس کے باوجود بھی میری یہی خواہش ہے کہ حامد کا مقدمہ آپ ہی لڑیں۔ مجھے امید ہے‘ چوری کا یہ چھوٹا سا مقدمہ آپ کے لیے بہت دلچسپ ثابت ہوگا۔‘‘

میں نے رف پیڈ اور قلم سنبھال لیا پھر اس کے اصرار کے پیش نظر سوال کیا۔ ’’حامد محمود نامی اس شخص پر کس شے کی چوری کا الزام ہے؟‘‘

’’ایک قیمتی طلائی جڑاؤ نیکلس۔‘‘

’’اس نے یہ نیکلس کب اور کہاں سے چرایا ہے؟‘‘

’’بیگ صاحب! حامد کسی نیکلس کی چوری میں ملوث نہیں۔‘‘ بابر نیازی نے ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے کہا۔ ’’یہ سب کسی سازش کا نتیجہ ہے۔ اسے بے گناہ پھانسا گیا ہے۔‘‘

میں نے فوراً تصحیح کرتے ہوئے کہا۔ ’’میرا اشارہ الزام کی طرف تھا۔‘‘

’’جی سمجھ گیا۔‘‘ نیازی نے کہا پھر بتایا۔ ’’میں نے جس قیمتی نیکلس کا ذکر کیا ہے وہ میڈم لطیفہ نامی ایک سیاسی شخصیت کی ملکیت تھا اور حامد بدقسمتی سے میڈم لطیفہ کا ملازم ہے..... یعنی تھا۔ اب تو وہ بے چارہ تھانے کی حوالات میں ہے۔‘‘

’’اوہ!‘‘ میں نے ایک طویل اور گہری سانس خارج کی۔ ’’حامد کو کب گرفتار کیا گیا؟‘‘

’’الگ بھگ ایک ہفتہ پہلے۔ وہ عدالتی ریمانڈ پر پولیس کی تحویل میں ہے۔‘‘ بابر نیازی نے بتایا۔ ’’کل صبح پولیس اسے عدالت میں پیش کرے گی۔ حامد نے ابھی نیکلس کی چوری کا اقرار نہیں کیا۔ ممکن ہے‘ پولیس مزید ریمانڈ کی درخواست کرے۔ میں چاہتا ہوں‘ آپ کل اس کی ضمانت کروا لیں۔ باقی مقدمے سے بعد میں نمٹ لیا جائے گا۔‘‘

میں نے پرسوچ انداز میں کہا۔ ’’آپ اس کیس کے بارے میں اور کیا جانتے ہیں؟‘‘

’’مجھے جتنا معلوم تھا وہ میں نے آپ کو بتا دیا۔‘‘ وہ بولا۔ ’’باقی آپ کل عدالت میں حامد سے خود ملاقات کر لیں۔ ساری تفصیل آپ کو پتا چل جائے گی۔‘‘ ایک لمحے کے توقف سے اس نے اضافہ کیا۔ ’’اپنی فیس کے بارے میں ذرا بھی پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ میں نے جس آمادہ بر

تعاون اور مہربان شخص کا ذکر کیا ہے وہ سارا بوجھ اٹھانے کو تیار ہے وہ چونکہ میرا دوست ہے اس لیے اس نے میری ڈیوٹی لگا دی کہ میں کسی اچھے وکیل سے بات کروں۔ میری نظر میں آپ سے اچھا وکیل اور کوئی نہیں.....‘‘

’’ٹھیک ہے۔‘‘ میں نے اس کی بات پوری ہونے سے پہلے ہی کہہ دیا‘ گویا میں نے اپنی تعریف کا دروازہ خود اپنے ہاتھ سے بند کرتے ہوئے کہا۔ ’’آپ کل صبح اس مہربان شخص کو میرے دفتر بھیج دیں۔ میں دیکھتا ہوں‘ اس سلسلے میں کیا کیا جا سکتا ہے۔‘‘

بابر نیازی نے میرا شکر ادا کرنے کے بعد رابطہ موقوف کر دیا۔

☆......☆......☆

آئندہ روز اتفاق سے میرے صرف ایک کیس کی سماعت تھی اور وہ بھی دوپہر کے وقت۔ یہ بات مجھے گزشتہ روز ہی معلوم ہو گئی تھی چنانچہ تین چار گھنٹے میرے پاس تھے۔ عدالت کی عمارت میں داخل ہونے سے پہلے میں کچھ وقت اپنے دفتر میں گزارتا ہوں پھر زیر سماعت مقدمات کی فائلز کے ساتھ عدالت کا رخ کرتا ہوں۔ تقریباً میرا ہم پیشہ ہر شخص یہی طریقہ کار اپناتا ہے۔

میں ابھی اپنے چیمبر میں جا کر بیٹھا ہی تھا کہ مجھے بتایا گیا کوئی مدنی صاحب مجھ سے ملنے آئے ہیں۔ اس اطلاع کے ساتھ کسی حامد محمود کا حوالہ بھی تھا اس لیے میں نے ملاقاتی کو فوراً اپنے پاس بلا لیا۔ حامد کے سلسلے میں اس کا کوئی خیرخواہ مجھ سے ملنے آیا تھا۔

اس شخص کی عمر پچاس اور پچپن کے درمیان رہی ہوگی۔ درمیانہ قد‘ مناسب جسم اور معقول صورت اس شخص کا نام رؤف مدنی معلوم ہوا۔ وہ کسی چھوٹے اخبار کا ایڈیٹر و پبلشر تھا۔ اخبار کا نام ظاہر کرنا مناسب نہیں ہوگا۔ رؤف مدنی کے ہیئر اسٹائل کو دیکھ کر میں نے نگاہ اول میں یہ اندازہ لگا لیا کہ اس نے ایک قیمتی اور شاندار وگ لگا رکھی ہے۔ اس وقت رؤف مدنی نے بے داغ سرمئی تھری پیس سوٹ زیب تن کر رکھا تھا۔

رسمی علیک سلیک کے بعد میں نے نوٹ بک سنبھالی اور اصل موضوع کی طرف آ گیا۔

’’رؤف صاحب! نیازی صاحب نے آپ کو میرے بارے میں بتا دیا ہوگا؟‘‘ میں نے دھیمے لہجے میں کہا۔

وہ زیر لب مسکراتے ہوئے بولا۔ ’’جی ہاں بیگ صاحب! آپ بالکل مطمئن ہو کر اس کیس میں ہاتھ ڈال سکتے ہیں۔ حامد کا اس دنیا میں کوئی نہیں لہٰذا آپ کی فیس اور دیگر عدالتی خرچہ وغیرہ ادا کروں گا۔ اس سلسلے میں آپ کو فکرمند ہونے کی ضرورت نہیں۔‘‘

میں بے فکر ہو گیا اور کہا۔ ’’آپ سے تفصیلی بات تو بعد میں ہوگی‘ پہلے ہمیں یہ معلوم کرنا ہوگا کہ حامد کا مقدمہ کس کورٹ میں لگا ہے اور یہ جاننا بھی ضروری ہے کہ اسے کتنے بجے عدالت میں

پیش کیا جائے گا تا کہ اس وقت سے قبل ضمانت کے سلسلے کی ضروری کارروائی مکمل کر لی جائے اس لیے ہم۔ ''

''میں نے یہ کام کرلیا ہے بیگ صاحب!'' رؤف مدنی نے کہا' پھر وہ مجھے مطلوبہ کورٹ کا نمبر بتانے کے بعد بولا۔'' حامد کو دس بجے کے بعد عدالت میں پیش کیا جائے گا۔''

''اوہ!'' میں نے تعریفی نظر سے اسے دیکھا۔'' آپ تو بہت فاسٹ جا رہے ہیں۔''

''بیگ صاحب! یقین جانیں مجھے اس شخص سے دلی ہمدردی ہے۔'' رؤف مدنی نے کہا۔

''اگر اس مصیبت کی گھڑی میں میں اس کے کسی کام آ سکا تو مجھے خوشی ہوگی۔ شاید اس طرح اس زیادتی کا ازالہ ہو جائے جو مجبوری میں اس کے ساتھ ہوتی رہی۔ اس کے نتیجے میں حامد نے دل برداشتہ ہو کر میرے اخبار کی ملازمت چھوڑ دی تھی۔''

میں نے چونک کر اسے دیکھا۔ وہ مجھے عام سرمایہ داروں سے بہت مختلف دکھائی دیا۔ میں نے پوچھا۔'' مجھے نیازی صاحب کی زبانی پتا چلا تھا' ملزم کسی میڈم لطیفہ کے پاس نوکری کر رہا تھا۔ کیا اس ملازمت سے پہلے وہ آپ کے یہاں ملازم تھا؟''

اس نے اثبات میں جواب دیا۔ میں نے پوچھا۔'' آپ کسی مجبوری میں کی گئی زیادتی کے ازالے کی بات کر رہے تھے؟''

وہ چند لمحے خاموش رہنے کے بعد بولا'' بیگ صاحب! حامد نے لگ بھگ دو ماہ پہلے میرے اخبار کو چھوڑا تھا۔ میں مانتا ہوں' وہ ایک باصلاحیت قلمکار ہے۔ آپ اسے معاشرتی جراح بھی کہہ سکتے ہیں۔ اس شخص کے قلم میں زہر کا سمندر موجزن ہے۔ وہ اپنے وجود میں موجود اس طوفان کی طغیانی سے مجبور اور بے بس ہے۔ وہ حقائق کی نقاب کشائی بے دریغ اور بے لاگ کرنا چاہتا ہے اور آپ جانتے ہیں' ہمارے ملک میں یہ کتنا ناممکن کام ہے۔ بہت سی باتوں کا خیال رکھنا پڑتا ہے۔ آپ اسے مصلحت کہیں' منافقت کہیں' بزدلی کہیں یا پھر پالیسی کا نام دے لیں' کچھ فرق نہیں پڑتا۔ حقیقت سے آپ بھی واقف ہیں' میں بھی اور ہر باشعور شخص بھی۔''

وہ سانس لینے کیلئے چند لمحے متوقف ہوا پھر بات جاری رکھتے ہوئے حامد محمود کے بارے میں بتانے لگا۔'' وہ میرے پاس ایک لکھاری کی حیثیت سے آیا تھا۔ وہ معاشرتی ناسوروں کی کتر بیونت سے انسان کے کرب کو آشکار کرنا چاہتا تھا مگر وہ جو کچھ لکھتا تھا...... کالم ہو' مضمون ہو یا پھر کوئی بھی جائزہ رپورٹ' اس کا ایک ایک لفظ سچ میں بسا ہوا۔ سچ کی کڑواہٹ سے کون آشنا نہیں حامد کی تحریر بہت زہریلی اور کٹیلی ہے...... اتنی زہریلی کہ اگر اسے من وعن شائع کر دیا جائے تو وہ سب سے زیادہ پبلشر کیلئے مضر ثابت ہوگی۔ جس معاشرے میں سچ اور سچائی آٹے میں نمک کے برابر ہو وہاں حقائق کی نقاب کشائی بڑے دل گردے کا کام ہے۔ کوئی بھی کاروبار آدمی یہ قدم اٹھانے کے بارے

میں سوچ بھی نہیں سکتا۔ ہمیں بعض معاملات میں دانستہ صرف نظر کرنا پڑتا ہے۔ آپ اسے مصلحت کا تقاضا بھی کہہ سکتے ہیں۔''

میں بڑی توجہ سے اس حق گو پبلشر کو سن رہا تھا۔ وہ ایک نہایت ہی تلخ سچائی کو بیان کر رہا تھا۔ میں نے خاموشی سے اس پر نظر جمائے رکھی۔ وہ بولا۔

''بیگ صاحب! میں نے فوری طور پر حامد کو اپنے اخبار میں ملازمت دے دی۔ میں اس کی تحریر کو تو شائع نہیں کر سکتا۔ البتہ اسے اپنے یہاں پروف ریڈر کے طور پر رکھ لیا۔ اس کے ساتھ ہی میں نے اسے سمجھانے کا سلسلہ بھی جاری رکھا۔ میں نے اس سے کہا' وہ یہی باتیں اور حقائق نرم الفاظ میں بھی بیان کر سکتا ہے۔ اس نے کہا یہ کھلی منافقت اور بزدلی ہوگی۔ میں ظلم وزیادتی کے خلاف جہاد کرنا چاہتا ہوں۔ میرے ہاتھ کی زبان اگر زہر اگلتی ہے' آتش فشانی کرتی ہے تو اس میں میرا کیا قصور ہے۔ یہ تو ہوگا۔ میدان جنگ میں تلوار سے کوئی نہیں پوچھتا کہ وہ گردنیں کیوں کاٹتی ہے جبکہ انسان کو مارنے کیلئے ایک مؤثر جملہ بھی کافی ہوتا ہے۔ جناب! میدان جنگ میں کوئی انسان نہیں ہوتا۔ دو دشمن ایک دوسرے کے سامنے ہوتے ہیں۔ دو درندوں کے مانند۔ ہر دوسرا اپنی بقا اور سلامتی کیلئے اپنے دشمن کو تہ تیغ کرنے کا متمنی ہوتا ہے۔ میرے ہاتھ کی زبان' میرا قلم بھی اپنے دشمن' اس معاشرے کے دشمن اور انسانیت کے دشمن سے کوئی رعایت نہیں کر سکتا۔

یہ بھی ایک شمشیر براں ہے۔ آپ میری تحریر کو اپنے اخبار میں جگہ دیں یا نہ دیں اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ قلم کی رفتار اور الفاظ کی دھار میں کوئی کمی بیشی نہیں ہو سکتی۔ میں وہی لکھوں گا جو حقیقت ہے۔ حقیقت میں ملاوٹ کرنا بدترین بددیانتی ہوگی۔

ایک روز میں نے اس سے کہا۔'' دیکھو حامد! ملاوٹ اگرچہ بری بات ہے لیکن کسی نیک مقصد کی خاطر یہ جائز ہو جاتی ہے۔ حقیقت میں مصلحت کی ملاوٹ سے اگر مفید نتائج حاصل کیے جا سکتے ہوں تو اس میں کیا حرج ہے؟''

''حرج ہے۔'' وہ قطعیت سے بولا۔'' حقیقت میں مصلحت ملا دی جائے تو وہ منافقت بن جاتی ہے۔ اب آپ یہ مثال نہ دیجئے گا کہ کسی بچے کو کڑوی دوا کھلانے کیلئے اس میں تھوڑی چینی ملانا جائز ہے۔ آپ کو شاید معلوم نہیں' چینی ملی کڑوی دوا کس قدر نقصان دہ ہے۔ دوغلی شے کسی کو کیا نفع پہنچائے گی۔''

''یہ اللہ کا بندہ ایسا ہی تلخ وترش ہے۔'' رؤف مدنی نے خیال افروز لہجے میں کہا۔'' اسے سمجھانے کی میری تمام کوششیں ناکام ہو گئیں۔ پروف ریڈنگ اسے مطمئن نہ کر سکی اس لیے ایک روز وہ ملازمت چھوڑ کر میرے اخبار کے دفتر سے غائب ہو گیا۔''

''ملزم خاصا منفرد کیس ہے۔'' میں نے کہا۔

"ہمارا معاشرہ ایسے افراد کو 'ذہنی مریض' کے خانے میں فٹ کرتا ہے۔"

"ہمارے معاشرے کی سوچ روز بروز بیمار ہوتی جارہی ہے۔" میں نے سادگی سے کہا۔

رؤف مدنی بولا۔ "بیگ صاحب! جو شخص اتنا سچا ہو' اتنا کھرا ہو کہ اپنے الفاظ میں کمی بیشی گوارا نہ کرتا ہو وہ کیا چوری کرے گا اور وہ بھی کوئی قیمتی طلائی جڑاؤ نیکلس! ناممکن۔ میں نہیں مان سکتا۔ حامد نے اگر اصولوں پر سودا کرنا ہوتا تو اس کی مالی حالت بہت سدھر چکی ہوتی بلکہ اس وقت وہ صاحب ثروت افراد میں شمار ہوتا۔ جن لوگوں میں لچک نہیں ہوتی وہ اپنے نظریات پر سودے بازی نہیں کرتے وہ ہمیشہ گھاٹے میں رہتے ہیں۔ معاشرتی جبر کی چکی انہیں پیس کر رکھ دیتی ہے۔"

"ایسے لوگ دنیاوی گھاٹے میں ضرور رہتے ہیں لیکن مرنے کے بعد امر ہو جاتے ہیں۔"

میں نے اپنی کرسی پر پہلو بدلتے ہوئے کہا۔ "ایک بات سمجھ میں نہیں آرہی۔"

"کیا بات ہے بیگ صاحب!" اس نے سوالیہ نظر سے مجھے دیکھا۔

میں نے کہا۔ "آپ نے اب تک ملزم کے بارے میں جو کچھ بتایا ہے اس سے تو میں اسی نتیجے پر پہنچا ہوں کہ وہ شخص کمٹ منٹ اور ڈیڈیکیشن کا آدمی ہے جو اس نے اپنی ذات سے کر رکھا ہے۔ ایسے لوگوں کیلئے زندگی بہت دشوار' کٹھن ہو جاتی ہے۔ حامد کا ایک اخبار کو چھوڑ کر کسی سیاسی شخصیت کی ملازمت میں جانا ہضم نہیں ہو رہا۔"

وہ زیر لب مسکرایا اور معنی خیز لہجے میں بولا۔ "بیگ صاحب! یہ ایک الگ اور دلچسپ کہانی ہے۔ اگر آپ حامد ہی کی زبانی سنیں تو زیادہ لطف آئے گا۔"

"کیا یہ لطف اس لیے آئے گا کہ وہ لطیفہ کی ملازمت میں چلا گیا تھا۔"

"آپ کی حس مزاح بہت صحت مند ہے بیگ صاحب۔" وہ ستائشی نظر سے مجھے دیکھتے ہوئے بولا۔

میں نے کندھے اچکاتے ہوئے کہا۔ "آپ اتنے وثوق سے کہہ رہے ہیں تو ایسا ہو گا۔"

وہ اثبات میں سر ہلانے لگا اور چند لمحات کے بعد بولا۔ "دو ماہ پہلے حامد میرے اخبار کو چھوڑ کر چلا گیا تھا۔ میں نہیں جانتا تھا' وہ ان دنوں کہاں تھا اور کیا کر رہا تھا' پھر اس کی گرفتاری کی خبر میرے سامنے آئی تو مجھے چونکنا پڑا۔ اگر اسے کسی معاشرتی ناسور کے قتل کے الزام میں گرفتار کیا جاتا تو شاید مجھے اتنی حیرانی نہ ہوتی۔ میری بے یقینی کا سبب تو یہ تھا کہ اسے چوری کے الزام میں حراست میں لیا گیا تھا۔ بہرحال' میں جب تک اس سے رابطہ کرتا پولیس عدالت سے اس کا ریمانڈ حاصل کر چکی تھی۔ میں نے نیازی سے اس کا ذکر کیا۔ نیازی نے آپ کا نام پیش کر دیا۔ میں نے کہا کہ وہی آپ سے بات کرے لیکن اس نے کہا کہ میں خود بات کروں اور اب میں آپ کے سامنے بیٹھا ہوں۔"

ایک لمحے کے توقف سے اس نے اضافہ کرتے ہوئے کہا۔ "آپ کی فیس کیا ہے بیگ صاحب؟"

اب تک کی گفتگو کے بعد میں وہ کیس ہاتھ میں لینے کا فیصلہ کر چکا تھا۔ لہٰذا فیس وصول کرنے میں کوئی قباحت نظر نہ آئی۔ حامد محمود نامی وہ ملزم ایک دلچسپ اور منفرد کردار نظر آ رہا تھا۔ میں نے اپنے فطری تجسس کے پیش نظر بھی وہ کیس لے لیا حالانکہ بہت کم فیس کے عوض کوئی جونیئر وکیل بھی اس کیس کو ڈیل کر سکتا تھا۔

میں نے رؤف مدنی کو اپنی فیس بتائی۔ اس نے مذکورہ رقم اپنے بیگ میں سے نکال کر میرے سامنے رکھ دی۔ میں نے فیس کی وصولی کی رسید تیار کر کے اسے دی اور کہا۔

"رؤف صاحب! میں ابھی ضمانت کی درخواست ٹائپ کروا لیتا ہوں۔ عدالت میں کارروائی کی تکمیل کیلئے ایک ضمانتی کی ضرورت پیش آئے گی یہ انتظام بھی آپ ہی کو کرنا ہو گا۔"

"شخصی ضمانت چلے گی؟" اس نے سوالیہ نظر سے مجھے دیکھا۔

میں نے پوچھا۔ "یعنی آپ کی؟"

اس نے اثبات میں گردن ہلا دی۔

میں نے کہا۔ "نہ صرف چلے گی بلکہ دوڑے گی۔"

میں نے اپنے اسسٹنٹ کو کمرے میں بلایا اور ضروری ہدایت کے بعد درخواست ضمانت ٹائپ کرنے کو کہا۔ وہ ایک جونیئر وکیل تھا۔ اپرنٹس شپ کے ساتھ ساتھ وہ دفتری اور ڈاکومنٹری معاملات میں بھی دلچسپی لیتا تھا۔

آدھے گھنٹے کے بعد میں رؤف مدنی کے ساتھ اپنے دفتر سے نکل کر عدالت کی جانب بڑھ گیا۔ جب ہم برآمدے کے نزدیک پہنچے تو میں نے رؤف کو بے اختیار ایک طرف بڑھتے دیکھا۔ اس کے ساتھ ہی اس نے مجھے مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

"بیگ صاحب! پولیس والے حامد کو لے آئے ہیں۔"

میں نے اپنی رسٹ واچ پر نگاہ ڈالی۔ وہاں دس بج کر دس منٹ ہوئے تھے۔ رؤف جس سمت بڑھا تھا ادھر میں نے ایک شخص کو دو پولیس والوں کے ساتھ دیکھا۔ یقینی طور پر وہی شخص حامد محمود تھا۔ اس کے ہاتھوں میں ہتھکڑی لگی تھی جس کی زنجیر ایک کانسٹیبل کے ہاتھ میں تھی۔ دوسرا پولیس والا ایک سب انسپکٹر تھا۔ مجھے یہ اندازہ لگانے میں کسی دقت کا سامنا نہیں کرنا پڑا کہ وہ سب انسپکٹر انکوائری افسر تھا۔

ہم دونوں ان کے قریب پہنچ گئے۔ رؤف نے حامد کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ "دیکھو' میں نے کتنے بڑے وکیل کی خدمات حاصل کی ہیں۔ یہ تمہیں باعزت رہائی دلا دیں گے۔ تم کوئی فکر مت کرنا۔"

سب انسپکٹر نے سرتاپا بڑی گہری نظر سے مجھے دیکھا۔ بے یقینی اس کی آنکھوں سے مترشح

تھی۔ شاید وہ تصور نہیں کر پا رہا تھا کہ کوئی غریب غربا مجھ سے استفادہ کر سکتا ہے۔ میں نے سب سے پہلے حامد سے وکالت نامے پر دستخط لیے۔ باقی تمام ضروری کاغذات میں اپنے دفتر ہی سے تیار کر لایا تھا۔ جب سب انسپکٹر کو معلوم ہوا کہ میں ملزم کا وکیل ہوں تو وہ مجھ سے خاصا مرعوب نظر آنے لگا۔ مجھے یوں محسوس ہوا جیسے وہ مجھ سے واقف ہو۔ عام طور پر استغاثہ اور اس سے متعلق ہر شخص وکیل صفائی سے بدکتا ہے لیکن میں نے دیکھا کہ سب انسپکٹر نے مجھے' ملزم سے مختصر بات چیت کی بخوشی اجازت دے دی۔ میں نے ایک بات کو ذہن میں رکھ لیا کہ ممکن ہے' یہ اس کی کوئی چال ہو۔ دشمن کا کوئی بھی خلاف توقع نرم رویہ نظر انداز نہیں کرنا چاہیے۔

ہم آگے پیچھے چلتے ہوئے متعلقہ عدالت میں پہنچ گئے۔ منصف اپنی کرسی پر موجود نہیں تھا۔ مجھے کچھ اور ضروری کام نمٹانے کا موقع مل گیا۔ میں نے ملزم حامد کی درخواست ضمانت اور اپنا وکالت نامہ عدالت میں داخل کر دیا پھر پیش کار کے تعاون سے کیس فائل نکلوا کر اس کا مطالعہ کرنے لگا۔ تفصیلات میں جانے کا تو وقت نہیں تھا۔ سرسری ورق گردانی کے بعد میں نے اپنے مطلب کے نکات ذہن نشین کر لیے۔ یہ ایک تسلی بخش امر تھا کہ ملزم نے ابھی تک اقبال جرم نہیں کیا تھا۔

وہ ایک مجسٹریٹ کی عدالت تھی۔ کچھ دیر بعد وہ کرسی انصاف پر براجمان ہو گیا۔ چند لمحے وہ کیس فائل کا جائزہ لیتا رہا پھر مجھ پر نگاہ ڈالنے کے بعد بولا۔

''بیگ صاحب! اس کیس کی پیروی آپ کریں گے؟'' اس کے لہجے کی حیرت چھپی نہ رہ سکی۔

مجسٹریٹ مجھے اچھی طرح جانتا تھا۔ عدالت میں میری شہرت اس حوالے سے زیادہ ہے کہ میں بڑے بڑے اور کانٹے کے مقدمات لیتا ہوں۔ مجسٹریٹ کی حیرت کا سبب یہی تھا کہ میں نے چوری کے ایک معمولی سے کیس میں ہاتھ ڈالا تھا جیسے کوئی جونیئر وکیل بھی بآسانی ٹیکل کر سکتا تھا۔

میں نے مجسٹریٹ کے سوال کے جواب میں بتایا۔ ''جی ہاں' میں نے ملزم کی درخواست ضمانت کے ساتھ ہی اپنا وکالت نامہ بھی دائر کیا ہے' جس کا یہی مطلب ہے' یہ کیس میں لڑوں گا۔''

''اوکے۔'' اس نے بے پروائی سے کندھے اچکائے اور وکیل استغاثہ کی جانب متوجہ ہو گیا۔

میں نے ملزم حامد محمود کی درخواست ضمانت خصوصی ہدایات کے ساتھ تیار کروائی تھی جسے مجسٹریٹ نے بڑی توجہ اور دلچسپی سے پڑھنے کے بعد وکیل استغاثہ کا رخ کیا تھا۔

''وکیل صاحب! عدالت یہ جاننا چاہتی ہے کہ آیا ملزم عادی مجرم ہے یا یہ اس کی پہلی واردات ہے۔'' مجسٹریٹ نے سنجیدگی سے دریافت کیا۔

وکیل استغاثہ نے بتایا۔ ''جناب میں ملزم کے ماضی کے بارے میں کچھ نہیں جانتا۔''

''اس کا یہی مطلب ہوا' ملزم کا سابق ریکارڈ موجود نہیں۔'' مجسٹریٹ نے اثبات میں سر

ہلاتے ہوئے کہا۔ ''جو یہ ظاہر کرتا ہے' ملزم کوئی عادی مجرم نہیں بلکہ یہ اس کی پہلی ''کوشش'' ہے۔

وکیل استغاثہ چیں بہ چیں ہوا پھر قدرے احتجاجی لہجے میں بولا۔ ''جناب عالی! اگرچہ ملزم اس فیلڈ میں نیا معلوم ہوتا ہے لیکن یہ بڑا منفرد قسم کا چور ہے۔ اس کا طریقہ واردات بڑا الگ تھلگ اور خطرناک ہے۔ اس نے ایک ڈرامہ رچا کر پہلے میڈم لطیفہ کی ہمدردی حاصل کی پھر اس کے اعتماد کو ٹھیس پہنچا کر اس کا قیمتی نیکلس اڑا لیا۔ یہ بہت گہرا اور پکا مجرم ہے اس کی بھولی صورت پر نہ جائیں۔''

''جناب عالی!'' میں نے معترض لہجے میں کہا۔ ''فاضل وکیل نے میرے موکل کیلئے 'پکا مجرم' کے جو الفاظ استعمال کیے ہیں وہ کسی بھی طور درست نہیں ہیں۔''

''آپ اپنے اعتراض کی وضاحت کریں بیگ صاحب!'' مجسٹریٹ نے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

میں نے وضاحت کر دی۔ ''جناب عالی! میں معزز عدالت کو بتانا چاہوں گا کہ جب تک میرے موکل پر عائد الزام ثابت نہیں ہو جاتا' اسے ہرگز مجرم نہیں کہا جا سکتا کجا یہ کہ وکیل استغاثہ اسے پکا مجرم گردان رہے ہیں۔ یہ سراسر زیادتی والی بات ہوگی اور جہاں تک بھولی صورت والا معاملہ ہے تو مجھے اس پر بھی سخت اعتراض ہے۔ کسی بھی شخص کے چہرے پر نہیں لکھا ہوتا کہ وہ مجرم ہے یا شاہد...... پھر یہ اپنے اپنے مشاہدے کی بھی بات ہوتی ہے۔ مثلاً اگر میں وکیل استغاثہ کی شکل کو دیکھ کر یہ کہوں کہ حضرت ایک قاتل نظر آ رہے ہیں تو میری اس بات کی کوئی اہمیت نہیں ہونا چاہیے۔ اصل چیز ہے کسی شخص کا عمل...... اور عدالت میں ہر بات ثابت کرنا پڑتی ہے۔ عدالت بھولی یا بدمعاش صورت پر نہیں جاتی' ملزم کو مجرم ثابت کرنے کیلئے ٹھوس ثبوت فراہم کرنا پڑتے ہیں۔'' میں نے تھوڑا توقف دیا پھر بات کو آگے بڑھاتے ہوئے کہا۔ ''میرے موکل کا پولیس ریکارڈ بہت شفاف ہے۔ آج تک اسے چھوٹے بڑے کسی الزام میں گرفتار نہیں کیا گیا۔ موجودہ معاملہ ایک گہری سازش کا نتیجہ ہے جسے میں آگے چل کر ثابت کر دوں گا۔ لہٰذا معزز عدالت سے میری استدعا ہے کہ وہ میرے موکل کی درخواست ضمانت پر سنجیدگی سے غور فرما کر اس کی ہتھکڑی اتروانے کے احکام صادر کرے۔''

میری وضاحت نے وکیل استغاثہ کے پتنگے لگا دیئے۔ وہ بلبلا اٹھا۔ ''یور آنر! ملزم بہت شاطر قسم کا شخص ہے۔ ابھی تک اس نے اپنی زبان پر تالا ڈال رکھا ہے۔ اس نے پولیس کو اپنی سابق وارداتوں کے بارے میں ابھی کچھ نہیں بتایا۔''

''گویا آپ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ ملزم نے حالیہ واردات کا اقرار کر لیا ہے؟'' مجسٹریٹ نے گھمبیر لہجے میں دریافت کیا۔

وکیل استغاثہ مجسٹریٹ کا سوال سن کر بوکھلا گیا' جلدی سے بولا۔ ''یور آنر! میرا یہ مطلب نہیں

تھا۔ دراصل میں یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ ملزم بڑا پکا مجرم......یعنی خاصا ڈھیٹ قسم کا شخص ثابت ہو رہا ہے۔ پولیس کو اس کی زبان کھلوانے کیلئے کچھ اور وقت چاہیے لہٰذا اس کی درخواست ضمانت منظور نہ کی جائے۔''

میں نے قدرے ترش لہجے میں کہا۔'' جناب عالی! ہماری پولیس کے طریقہ تفتیش سے کون واقف نہیں۔ یہ محکمہ تو اتنا قادر الکلام ہے کہ پتھروں کو بولنے پر مجبور کر دیتا ہے۔ چوری کے ایک معمولی سے ملزم کی ان کے سامنے کیا حیثیت ہو سکتی ہے۔ اگر میرے موکل نے ابھی تک خود پر عائد الزام کا اقبال نہیں کیا تو یہ اس کے بے قصور ہونے پر دلالت کرتا ہے۔''

وکیل استغاثہ تیز لہجے میں بولا۔'' جناب عالی! پولیس کی تفتیش ابھی مکمل نہیں ہو سکی اس لیے......''

''وکیل صاحب!'' مجسٹریٹ نے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔'' میں نے آپ سے ملزم کے سابق ریکارڈ کے بارے میں پوچھا تھا؟''

''میری معلومات کے مطابق پولیس کے پاس اس کا پچھلا ریکارڈ نہیں۔'' وکیل استغاثہ نے شکست خوردہ انداز میں بتایا۔'' یہ پہلی مرتبہ پولیس کے قابو میں آیا ہے۔ اب اس سے اگلے پچھلے تمام جرائم کا اقرار کروالیا جائے گا۔''

مجسٹریٹ نے قدرے متعجب نظر سے وکیل استغاثہ کو دیکھا اور کہا۔'' وکیل صاحب! آپ کی بات کا تو یہ مطلب نکلتا ہے کہ ملزم نے حالیہ واردات کا اقبال کر لیا ہے اس لیے اب اس کے سابق جرائم کا بھی اقرار کروالیا جائے گا' جیسا کہ عام طور پر ہوتا ہے؟''

وکیل استغاثہ گڑبڑا گیا۔'' جناب عالی! ابھی تک اس نے اقبال جرم تو نہیں کیا لیکن اگر پولیس کو کچھ وقت اور مل جائے تو اس کی زبان کھلوائی جا سکتی ہے۔''

میں نے مجسٹریٹ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔'' یور آنر! میرا موکل ایک قانون پسند اور اس معاشرے کا شریف شہری ہے۔ اگر اس نے جرم کیا ہوتا تو دو چار لات گھونسے کھانے کے بعد اس کا اقرار کر لیتا۔ ایک ہفتے تک پولیس کسٹڈی میں رہنے کے باوجود بھی اس نے اگر زبان سے اپنے جرم کا اقرار نہیں کیا تو اس سے یہی بات ظاہر ہوتی ہے کہ میرا موکل بے گناہ ہے۔ اسے کسی سازش کے تحت اس معاملے میں گھسیٹا جا رہا ہے۔ میرے موکل کی حیثیت اس وقت قربانی کے کسی بکرے ایسی ہے۔ اگر اس کا مزید ریمانڈ دیا گیا تو یہ اس مظلوم کے ساتھ زیادتی ہوگی۔ پولیس تفتیش کے نام پر اسے تشدد کا نشانہ بنائے گی۔ میں ایک مرتبہ پھر معزز عدالت سے درخواست کروں گا کہ میرے موکل کی ضمانت منظور کی جائے۔''

وکیل استغاثہ نے اپنا فرض نبھاتے ہوئے ضمانت رکوانے کی ایک اور کوشش کی اور تیز لہجے

میں کہا۔'' یور آنر! اگر ملزم کو آزاد چھوڑ دیا گیا تو یہ مدعی کیلئے خطرناک بھی ثابت ہو سکتا ہے۔''

میں نے استہزائیہ انداز میں کہا۔'' جناب عالی! شاید وکیل استغاثہ کو ضمانت اور ضمانتی کے معنی معلوم نہیں اسی لیے وہ ایسی بات کر رہے ہیں۔ اگر میرے موکل کی ضمانت ہو جاتی ہے تو اسے آئندہ زیادہ محتاط رہنے کی ضرورت ہوگی۔ ایک ایک قدم پھونک پھونک کر اٹھانا ہوگا کہ ذرا سی غلطی یا کوتاہی کہیں اس کے معاملات نہ بگاڑ دے۔ وہ اس کیس کی مدعی میڈم لطیفہ سے ہزار میل نہ سہی' ہزار گز دور رہنے کی کوشش ضرور کرے گا۔''

میری وضاحت میں بہت وزن تھا لیکن وکیل استغاثہ نے احتجاجی لہجے میں کہا۔'' جناب عالی! اگر ملزم کو کھلے عام چھوڑ دیا گیا تو یہ پھر کسی چوری یا ڈکیتی کی واردات میں ملوث ہو جائے گا۔ قیمتی طلائی جڑاؤ نیکلس اڑانے کے بعد اس کا حوصلہ کھل چکا ہے۔ اب یہ کھل کھیلے گا لہٰذا میں اس کی درخواست ضمانت کی مخالفت کرتا ہوں۔''

''یہ مخالفت برائے مخالفت ہوگی یعنی... کھمبا نوچنے کے مترادف۔'' میں نے سخت لہجے میں کہا۔'' اگر میرے موکل نے کوئی قیمتی نیکلس چرایا ہوتا تو اتنی آسانی سے پولیس کے ہتھے نہ چڑھتا۔ وہ کہیں بھی رفو چکر ہو سکتا تھا۔ قیمتی اشیاء چرانے والے جائے واردات سے بہت دور نکل جاتے ہیں۔''

مجسٹریٹ نے چونک کر مجھے دیکھا اور استفسار کیا۔'' بیگ صاحب! ذرا وضاحت کریں۔ آپ کی بات سے تو لگتا ہے ملزم کو جائے وقوعہ سے گرفتار کیا گیا ہے؟''

''جی ہاں' میں یہی کہنا چاہتا ہوں۔'' میں نے قطعی انداز اختیار کرتے ہوئے کہا۔

''کیا رنگے ہاتھوں؟'' بے ساختہ مجسٹریٹ نے سوال کیا۔

میں نے زیر لب مسکراتے ہوئے کہا۔'' جناب عالی! اگر میرا موکل رنگے ہاتھوں پکڑا جاتا تو پھر شاید اسے میری مدد کی ضرورت پیش نہ آتی۔ بات دراصل یہ ہے کہ ملزم مدعی میڈم لطیفہ کے بنگلے پر ہی رہتا تھا لہٰذا اسے اس کی رہائش گاہ سے گرفتار کیا گیا یعنی جائے وقوعہ سے۔''

''اوہ!'' مجسٹریٹ ایک طویل سانس خارج کرتے ہوئے بولا۔'' تو یہ بات ہے۔'' پھر وہ وکیل استغاثہ کی جانب متوجہ ہو گیا۔

''کیا پولیس نے گرفتاری کے بعد ملزم کے قبضے سے مال مسروقہ برآمد کر لیا ہے؟''

اس سوال نے وکیل استغاثہ کو گڑبڑا دیا۔ مال مسروقہ یعنی جڑاؤ طلائی نیکلس تا حال برآمد نہیں ہو سکا تھا۔ وہ بوکھلاہٹ آمیز لہجے میں بولا۔

''جناب عالی! میں یہی تو بتانے کی کوشش کر رہا ہوں کہ ملزم بہت ہی چالاک شخص ہے۔ پولیس ابھی تک مال مسروقہ برآمد کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکی۔''

"کیا پولیس نے اس کی تلاشی نہیں لی تھی؟"

"لی تھی یور آنر!" وکیل استغاثہ نے کمزور لہجے میں کہا۔ "جامہ تلاشی بھی لی تھی اور خانہ تلاشی بھی۔" اس کی آواز میں خاصی الجھن پائی جاتی تھی۔ "ملزم چونکہ ان دونوں مدعی کے بنگلے پر ہی مقیم تھا اس لیے پولیس نے نہ صرف اس کے کوارٹر کو کھنگال ڈالا بلکہ پورے بنگلے کا کونا کونا بھی چھان مارا تھا لیکن قیمتی نیکلس کا کوئی سراغ ہاتھ نہ آسکا۔"

"پھر وہ طلائی نیکلس کہاں چلا گیا؟"

"یہی تو سمجھ میں نہیں آرہا جناب۔" وکیل استغاثہ بے بسی سے بولا۔ "اس عیار شخص نے یقیناً وہ نیکلس کسی نہایت ہی خفیہ جگہ چھپا دیا ہے یا پھر یہ نیکلس کو فروخت کر چکا ہے۔"

میں نے کھنکار کر گلا صاف کیا اور اپنے موکل کی ضمانت کے حق میں دلائل دیتے ہوئے وکیل استغاثہ کو لتاڑا۔ "جناب عالی!" میں نے مجسٹریٹ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ "وکیل استغاثہ کی وضاحت میں لفظ "یقیناً" توجہ طلب ہے۔ میرے فاضل دوست نے کہا ہے' اس عیار شخص نے وہ نیکلس یقیناً کسی خفیہ جگہ چھپا دیا ہے یا پھر وہ اسے فروخت کر چکا ہے۔ کیا وکیل استغاثہ اپنے یقین کا کوئی ثبوت پیش کر سکتے ہیں۔ میرا مطلب ہے' کیا انہوں نے میرے موکل کو وہ نیکلس کہیں چھپاتے ہوئے یا فروخت کرتے ہوئے دیکھا ہے؟"

مجسٹریٹ نے سوالیہ نگاہ سے وکیل استغاثہ کو دیکھا وہ ٹپٹائے ہوئے لہجے میں بولا۔ "میں نے ایک امکانی بات کی تھی۔ اگر میں نے ملزم کو یہ حرکات کرتے ہوئے دیکھا ہوتا تو پھر یہ اس وقت جیل کی ہوا کھا رہا ہوتا۔"

"تو پھر آپ اپنے بیان میں سے لفظ "یقیناً" کو خارج کر دیں۔"

وہ گھور کر مجھے دیکھتے ہوئے بولا۔ "میں نے ایک امکانی بات کی تھی۔ میرا خیال تھا' ملزم نے مال مسروقہ کسی خفیہ مقام پر چھپایا ہوگا یا اسے کہیں فروخت کر چکا ہوگا۔ آپ تو میرے الفاظ پکڑ کر بیٹھ گئے وکیل صاحب!"

وکیل استغاثہ کے لہجے سے جھلاہٹ عیاں تھی۔ میں نے ایک اور زاویے سے وار کیا۔

"میرے فاضل دوست! اب میں آپ کا خیال پکڑ کر کھڑا رہنے والا ہوں۔ الفاظ پکڑ کر بیٹھنا ممکن نہیں رہا۔"

اس نے الجھن زدہ نظر سے مجھے دیکھا۔ میری بات اس کے پلے نہیں پڑی تھی۔

میں نے مجسٹریٹ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ "جناب عالی! وکیل استغاثہ محض اس بنیاد پر میرے موکل کی ضمانت رکوانا چاہتے ہیں کہ ان کے خیال میں ملزم نے مال مسروقہ کسی نہایت ہی خفیہ گوشے میں چھپا دیا ہے یا پھر بلیک مارکیٹ میں کسی چور خریدار کے ہاتھ فروخت کر دیا ہے۔ اگر اس

طرح خیال یا قیاس کی بنا پر عدالت فیصلے دینے لگی تو پھر ہوگئی قانون کی عملداری۔ مجھے' معزز عدالت کو اور ہر ذی شعور شخص کو اچھی طرح یہ بات معلوم ہے کہ عدالت میں ہر خیال اور قیاس کو ثابت کرنا پڑتا ہے۔"

میں ایک لمحے کو دم لینے کی خاطر رکا پھر سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے کہا۔ "جناب عالی! وکیل استغاثہ ایک سیدھے سادے معاملے کو ڈرامائی پیچ دینے کی کوشش کر رہے ہیں۔ حالانکہ سب کچھ عیاں ہے۔ میرے موکل کے پاس سے چوری کا مال برآمد نہیں ہوا۔ اسے مال مسروقہ چھپاتے یا فروخت کرتے ہوئے نہیں دیکھا گیا۔ پولیس میں بحیثیت ملزم یا مجرم اس کا کوئی ریکارڈ موجود نہیں۔ میرا موکل ایک امن پسند اور راست گو شخص ہے' اس شہر کی ایک معروف اور معزز شخصیت اس کی ضمانت لینے کو تیار ہے۔ ان حقائق کی روشنی میں میرے موکل کی ضمانت نامنظور ہونا' سمجھ میں نہ آنے والی بات ہوگی۔"

"جناب عالی!" وکیل استغاثہ نے ضمانت رکوانے کے لئے آخری زور مارا۔ "ملزم بہت گہرا شخص ہے اس کا طریقہ واردات بہت ہی مختلف اور ناقابل گرفت ہے۔"

میں نے کہا۔ "یور آنر! کسی شریف شخص پر' اس قسم کے بے بنیاد اور مبنی بر قیاس الزامات عائد کر کے اسے جیل کی سلاخوں کے پیچھے بھجوانے کی کوشش کرنا درست عمل شمار نہیں ہوگا۔" پھر میں نے حامد کے ہاتھوں میں موجود ہتھکڑی کی جانب اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "میرے موکل کی یہ حالت اس کی شرافت اور نیک نامی کو بری طرح متاثر کر رہی ہے۔ میں معزز عدالت سے درخواست کروں گا کہ وہ میرے موکل کی عزت نفس اور ساکھ کا خیال رکھتے ہوئے اسے ضمانت پر رہا کر دے۔"

مجسٹریٹ نے وکیل استغاثہ سے استفسار کیا۔ "اب آپ کیا کہتے ہیں؟"

اس نے کہا۔ "جناب عالی! ابھی پولیس کی تفتیش مکمل نہیں ہو سکی اور....."

"اور یہ کہ" مجسٹریٹ اس کی بات مکمل ہونے سے پہلے ہی بول اٹھا۔ "آپ کے پاس کہنے کیلئے کوئی نئی بات نہیں۔"

مجسٹریٹ کے الفاظ میں خاصی سختی پائی جاتی تھی۔ وکیل استغاثہ کھسیانا ہو کر بغلیں جھانکنے لگا۔

میں نے فاتحانہ نظر سے وکیل مخالف کو دیکھا اور منصف کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

"جناب عالی! اگر میرے موکل کی ضمانت منظور نہ کی گئی اور پولیس مزید ریمانڈ حاصل کرنے میں کامیاب ہوگئی تو میرے موکل کے ساتھ زیادتی ہو جائے گی۔ حالات و واقعات معزز عدالت کے سامنے ہیں۔ ملزم حامد نہ تو موقع پر جرم کرتے ہوئے گرفتار ہوا ہے اور نہ ہی اس کے قبضے سے مال مسروقہ برآمد ہو سکا ہے۔ پولیس مزید مہلت حاصل کر کے میرے موکل کو تشدد کا نشانہ بنانا چاہتی ہے۔ گزشتہ ایک ہفتے سے پولیس کی تحویل میں اس سے جو ناروا سلوک کیا گیا اس کیلئے وہی کافی ہے۔"

اتنا عرصہ چوری جیسے ایک معمولی جرم کیلئے بہت کافی ہوتا ہے۔ ایسے معاملات میں پولیس دنوں نہیں بلکہ گھنٹوں میں اقبال جرم کروالیتی ہے۔" ایک لمحے کا توقف دے کر میں نے خاصے جذباتی انداز میں کہا۔" یور آنر! میرا موکل بے قصور اور مصیبت زدہ ہے لہٰذا انسانی ہمدردی کو ملحوظ رکھتے ہوئے اسے شخصی ضمانت پر رہا کر دیا جائے۔"

وکیل استغاثہ کا بودا استدلال مجسٹریٹ پر عیاں ہو چکا تھا لہٰذا اس نے ضمانتی رؤف مدنی کو عدالت کے کمرے میں بلوا لیا۔ ضمانت کے ذیل میں تیار کردہ کاغذات کو چیک کرنے کے بعد مجسٹریٹ نے میرے موکل کو رہا کرنے کا حکم جاری کر دیا۔

میں نے بالفاظ دیگر کامیابی کا پہلا زینہ طے کر لیا۔

ہم ضمانت کی کاغذی کارروائی مکمل ہونے کے بعد عدالت سے باہر آئے تو حامد محمود نے تشکر آمیز نظر سے مجھے دیکھا اور لرزتی ہوئی آواز میں بولا۔" میری سمجھ میں نہیں آ رہا' کس منہ سے آپ کا شکریہ ادا کروں۔"

"تمہیں اگر شکریہ ہی ادا کرنا ہے تو ان کا کرو۔" میں نے رؤف مدنی کی جانب اشارہ کرتے ہوئے کہا۔" اور اس کام کیلئے کسی نئے منہ کی ضرورت نہیں۔ تم اپنے جینوئن منہ کا استعمال کر سکتے ہو۔"

حامد نے احسان بھری نگاہ سے رؤف مدنی کو دیکھا۔

وہ بولا۔" حامد! بیگ صاحب نے تمہاری ضمانت کروانے میں بہت ہی اہم رول ادا کیا ہے۔ اب تم ہر غم فکر سے نکل آؤ۔ انشاء اللہ بیگ صاحب بہت جلد تمہیں اس مقدمے سے باعزت بری کروالیں گے۔"

میں حامد محمود کے بارے میں مختصراً جان چکا تھا۔ اسی روشنی میں کہا۔" جوان! تمہیں مایوس نہیں ہونا چاہیے۔ اگرچہ تمہارے خیالات کو چھاپنے کا کوئی بھی شخص رسک لینے کو تیار نہیں لیکن تمہیں اس بات سے تقویت حاصل کرنا چاہیے کہ اس سے اتفاق کرنے والے تو موجود ہیں۔"

"اس خالی خولی اور غیر عملی اتفاق میں برکت پیدا نہیں ہو سکتی وکیل صاحب!" حامد نے گہری سنجیدگی سے کہا۔

"تم ٹھیک کہتے ہو حامد" میں نے تائیدی انداز میں کہا۔" لیکن اس درجہ مایوسی اور ناامیدی بھی اچھی نہیں۔ انشاء اللہ وہ وقت ضرور آئے گا جب تمہارے ہم خیال اکثریت حاصل کر لیں گے۔"

"ہاں خوش امیدی بھی کسی ٹانک سے کم نہیں ہوتی۔" وہ خلا میں گھورتے ہوئے بولا۔

میں نے موضوع بدلتے ہوئے کہا۔" رؤف صاحب! مجھے ایک اور کیس کی پیروی بھی کرنا ہے۔ آپ حامد کے ساتھ دو بجے کے بعد اگر میرے دفتر آ جائیں تو تفصیلی بات چیت ہو جائے گی۔"

"کیا اس بات چیت کیلئے میری موجودگی ضروری ہے؟"

"اوں..... نہیں۔" میں نے ایک لمحہ غور کرنے کے بعد کہا۔" آپ کا کام ختم ہو گیا۔ میں دراصل حامد سے کچھ نہایت اہم باتیں معلوم کرنا چاہتا ہوں۔"

رؤف مدنی نے کہا۔" ٹھیک ہے' تو پھر میں اجازت چاہوں گا۔ حامد دفتر آ کر آپ سے مل لے گا۔" پھر وہ حامد کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔" تم بیگ صاحب سے فارغ ہونے کے بعد سیدھا میرے پاس آ جانا۔ فی الحال تمہارے پاس رہنے کا ٹھکانا بھی نہیں ہوگا۔ میں کچھ بندوبست کرتا ہوں تمہارے لیے۔"

اس کے بعد رؤف مدنی نے اپنے پرس میں سے کچھ رقم نکال کر حامد کو دی اور میرا شکریہ ادا کرنے کے بعد وہاں سے رخصت ہو گیا۔

میں نے نہایت ہی مؤثر انداز میں حامد محمود کو اپنے دفتر کا پتا سمجھایا اور دوسری عدالت کی طرف بڑھ گیا۔

اس روز میرے دفتر میں آ کر حامد نے مجھے اپنے کیس کی جو تفصیل سنائی' وہ میں آپ کی معلومات کیلئے یہاں مختصر الفاظ میں بیان کرتا ہوں۔ اس میں وہ باتیں بھی شامل ہیں جو کیس کی فائل اور چند دیگر ذرائع سے میرے علم میں آئیں' تاہم میں نے غیر ضروری اور غیر متعلقہ باتوں کو حذف کر دیا ہے۔

☆.....☆.....☆

حامد محمود کی عمر پچیس چھبیس رہی ہوگی۔ وہ ایک سنجیدہ اور خاموش طبع انسان تھا۔ رؤف مدنی نے مجھے اس کے خیالات' مزاج اور موڈ کے بارے میں بتا دیا تھا اس لیے اس تفصیل میں جانے کی ضرورت نہیں۔ جن دنوں وہ اخبار میں پروف ریڈر کی حیثیت سے کام کر رہا تھا' اس کی رہائش طارق روڈ پر تھی۔ وہ اور اس کا دوست یا روم میٹ کہہ لیں' ایک عمارت کی چھت پر بنے ہوئے پینٹ ہاؤس میں رہتے تھے۔ ایک کمرے پر مشتمل وہ رہائش گاہ انہیں بہت کم کرایے پر مل گئی تھی۔ حامد کے ساتھی مرسلین کو گلوکار بننے کا شوق تھا۔ دونوں کے مزاج کی ہم آہنگی نے انہیں ایک دوسرے کے قریب کر دیا تھا۔

اخبار کی ملازمت کو ترک کرنے کے بعد خاصا ڈپریس تھا۔ ایک روز وہ مین طارق روڈ پر کھڑے ہو کر وہاں کی چہل پہل کو دیکھ رہا تھا کہ ایک منظر نے اس کی توجہ کھینچ لی۔ کراچی میں رہنے والے طارق روڈ کی رونق سے بخوبی واقف ہیں۔ آج کل تو خیر یہ علاقہ شاپنگ کا ہردلعزیز مرکز بن کر رہ گیا ہے اور وہاں پر خریداری کیلئے آنے والے مرد و زن کا کھوے سے کھوا چھلتا ہے تاہم اس زمانے میں بھی اس روڈ کی مصروفیت اور خریداری کے حوالے سے اہمیت مسلم تھی۔ لوگ جوق در جوق ادھر کا

رخ کرتے اور ڈھیروں خریداری کے بعد ہی ان کی واپسی ہوتی۔ نیز آج کی طرح ہمیشہ سے طارق روڈ کھانے پینے کے شوقین افراد کی نگاہ کا مرکز بھی رہا ہے۔

جس منظر نے حامد کی توجہ اپنی جانب مبذول کرائی وہ ایک گاڑی کے ساتھ پیش آنے والا واقعہ تھا۔ تھوڑی دیر پہلے ایک خوش پوش اور طرح دار عورت اس گاڑی سے نکل کر ایک شاپنگ سنٹر میں داخل ہوئی تھی۔ اس عورت کے ساتھ ایک ادھیڑ عمر دراز قامت شخص بھی تھا۔ کچھ دیر بعد وہ شخص واپس آیا اور تین چار بیگ گاڑی کی عقبی نشست پر پھینک کر واپس سینٹر میں غائب ہو گیا۔ حامد کو یہ سمجھنے میں دشواری نہ ہوئی کہ ان بیگز میں خریدی ہوئی اشیاء ہوں گی۔ یہ ایک عام سی بات تھی۔ گاڑیوں والے یہی کرتے تھے جہاں پارکنگ آسانی سے ملی' گاڑی کھڑی کی اور پیدل شاپنگ کیلئے نکل کھڑے ہوئے۔

حامد فٹ پاتھ پر ایک الیکٹرک پول کے ساتھ کھڑا وقفے وقفے سے اس گاڑی کی طرف دیکھنے لگا۔ اس گاڑی میں کوئی سرخاب کا پر نہیں لگا ہوا تھا۔ وہ ایک نئی نکور فورڈ کار تھی۔ حامد کی توجہ اور دلچسپی کا سبب وہ عورت تھی جو اس گاڑی سے نکل کر شاپنگ سنٹر میں گئی تھی۔ حامد نے اتنی حسین اور طرح دار عورت اس سے قبل نہیں دیکھی تھی۔ اس عورت کی خوبصورتی اور دلکشی نے حامد کے دل میں گدگدی پیدا کر دی تھی۔ وہ بڑے انہماک سے اس گاڑی کی طرف دیکھتے ہوئے عورت کے بارے میں سوچنے لگا۔

کچھ دیر بعد اس کی سوچ میں خلل پیدا ہوا اور انہماک ٹوٹ گیا۔ اس تصوراتی ٹوٹ پھوٹ کا سبب ایک پستہ قامت شخص تھا جو چاروں طرف محتاط نظر ڈالتے ہوئے فورڈ کی جانب بڑھ رہا تھا۔ حامد نے اس کے انداز سے اس کا ارادہ بھانپ لیا۔ یقینی طور پر وہ کسی برے مقصد کی خاطر پیش قدمی کر رہا تھا۔ حامد پوری طرح الرٹ ہو گیا۔

گاڑی کے نزدیک پہنچ کر وہ پستہ قامت شخص ایک لمحے کیلئے رکا پھر اس نے آہستگی سے گاڑی کے عقبی دروازے کے ہینڈل پر زور ڈال کر دروازہ کھول لیا۔ حامد نے اپنی جگہ چھوڑ دی اور تیز قدموں سے گاڑی کی طرف بڑھنے لگا۔ اس کے خیال میں وہ شخص کوئی چور تھا جو عقبی نشست پر رکھے بیگز کو اڑانے کا ارادہ رکھتا تھا۔ حامد کو حیرت اس بات کی تھی کہ اس نے دروازہ اتنی آسانی سے کیسے کھول لیا تھا یا تو وہ دراز قامت شخص دروازہ لاک کرنا بھول گیا تھا یا پھر پستہ قامت چور نے اپنا کوئی ہنر آزمایا تھا۔ بہرحال حامد فوراً سے پیشتر اس شخص کے عقب میں پہنچ گیا۔ اس نے سوچ لیا تھا کہ اس چور کو کامیاب نہیں ہونے دے گا۔

شاید چور کو اس کے ارادے کا علم ہو گیا۔ وہ تیزی سے پیچھے کی جانب مڑا۔ حامد نے اس کے ہاتھ میں ایک پھولا ہوا بڑا سا بیگ دیکھا۔ حامد پر نظر پڑتے ہی وہ شخص ایک لمحے کیلئے ٹھٹکا پھر اس

سے پہلے کہ حامد کوئی ہنگامی قدم اٹھاتا' پستہ قامت چور نے بیگ سمیت ایک جانب دوڑ لگا دی۔ ردعمل کے طور پر حامد بھی اس کے پیچھے لپک گیا۔

حامد کو توقع نہیں تھی کہ وہ شخص اتنی تیزی سے فرار ہو گا ورنہ وہ اس کے عقب میں پہنچتے ہی ہاتھ ڈال دیتا۔ خیر' اب ہر حال میں حامد نے اسے دبوچنا تھا۔ وہ شخص مین طارق روڈ کو چھوڑ کر سائیڈ سٹریٹس میں گھس گیا اور حامد کو اپنے پیچھے زگ زیگ دوڑانے لگا۔ حامد نے بھی ہمت نہ ہاری اور بالآخر سوسائٹی قبرستان کے نزدیک وہ پستہ قامت چور کو ایک گلی میں چھاپنے میں کامیاب ہو گیا۔ اس وقت شام ہو رہی تھی اور وہ گلی تقریباً خالی تھی۔ وہ طارق روڈ کا نیم کمرشل اور رہائشی علاقہ تھا۔

حامد نے اس شخص کو گدی سے دبوچا اور دوسرا ہاتھ بیگ پر ڈال دیا۔ وہ جان چھڑانے کیلئے ہاتھ پاؤں مارنے لگا۔ لیکن حامد نے اسے ایسا موقع نہ دیا۔ چور کیلئے...... نہ جائے ماندن' نہ پائے رفتن والی صورتحال ہو گئی تو اس نے نجات کیلئے حامد کی کلائی پر دانت گاڑ دیئے۔

یہ وہی کلائی تھی جس سے جڑا ہوا ہاتھ چور سے بیگ چھیننے کی کوشش میں مصروف تھا۔ حامد نے اپنے بازو کے گوشت میں انگارے سے بھرتے محسوس کیے تاہم اس موقع پر اس نے واقعی ہمت کا مظاہرہ کیا اور بیگ پر گرفت ڈھیلی کرنے کے بجائے وہ مزید ڈٹ گیا۔ اس نے وحشی چور کی ٹانگوں میں اڑنگا لگایا اور ایک زوردار دھکا دے کر اسے زمین بوس ہونے پر مجبور کر دیا۔

اس چھینا جھپٹی اور رسہ کشی کا نتیجہ مثبت برآمد ہوا اور وہ یہ کہ بیگ' حامد کی تحویل میں آ گیا۔ چور کو یہ اندازہ تو ہو گیا تھا کہ وہ طاقت اور پھرتی میں حامد کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ اب چوری شدہ بیگ بھی اس کے قبضے سے نکل چکا تھا لہٰذا موقع کی مناسبت سے اس نے چوروں والی حرکت کی۔

چور فطری طور پر بزدل ہوتا ہے اسی لیے وہ چھپ کر واردات کرتا ہے۔ بیگ چور پستہ قامت شخص ایک جھٹکے سے زمین سے اٹھا اور اس نے ایک جانب دوڑ لگا دی۔ حامد نے اس مرتبہ اس کا تعاقب کرنے کی کوشش نہیں کی۔ وجہ تعاقب یعنی چوری شدہ بیگ اس کی تحویل میں آ چکا تھا۔ اس نے خدا کا شکر ادا کیا اور واپسی کی راہ لی۔ وہ جب گاڑی کے پاس پہنچا تو لگ بھگ بیس منٹ وقت آگے بڑھ گیا تھا۔

فورڈ کے نزدیک وہ دونوں کھڑے تھے' حسین و جمیل عورت اور اس کا دراز قامت ساتھی۔ گاڑی کا پچھلا دروازہ ہنوز کھلا تھا۔ وہ عورت اپنے ساتھی سے خاصی برہمی سے بات کر رہی تھی۔ حامد بیگ سمیت وہاں پہنچا تو اس شخص کی نظر میں آ گیا۔ اسی وقت وہ تیز آواز میں چیخا۔

''وہ رہا چور!'' اس کا اشارہ حامد کی جانب تھا۔

وہاں گاڑی کے پاس چند افراد اکٹھا ہو گئے تھے۔ انہوں نے دراز قامت کی پکار پر حامد کی جانب رخ کیا۔ حامد کے لیے وہ بڑی واہیات صورت حالات تھی۔ وہ تو اس بیگ کو چور سے بچا کر لایا

تھا اور یہاں اسے چور سمجھا جا رہا تھا۔ ایک طرح سے وہ لوگ ایسا سوچنے اور سمجھنے میں حق بجانب بھی تھے۔ یہ ان لوگوں کا ایک فطری ردعمل تھا۔ وہ بیگ حامد کے پاس دیکھ کر اسے چور تصور کر رہے تھے۔

اس موقع پر حامد نے عقل مندی کا مظاہرہ کیا اور ہاتھ سے رکنے کا اشارہ کر کے اس نے باآواز بلند کہا۔ ''ایک منٹ! میں بتاتا ہوں' اس بیگ کے ساتھ کیا ہوا تھا۔''

اس کی طرف بڑھنے والے افراد رک گئے۔ اگر حامد بہادری سے یہ جملہ ادا نہ کرتا تو وہ لوگ عام ہجومی نفسیات (Mob Psychology) کے مطابق اس کی تکا بوٹی کر کے رکھ دیتے۔ ہجوم کی ایک اپنی نفسیات ہوتی ہے جسے بھیڑ چال بھی کہا جاتا ہے۔ کوئی ایک شخص آواز بلند کر دے...... وہ چور ہے باقی افراد مذکورہ شخص کی دھنائی اور دھلائی کیلئے فوراً پیش قدمی کریں گے یہ سوچے بغیر کہ وہ شخص چور ہے بھی یا نہیں۔''

لوگوں کے بڑھتے ہوئے قدم رکے تو حامد نے وہ بیگ خوب صورت عورت کی جانب بڑھاتے ہوئے کہا۔ ''یہ لیں آپ کا بیگ۔ میں نے اسے چوری ہونے سے بچایا ہے۔''

پھر مختصر الفاظ میں حامد نے اس واقعہ کی وضاحت بھی کر دی۔

خوب صورت عورت نے وہ بیگ حامد کے ہاتھ سے جھپٹ لیا اور اضطراری لہجے میں بولی۔

''بیگ تو مل گیا مگر وہ قیمتی فائل کہاں ہے؟''

''فائل؟'' حامد نے استجابیہ نظر سے اس حسینہ یادداشت کو دیکھا۔

''اوہ! خدا کا شکر ہے۔'' اس عورت نے ایک گہری سانس خارج کرتے ہوئے کہا۔ ''فائل تو اس بیگ کے اندر موجود ہے۔'' اس دوران میں وہ بیگ کے اندر اچھی طرح جھانک کر دیکھ چکی تھی۔

وہاں پر جمع ہونے والے افراد کو جب معلوم ہوا کہ اس عورت کی چوری ہونے والی چیزیں مل گئی ہیں تو وہ چھٹنے لگے۔ اگلے ہی لمحے وہاں گاڑی کے پاس صرف تین افراد کھڑے تھے یعنی حامد' حسین وجمیل عورت اور اس کا دراز قامت ساتھی۔ حامد نے محسوس کیا' اس عورت کی دلچسپی فائل تک محدود تھی۔

عورت نے اپنے ساتھی سے دریافت کیا۔ ''ناظمی! کیا تم نے اس فائل کو شاپنگ بیگ کے اندر ڈال دیا تھا؟'' وہ کوئی نہایت ہی اہم فائل تھی۔

''نہیں میڈم!'' وہ شخص فرماں برداری سے بولا۔ ''فائل تو پچھلی نشست پر پڑی تھی۔ میں نے دونوں بیگ اس فائل کے اوپر رکھ دیئے۔ شاید وہ چور بے دھیانی میں بیگ کے ساتھ فائل کو بھی اٹھا لے گیا۔ وہ اس فائل کی اہمیت سے آگاہ نہیں ہوگا۔''

دراز قامت کے آخر الذکر جملے نے حامد کے اندازے کی تصدیق کر دی۔ وہ کوئی عام فائل

نہیں تھی۔ دراز قامت کے لب و لہجے اور طرز تخاطب نے حامد کو یہ بھی بتایا کہ میڈم کہنے والا وہ شخص اس خوب صورت عورت کا شوہر ہرگز نہیں تھا۔ اس کا شمار ادنیٰ قسم کے ملازمین میں یا خدمت گاروں میں ہو سکتا تھا۔

عورت نے اس شخص کو ناظمی کے نام سے مخاطب کیا تھا۔ اسی واسطے کے ذریعے حامد نے اس شخص سے کہا۔ ''مسٹر ناظمی! شاید آپ گاڑی کا دروازہ لاک کرنا بھول گئے تھے۔''

ناظمی نے ایک گہری مگر ناپسندیدہ نظر سے اسے دیکھا۔ شاید اسے یہ طرز تخاطب پسند نہیں آیا تھا پھر نفی میں گردن ہلاتے ہوئے بولا۔ ''نہیں' نہیں۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے' میں نے دونوں شاپنگ بیگز گاڑی کی سیٹ پر رکھنے کے بعد دروازے کا لاک گرایا تھا اور دروازہ بند کرنے کے بعد باہر کا ہینڈل کھینچ کر بھی دیکھا تھا۔'' ایک لمحے کا توقف کرنے کے بعد اس نے اپنی میڈم کی جانب دیکھتے ہوئے کہا۔ ''میڈم! آپ تو جانتی ہیں' پیشہ ور چور اپنے کام میں کتنے ماہر ہوتے ہیں۔ کسی طرح کھول لیا ہوگا اس سالے نے دروازے کا لاک۔''

حامد نے محسوس کیا' ناظمی نامی وہ شخص بڑا واضح جھوٹ بول رہا تھا۔ اگر اس واقعہ سے پہلے حامد کا دھیان اس گاڑی کی طرف نہ ہوتا تو شاید وہ ناظمی کی بات کا یقین کر لیتا۔ حامد نے وہ منظر بڑی وضاحت کے ساتھ دیکھا تھا۔ دراز قامت ناظمی کا پچھلا دروازہ کھولنا' دو شاپنگ بیگز کو عقبی نشست پر پھینکنا اور بے فکری سے دروازہ بند کر کے چلے جانا۔ حامد نے سوچا شاید وہ شخص اپنی میڈم کی ڈانٹ سے بچنے کیلئے غلط بیانی سے کام لے رہا تھا۔ وہ اپنی بے پروایانہ کوتاہی کو اس حسین عورت کے علم میں نہیں لانا چاہتا تھا اسی لیے دروازے کے لاک گرانے اور ہینڈل کھینچ کر دیکھنے کی بات کر رہا تھا۔ حامد نے دل ہی دل میں اس مکار اور ریاکار شخص پر لعنت بھیجی۔ اس کی یادداشت میں جلنے اور کڑھنے کیلئے پہلے ہی بہت سا سامان بھرا تھا۔ ناظمی کی حرکت پر غور و فکر کر کے وہ کیا کرتا۔

اس دوران میں وہ دلکش عورت حامد کی جانب متوجہ ہو چکی تھی۔ ''تم نے اس فائل کو چوری ہونے سے بچا کر مجھ پر بہت بڑا احسان کیا ہے۔ تم تصور نہیں کر سکتے' یہ فائل میرے لیے کتنی اہم ہے۔''

اس نے فائل کو بڑی مضبوطی سے گرفت میں لے رکھا تھا۔ حامد نے سادگی سے کہا۔ ''میں نے جو کچھ کیا وہ حالات کا تقاضا اور میرا فرض تھا۔'' ایک لمحے کو رک کر اس نے اضافہ کرتے ہوئے کہا۔ ''ویسے سچی بات تو یہ ہے کہ جب میں نے بیگ چور کا تعاقب کیا تھا۔ اس وقت مجھے یہ بات معلوم نہیں تھی کہ بیگ کے اندر کوئی اہم فائل بھی موجود ہے۔''

''اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔'' وہ عورت کندھے اچکاتے ہوئے بولی۔ ''یہ بات تو شاید اس چور کو بھی معلوم نہیں ہوگی کہ وہ کپڑوں والے بیگ کے ساتھ ایک نہایت ہی قیمتی فائل بھی سمیٹے

چلے جا رہا ہے۔ خیر! میں تمہاری بہت شکر گزار ہوں اور اس کارنامے پر میں تمہیں کوئی انعام وغیرہ دینا چاہتی ہوں۔''

''اس کی کیا ضرورت ہے میڈم......''

حامد نے دانستہ جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔ حسین وجمیل عورت جلدی سے بولی۔ ''لطیفہ...... میرا نام لطیفہ نعمت الٰہی ہے۔ سب لوگ مجھے میڈم لطیفہ کہتے ہیں۔''

وہ اسم بامسمّٰی تھی، یعنی نعمت الٰہی کی زندہ تصویر۔ حامد غیر ارادی طور پر اس عورت کے سراپا میں کھو گیا۔ ناظمی کے کھنکار نے اسے چونکا دیا۔ وہ بے اختیاری سے اختیاری کی کیفیت میں آیا تو اس نے لطیفہ کو کہتے سنا۔

''کیا میں اپنے محسن کا نام جان سکتی ہوں؟''

حامد کیلئے تسلی بخش بات یہ تھی کہ لطیفہ نے اس کے عمل کا برا نہیں منایا تھا، اس نے اپنا نام بتانے میں ایک لمحے کی تاخیر نہ کی اور بولا۔ ''مجھے حامد محمود کہتے ہیں۔''

''کرتے کیا ہو؟''

''فی الحال تو بے روزگار ہوں۔''

''اوہ!'' لطیفہ نے بھویں اچکائیں۔ ''اس سے پہلے کیا کرتے تھے؟''

حامد نے محسوس کیا کہ اس کی ذات میں بڑھتی ہوئی لطیفہ کی دلچسپی نے ناظمی کو بیزاری میں مبتلا کر دیا تھا۔ وہ ناظمی کی پروا نہ کرتے ہوئے لطیفہ کے سوال کے جواب میں بولا۔

''اس بیروزگاری سے پہلے میں ایک اخبار میں کام کرتا تھا۔''

''کام کی نوعیت کیا تھی؟''

''میں وہاں پروف ریڈنگ کرتا تھا۔''

''پھر نوکری کیوں چھوٹ گئی؟'' وہ کرید پر تلی ہوئی تھی۔

حامد نے بتایا۔ ''نوکری چھوٹی نہیں بلکہ میں نے خود چھوڑ دی۔''

''اس کی کوئی خاص وجہ؟''

''وہ نوکری میرے مزاج سے لگا نہیں کھاتی تھی۔'' حامد نے کہا۔ ''میں کچھ اور کرنا چاہتا ہوں۔''

''مثلاً'' لطیفہ نے حیرت آمیز دلچسپی سے اسے دیکھا۔

''میں لکھنا چاہتا ہوں۔ بے لاگ، بے لپٹ۔''

لطیفہ نے پوچھا۔ ''یعنی کالم وغیرہ؟''

''کچھ بھی، کالم، فیچر، مضمون، جائزہ، تبصرہ۔''

''پھر تو تم بہت کام کے آدمی ہو۔'' لطیفہ کی دلچسپی کئی چند ہو گئی۔ ''ایسے افراد کو تو اخبارات میں ہاتھوں ہاتھ لیا جاتا ہے۔ میں نہیں جانتی، تمہاری تحریر میں کتنا کرنٹ ہے۔''

حامد نے استہزائیہ انداز میں کہا۔ ''کرنٹ!'' پھر کندھے اچکاتے ہوئے بولا۔ ''جن جن ایڈیٹر حضرات نے میری تحریر دیکھی ہے ان کا کہنا ہے میری تحریر میں بہت پوٹینشل ہے مگر ان میں سے کوئی اپنے اخبار میں مجھے چھاپنے کو تیار نہیں۔ خدا بھلا کرے رؤف مدنی صاحب کا۔ انہوں نے...... یقیناً مجھ پر ترس کھا کر اپنے اخبار میں پروف ریڈر کی نوکری دے دی تھی۔ وہ تو میں خود ہی اس بور ملازمت پر لات مار کر چلا آیا ہوں۔ بس! میں اپنے مزاج سے مجبور ہوں۔''

''تمہاری تحریریں شائع نہ کرنے کی کوئی تو وجہ رہی ہوگی۔''

''مختلف ایڈیٹرز نے مختلف اعتراضات کیے ہیں۔''

حامد نے بتایا۔ ''لیکن میں سب سے زیادہ معقول رائے رؤف مدنی صاحب کی مانتا ہوں۔ ان کا کہنا ہے، میری تحریر میں، زہر میں بجھے ہوئے خنجر ایسی کاٹ ہے جسے من وعن شائع کرنا گویا کسی سوئے ہوئے آتش فشاں کو چھیڑنے کے مترادف ہے۔ میں یہ رسک نہیں لے سکتا اور میں...... اپنی تحریر میں کمی بیشی پر تیار نہیں۔ مجھے اس بات پر فخر ہے کہ میں سچ لکھتا ہوں اور میڈم! یہ بات تو آپ بھی مانیں گی کہ سچ بہت کڑوا ہوتا ہے۔ جھوٹا آدمی اسے برداشت نہیں کر سکتا، فوراً اگل دیتا ہے۔ پتا نہیں، ہمارے معاشرے میں کب اتنا حوصلہ پیدا ہوگا کہ وہ سچائی کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دیکھ سکے۔''

''میں تمہاری باتوں سے اتفاق کرتی ہوں۔'' لطیفہ نے ڈرائیونگ سائیڈ کا دروازہ کھولتے ہوئے کہا۔ ''اس لیے تم بھی مجھ سے اتفاق کرو۔''

حامد نے الجھن زدہ نظر سے اسے دیکھا۔ ''کس بات پر اتفاق؟''

''تم ایک دلچسپ اور کھرے انسان ہو۔'' لطیفہ نے کہا۔ ''میں تمہارے ساتھ تھوڑی دیر بات کرنا چاہتی ہوں لیکن یہاں کھڑے کھڑے گفتگو کرنا کچھ مناسب نہیں لگتا۔ چلو، کسی ریسٹورنٹ میں چل کر بیٹھتے ہیں۔ تمہیں میری اس بات سے اتفاق کرنا ہوگا۔ اب تو سمجھ گئے ہوگے۔''

بات حامد کی سمجھ میں آ گئی لیکن اسے لطیفہ کی پیشکش پر تھوڑا تعجب ضرور ہوا۔ ایک خوب صورت اور صاحب ثروت عورت اس سے چند باتیں کرنا چاہتی تھی۔ اس نے خود سے سوال کیا، کیا میں اتنا ہی اہم ہو گیا ہوں؟ میرے جن خیالات کے باعث لوگ مجھ سے کٹتے ہیں، انہیں سننے کیلئے لطیفہ جیسی حسین وجمیل عورت مجھے کسی ریسٹورنٹ میں لے جانا چاہتی ہے۔ یہ کیسی کایا پلٹ ہے؟ اس خاموش خود کلامی کے جواب میں حامد کے اندر کچھ اس قسم کے خیالات پیدا ہوئے۔ اس دنیا میں کچھ بھی ناممکن نہیں۔ ہو سکتا ہے، قدرت مجھے اس عورت کے توسط سے کوئی موقع دینا چاہتی ہو۔ مجھے اس

کی بات مان لینا چاہیے۔ اس کے ساتھ کسی ریسٹورنٹ میں جانے میں کوئی حرج نہیں۔

ان خیالات میں اس کے چور جذبات نے بھی جگہ بنا لی۔ حامد، لطیفہ کو پہلی نظر دیکھ کر ہی خاصا بے خود ہو گیا تھا۔ وہ اسے اچھی لگی تھی۔ اس کے من کو بھائی تھی۔ وہ بے اختیار اسے دیکھنے پر مجبور ہو گیا تھا۔

حامد اندر سے کھرا انسان تھا۔ وہ سچ کا پیروکار تھا پھر خود سے جھوٹ کیسے بولتا؟ اپنے احساسات اور جذبات کی زبان کو وہ کس طرح کوئی اور معنی پہنا دیتا۔ اس نے تسلیم کر لیا کہ وہ لطیفہ کو پسند کرنے لگا تھا۔ اپنی پسندیدہ شخصیت کے ساتھ وقت گزارنا کسے اچھا نہیں لگتا۔ حامد نے اپنے دلی جذبات کی راست ترجمانی کرتے ہوئے کہا۔

"دیکھیں میڈیم! میں آپ کے ساتھ کہیں بھی جا کر بیٹھنے کو تیار ہوں لیکن صرف پانچ منٹ بعد۔"

"پانچ منٹ بعد کیوں؟" لطیفہ نے استفسار کیا۔

"دراصل میں اپنے گھر سے ہو کر آنا چاہتا ہوں۔" حامد نے کہا۔ "میں یہاں قریب ہی رہتا ہوں۔"

یہ بات حامد نے محض اس لیے کہی تھی کہ وہ گھر سے اپنی چند تحریریں لے کر آنا چاہتا تھا۔ لطیفہ کے ذریعۓ قدرت کی مدد ءالی بات اس کے ذہن میں نقش ہو گئی تھی۔ وہ لطیفہ کو اپنی تحریر کھانا چاہتا تھا۔ وہ اگر اس کی باتوں اور خیالات میں دلچسپی لے رہی تھی تو اس بات کے امکان پیدا ہو سکتے تھے، وہ اس کیلئے مفید اور معاون ثابت ہو۔

حامد کی بات سننے کے بعد لطیفہ نے اپنے ساتھی ناظمی کی طرف دیکھا اور پوچھا۔ "تمہارا کیا پروگرام ہے؟"

"میرے پروگرام میں کوئی تبدیلی نہیں میڈم۔" وہ سعادت مندی سے بولا۔ "میں یہاں سے سیدھا گھر جاؤں گا۔"

لطیفہ نے کہا۔ "پھر تم کوئی ٹیکسی پکڑ لو۔ محمود آباد یہاں سے زیادہ دور نہیں۔ میں تو حامد کے ساتھ کچھ بات چیت کروں گی۔ ایسے سچے اور کھرے انسان روز روز نہیں ملتے۔"

"اچھی بات ہے میڈم۔" ناظمی نے تائیدی انداز میں کہا۔ پھر لطیفہ کے ہاتھ میں دبی فائل کی جانب اشارہ کرتے ہوئے بولا۔ "اس کو حفاظت سے گھر لے جائیے گا۔"

لطیفہ نے کہا۔ "تم اس فائل کی فکر نہ کرو۔ بہر حال میں تمہارے مشورے کا خیال رکھوں گی۔"

پندرہ منٹ کے بعد حامد لطیفہ کے ساتھ ایک خواب ناک ماحول والے ریسٹورنٹ میں بیٹھا

تھا۔ راستے میں لطیفہ یہ جان چکی تھی کہ حامد کی رہائش کہاں ہے اور وہ کن حالات میں زندگی بسر کر رہا ہے۔ حامد نے اس سے کچھ بھی چھپانے کی کوشش نہیں کی جواباً لطیفہ نے اسے اپنے بارے میں بھی مختصراً بتایا۔

لطیفہ ایک معروف سیاسی خاندان سے تعلق رکھتی تھی اور آئندہ الیکشن میں وہ بھرپور حصہ لینے والی تھی اس کا شاندار بنگلا پی ای سی ایچ ایس میں واقع تھا۔

خورد و نوش کا ہلکا پھلکا آرڈر دینے کے بعد لطیفہ نے حامد سے وہ فائل لے لیا جس میں اس کی غیر مطبوعہ تحریریں محفوظ تھیں۔ وہ دس منٹ تک حامد کی فائل کا مطالعہ کرتی رہی پھر فائل کو میز پر رکھنے کے بعد بولی۔

"حامد، تمہاری تحریر بہت خطرناک ہے۔ کوئی بھی اخبار اسے من و عن شائع نہیں کر سکتا سوائے ایک کے۔"

"کیا مطلب!" حامد نے حیرت بھری نظر سے اسے دیکھا۔ "وہ اخبار کون سا ہے جو میری تحاریر شائع کر سکتا ہے؟"

لطیفہ نے پرخیال انداز میں کہا۔ "وہ اخبار ابھی منظر عام پر نہیں آیا۔"

"آپ بہت الجھی ہوئی باتیں کر رہی ہیں۔"

"حامد!" لطیفہ بے حد سنجیدگی سے بولی۔ "میں نے جس اخبار کا ذکر کیا ہے وہ میرے پلیٹ فارم سے نکلے گا۔ تم دعا کرو اور مجھ سے تعاون بھی کرو کہ میں آئندہ الیکشن میں کامیاب ہو جاؤں۔ اس کے بعد میں ایک صاف ستھرا اور سچا کھرا اخبار نکالنے کا ارادہ رکھتی ہوں۔ تم صرف میرے اخبار میں چل سکو گے۔"

حامد نے دل کی گہرائی سے کہا۔ "اللہ کرے ایسا کوئی اخبار مارکیٹ میں آئے جو حق سچ کی ترجمانی کرنے کا حوصلہ رکھتا ہو۔ آپ کے عزائم کو دیکھتے ہوئے میں آپ سے وعدہ کرتا ہوں، آپ کی کامیابی کیلئے خلوص دل سے دعا کروں گا لیکن ایک بات میری سمجھ میں نہیں آئی۔"

"کون سی بات؟" لطیفہ نے استفسار کیا۔

اس وقت ویٹر نے ٹیبل پر "آرڈر" چننا شروع کر دیا۔ ویٹر کے جانے کے بعد لطیفہ کے استفسار کا جواب دیتے ہوئے حامد نے کہا۔

"میں سمجھ نہیں پایا ہوں کہ آپ مجھ سے کس قسم کا تعاون چاہتی ہیں۔"

"اوہ!" لطیفہ نے اسے گہری نظر سے دیکھا اور بولی۔ "دیکھو مسٹر حامد! میں تم سے دو قسم کا تعاون چاہتی ہوں۔ ایک ابتدائی اور دوسرا انتہائی۔"

"یہ تو اور بھی الجھی ہوئی صورتحال ہے۔"

"میں وضاحت کرتی ہوں۔" وہ کھانے کے برتنوں کے ساتھ مصروف ہوتے ہوئے بولی۔
"کچھ ہی عرصے بعد الیکشن ہونے والے ہیں۔ مجھے لوگوں کے مجمع جات سے گاہے بہ گاہے خطاب کرنا ہوگا۔ اپنی کامیابی کو یقینی بنانے کیلئے بڑی محنت کرنا پڑتی ہے۔ ووٹرز کے دل و دماغ کو تسخیر کرنا پڑتا ہے۔ اپنے الفاظ میں انہیں متاثر کرنا ہوتا ہے۔ ایسی پرتاثیر تقریریں کرنا ہوتی ہیں جو عوام کے دل میں اتر جائیں۔ ابتدائی تعاون کے طور پر تم میرے لیے تقریریں لکھو گے۔ میں تمہاری رہنمائی کروں گی کہ تمہیں کن موضوعات پر لکھنا ہے۔ تم اپنے کاٹ دار قلم سے شعلہ نوا تقریر لکھو گے۔ میں اپنے زور خطابت کو آزماؤں گی۔ یقین جانو تمہاری تحریر اور میری تقریر ہر طرف آگ لگا دیں گی۔"

"یعنی لکھوں گا میں اور نشر آپ کے حوالے سے ہوگا۔" حامد نے شکایتی نظر سے اسے دیکھا۔

وہ جلدی سے بولی۔ "تم مجھے غلط مت سمجھو۔ یہ ہم دونوں کی وقتی مجبوری ہے۔ مجھے تمہاری تحریر کی ضرورت ہے اور تم اپنے خیالات عوام تک پہنچانا چاہتے ہو۔ اس پلیٹ فارم سے ہم دونوں کے مقاصد حل ہو جائیں گے۔ اصل مرحلہ تو انتہائی تعاون والا ہے۔"

حامد بڑی توجہ سے اس کی باتیں سن رہا تھا۔ اس نے کہا۔ "انتہائی تعاون کی بھی وضاحت کر دیں۔"

"میں اسی طرف آ رہی ہوں۔" لطیفہ نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔ "الیکشن میں کامیابی کے بعد میرا اخبار نکالنے کا ارادہ ہے' یہ بات میں تمہیں بتا چکی ہوں اس اخبار کو کامیابی سے چلانے کیلئے مجھے تم سے زیادہ مخلص اور دیانت دار شخص کوئی اور نہیں ملے گا۔ تم ایک اخبار میں کام کر چکے ہو اور بڑی حد تک ان معاملات کو سمجھتے ہو۔ میرے اخبار میں تم ایک مشیر کی حیثیت سے میری مدد کر سکتے ہو۔ تمہیں سچائی کے پرچار کیلئے ایک مضبوط پلیٹ فارم مل جائے گا۔ اور مجھے ایک کھرا مددگار۔ بولو' کیا ارادہ ہے؟"

حامد نے اب تک جتنے دھکے کھائے تھے اس کے نتیجے میں وہ ایک بات تو اچھی طرح سمجھ گیا تھا کہ تھوڑی بہت قربانی دیئے بغیر کوئی بڑا مقصد حاصل نہیں کیا جا سکتا۔ رؤف مدنی سمیت دیگر ایڈیٹر حضرات نے اس سے جس قسم کی تعاون نما قربانی مانگی تھی وہ اس کے بس کی بات نہیں تھی۔ وہ شائع ہونے کیلئے اپنے خیالات اور نظریات میں لچک پیدا نہیں کر سکتا تھا مگر لطیفہ کی تجویز قابل غور نظر آ رہی تھی۔ وہ اس کی چند تحاریر کی طلب گار تھی تاکہ عوام کے دل و دماغ کو متاثر کر کے کامیابی حاصل کر سکے۔ اس میں حامد کو زیادہ قباحت نظر نہ آئی۔ اس نے غور کیا تو اس ایثار کے دوررس نتائج نظر آئے۔ اگر اسے کسی کھرے اور سچے اخبار میں من مانی کرنے کا موقع مل جاتا تو اس سے بڑی خوشی کی کوئی اور بات نہیں ہو سکتی تھی۔

"ڈن!" اس نے سنجیدہ اور فیصلہ کن لہجے میں کہا۔ "آپ نے جو کچھ کہا ہے اگر بالکل ویسا ہی ہے تو میں آپ کے ساتھ کام کرنے کو تیار ہوں۔"

لطیفہ زیر لب مسکراتے ہوئے بولی۔ "بالکل ویسا ہی ہے مسٹر حامد۔" پھر اس نے پوچھا۔
"رؤف مدنی کے اخبار میں پروف ریڈنگ کا تمہیں کیا ملتا تھا؟"
"پانچ سو روپے ماہانہ۔" حامد نے بتایا۔
"میں تمہیں فی الحال ایک ہزار روپے ماہانہ دوں گی۔"
لطیفہ نے کہا۔ "اس کے ساتھ کھانا اور رہائش فری ہوگی۔ میں چاہوں گی کہ تم چھت والا کرائے کا پینٹ ہاؤس چھوڑ کر میرے بنگلے پر ہی آ جاؤ۔ میں رہائش کیلئے تمہیں ایک صاف ستھرا کوارٹر دے دوں گی۔"

حامد کیلئے یہ ایک ہینڈسم آفر تھی۔ آج سے پچیس تیس سال پہلے ایک ہزار روپے کی اچھی خاصی اہمیت ہوتی تھی جبکہ اس تنخواہ کے ساتھ رہائش اور کھانا فری مل رہا تھا اور سب سے اہم بات یہ تھی کہ لطیفہ کے ساتھ کام کر کے وہ اپنی جذباتی و احساساتی منازل بآسانی طے کر سکتا تھا۔ اس نے میڈم لطیفہ کی پیشکش پر صاد کیا اور اپنی دلی تسلی کی خاطر سوال کیا۔
"اگر آپ برا نہ مانیں تو میں آپ سے ایک بات پوچھنا چاہتا ہوں؟"
"ہاں' پوچھو۔" وہ توجہ سے حامد کو دیکھنے لگی۔

حامد نے پوچھا۔ "تقریریں لکھ کر دینے کیلئے آپ کو ہزاروں افراد مل جائیں گے پھر آپ نے میرا انتخاب ہی کیوں کیا؟ اگر کوئی قباحت نہ سمجھیں تو اس مہربانی کا سبب بتا دیں۔"
"کوئی قباحت نہیں۔" لطیفہ نے نفی میں گردن ہلاتے ہوئے کہا۔ "تمہارے انتخاب کے دو اسباب ہیں اور دونوں ہی اپنی اپنی جگہ اہمیت کے حامل بھی۔"
اتنا کہہ کر وہ رکی۔ حامد خاموش مگر سوالیہ نظر سے اسے تکنے لگا۔

لطیفہ نے کہا۔ "پہلا سبب تو یہ ہے کہ تمہاری تحریر بالکل منفرد ہے۔ ہزاروں لکھنے والوں میں تم جداگانہ حیثیت کے حامل ہو۔" وہ چند لمحات تک متوقف رہنے کے بعد اپنی بات پوری کرتے ہوئے بولی۔ "دوسرا سبب تمہارا آج کا کارنامہ ہے۔ تم نے چور سے شاپنگ بیگ چھین کر مجھ پر بہت احسان کیا ہے۔ اس بیگ میں پائی جانے والی فائل نہایت ہی قیمتی اور اہم ہے۔ میں تمہاری اس نیکی کو فراموش نہیں کر سکتی۔"

حامد اس فائل کے حوالے سے متجسس تو تھا ہی تھوڑی دیر قبل ناظمی نے بھی لطیفہ کو اس فائل کی حفاظت کا مشورہ دیا تھا اور اب لطیفہ بذات خود اس فائل کا ذکر خیر لے بیٹھی تھی۔ اس سیاق و سباق کی روشنی میں وہ میڈم لطیفہ سے پوچھے بنا نہ رہ سکا۔

"اس فائل میں ایسا کون سا راز رقم ہے؟"

"ایسا ویسا راز۔" لطیفہ نے میز پر رکھی فائل کو تھپتھپایا۔ اس مرتبہ اس نے مذکورہ فائل کو گاڑی میں چھوڑنے کا رسک نہیں لیا تھا اور ریسٹورنٹ میں داخل ہوتے وقت وہ اسے اپنے ساتھ لے آئی تھی۔ وہ حامد کو بتانے لگی۔ "اس فائل میں میرے سب سے طاقتور حریف امیدوار کے معاشرتی راز ہیں۔ نجم فاروق کو شکست دینے کیلئے میں دو رخ سے وار کروں گی۔ الیکشن تو میں کامیابی سے لڑوں گی ہی' اس فائل کے حقائق عوام اور خواص کے سامنے لا کر میں ہمیشہ ہمیشہ کیلئے اس کا سیاسی کیریئر بھی تباہ کر دوں گی۔ تم تصور بھی نہیں کر سکتے۔ نجم فاروق کتنے گھناؤنے کردار کا نام ہے۔"

حامد نے لطیفہ کے خیالات اور عزائم سے خاصی تقویت محسوس کی' شاید اس لیے بھی کہ وہ بھی معاشرتی ناسوروں کی نقاب کشائی اور بربادی کا خواہاں تھا۔ اس نے اپنے سامنے بیٹھی حسین عورت سے پوچھا۔

"یہ قیمتی راز آپ کے ہاتھ کیسے لگ گئے؟"

"میں نے بڑی محنت سے انہیں جمع کیا ہے۔" لطیفہ نے ایک گہری سانس لیتے ہوئے کہا۔

"ان کے حصول کیلئے میں نے بہت سا قیمتی وقت اور کثیر رقم صرف کی ہے۔ اب وہ دن دور نہیں جب میں اپنے شوہر کا بھرپور انتقام لے سکوں گی۔"

"شوہر کا انتقام؟" حامد نے الجھن زدہ نظر سے لطیفہ کو دیکھا۔

اس نے گمبھیر آواز میں بتایا۔ "میرا سیاسی حریف نجم فاروق میرے شوہر نعمت الٰہی کا قاتل ہے۔ نعمت الٰہی سیاست میں ایک بڑا نام تھا لیکن نجم جیسے بدکردار شخص نے اپنی سازش کے ذریعے میرے شوہر کو قتل کروا دیا۔ نعمت الٰہی کے قاتلوں کو تو قانون آج تک گرفت میں نہیں لے سکا مگر میں مجرموں کے باوا آدم نجم فاروق سے بھیانک انتقام لوں گی۔ میں سیاست میں صرف اسی وجہ سے آئی ہوں کہ نعمت الٰہی کی روح کے سامنے مجھے شرمندہ نہ ہونا پڑے۔ قتل و غارت گری میرے مزاج کا حصہ نہیں۔ میں نجم فاروق اور اس جیسے دیگر سیاست دانوں کا اپنی حکمت عملی سے دھڑن تختہ کروں گی۔ انشاء اللہ۔"

بات ختم کر کے لطیفہ نے ایک گہری اور آسودہ سانس لی۔ وہ ہو بہو حامد کے عزائم کی ترجمانی کر رہی تھی۔ وہ بھی اس معاشرے کو ہر قسم کے گند سے صاف شفاف دیکھنا چاہتا تھا البتہ ایک بات پر اسے حیرت ضرور ہوئی۔ وہ لطیفہ کو شادی شدہ نہیں سمجھ رہا تھا۔ اس کی یہ حیرت بے اختیار اس کی زبان سے پھسل گئی۔

"میڈم! آپ دیکھنے میں تو شادی شدہ نہیں لگتیں۔"

"میں کبھی شادی شدہ تھی اب تو بیوہ ہوں۔" لطیفہ نے گہری نظر سے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔

"بہرحال تمہاری بے یقینی کی کیا وجہ ہے۔ میں تمہیں شادی شدہ کیوں دکھائی نہیں دی؟"

حامد کی سمجھ میں کچھ نہ آیا تو اس نے کہہ دیا۔ "آپ کی عمر زیادہ نہیں لگتی۔"

"تمہارے خیال میں میری عمر اس وقت کیا ہوگی؟"

"یہی کوئی چھبیس ستائیس سال۔"

لطیفہ دھیرے سے مسکرائی اور بولی۔ "جو لوگ مجھے ذاتی طور پر نہیں جانتے وہ اکثر دھوکہ کھا جاتے ہیں' مجھے کم عمر سمجھتے ہیں حالانکہ میں اس وقت ادھیڑ عمری میں ہوں۔ تمہاری اطلاع کیلئے بتا دوں کہ اس وقت میں پورے پینتالیس سال کی ہوں۔"

"میرے لیے یہ حیرت انگیز ہے۔" حامد نے آنکھیں جھپکائیں۔ "دو طرح سے حیرت انگیز۔"

"تم کہنا کیا چاہتے ہو؟" لطیفہ نے سنجیدگی سے پوچھا۔ "دو طرح سے تمہاری کیا مراد ہے؟"

حامد نے کہا۔ "پہلی بات تو یہ ہے کہ آپ کی صحت' فزیک اور خال و خط سے آپ کی عمر ظاہر نہیں ہوتی اور دوسری نہایت ہی حیرت انگیز اہم بات یہ ہے کہ آپ بڑے حوصلے سے مجھے اپنی اصل عمر بتا رہی ہیں ورنہ عام طور پر سننے اور دیکھنے میں یہی آیا ہے کہ عورتیں اپنی عمر گھٹا کر بتاتی ہیں۔"

"میں منافقت اور جھوٹ سے نفرت کرتی ہوں۔" لطیفہ نے صاف گوئی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا۔ "شاید یہی وجہ ہے کہ میں تمہیں اتنا وقت دے رہی ہوں۔ تمہیں میں نے اپنا ہم خیال محسوس کیا ہے۔"

"اللہ کرے' آپ سیاست میں کامیاب رہیں۔" حامد نے دعائیہ انداز میں کہا۔ "ورنہ اس میدان میں کامیابی کی کنجی اور فتح کا گر جن باتوں کو سمجھا جاتا ہے ان میں منافقت' جھوٹ' ریاکاری اور ظلم و زیادتی کو اولیت حاصل ہے۔"

"میں صاف ستھری سیاست کی مثال قائم کر کے دکھا دوں گی۔" وہ پرعزم لہجے میں بولی۔

"اللہ ان نیک خیالات کے ساتھ آپ کی عمر طویل کرے۔" حامد نے خلوص دل سے کہا۔

"حالانکہ آپ ستر اسی کی ہو کر بھی تیس سے زیادہ کی دکھائی نہیں دیں گی۔ عمر چور ہونے کے بڑے فائدے ہیں۔"

حامد کے اس ہلکے سے مزاح کو لطیفہ نے خندہ پیشانی سے لیا اور مسکراتے ہوئے بولی۔

"اخلاص چور ہونے سے عمر چور ہونا زیادہ بہتر ہے۔"

حامد نے چونک کر اس کی طرف دیکھا اور بولا۔ "چور کے تذکرے سے میرا دھیان فائل چور کی طرف جا رہا ہے۔ میڈم کہیں وہ پستہ قامت شخص آپ کے دشمن کا بھیجا ہوا بندہ تو نہیں تھا۔"

"تم یہ کہنا چاہتے ہو کہ نجم فاروق نے یہ فائل چوری کروانے کی کوشش کی ہو گی؟"

"میں نے ایک امکانی بات کی ہے۔" حامد نے کہا۔ "آپ نے بتایا ہے اس فائل میں جو دستاویزی بارود بھری ہے وہ نجم فاروق کا سیاسی کیریئر ایک دھماکے سے اڑا کر رکھ دے گی۔"

"تم نے کچھ غلط نہیں کہا۔" وہ گمبھیر لہجے میں بولی۔ "پہلے میں نے بھی ایک لمحے کیلئے تمہارے انداز میں سوچا تھا مگر ایسا ممکن نہیں۔" وہ ذرا توقف دینے کے بعد دوبارہ گویا ہوئی "اول تو نجم فاروق کو یہ بات معلوم نہیں کہ میں اس کیخلاف کیسا خطرناک مواد جمع کر چکی ہوں۔ یہ بات صرف دو افراد جانتے ہیں بلکہ تمہارا شمار تیسرے فرد کی حیثیت سے کیا جا سکتا ہے۔ دوسری بات یہ کہ اگر وہ چور واقعی نجم فاروق کا بندہ ہوتا تو پھر شاپنگ بیگ کو خاطر میں نہ لاتا' صرف فائل کو اٹھا کر بھاگ جاتا۔ میرے خیال میں وہ کوئی عام سا شاپنگ لفٹر تھا۔ طارق روڈ پر ایسی ہی دوسری شاپنگ مارکیٹس میں لفنگے چور گردش میں رہتے ہیں اور عموماً گاڑیوں میں رکھے ہوئے سامان کو اٹھالے جاتے ہیں۔ یہ کوئی خاص بات نہیں۔ بہرحال۔" وہ چند لمحے سانس لینے کیلئے رکی پھر پوچھا۔ "تم مجھے اس چور کا حلیہ وغیرہ بتاؤ۔ میں اسے اپنے ذہن میں نقش کرلوں گی۔ احتیاط علاج سے بہتر ہے۔"

حامد نے لطیفہ کی فرمائش پر اس پستہ قامت چور کا تفصیلی حلیہ بشرہ بیان کر دیا۔ پھر اپنے تجسس کی تسکین کی خاطر پوچھا۔

"میڈم! اگر آپ حرج محسوس نہ کریں تو میں پوچھنا چاہوں گا' آپ کے علاوہ اس فائل کے راز سے اور کون واقف ہے...... میرے علاوہ۔"

لطیفہ نے بتایا۔ "صرف میں اور میرا مشیر یہ بات جانتے ہیں۔ اسد ناظمی میرے بھروسے کا آدمی ہے۔ وہ گزرے وقتوں میں نعمت الٰہی کی سیاسی سرگرمیوں میں بھی پیش پیش رہا ہے اور نعمت الٰہی کے قتل کے بعد اس فیلڈ میں وہ میری بھرپور مدد بھی کر رہا ہے۔"

"یہ اسد ناظمی وہی شخص ہے نا جو آپ کے ساتھ شاپنگ کرنے آیا تھا۔" حامد نے پوچھا۔

"اور اب کسی ٹیکسی میں بیٹھ کر اپنے گھر محمود آباد روانہ ہو چکا ہے۔"

"ہاں' میں اسی اسد ناظمی کی بات کر رہی ہوں۔"

پھر مزید دو گھنٹے تک ان دونوں کے درمیان اسی قسم کی سیاسی اور معاشرتی باتیں ہوتی رہیں۔ یہ ریسٹورانی ملاقات نتیجہ خیز ثابت ہوئی اور حامد' لطیفہ سے یہ وعدہ کر کے اٹھا کہ آئندہ روز وہ پینٹ ہاؤس کو خیرباد کہہ کر اس کے بنگلے کے کوارٹر میں منتقل ہو جائے گا۔ میڈم لطیفہ کا شاندار بنگلہ ہل پارک کے نزدیک پی ای سی ایچ سوسائٹی میں واقع تھا۔

حامد نے مجھے اس بنگلے پر گزارے ہوئے دو ماہ کی تفصیل بھی سنائی۔ لطیفہ نے رہائش کیلئے اس کو جو کوارٹر دیا وہ اگرچہ تھا تو سرونٹ کوارٹر ہی تاہم لطیفہ نے اسے صاف شفاف اور معقول فرنش کرا دیا تھا۔ بیڈ کے علاوہ وہاں کرسی میز بھی ڈلوا دی تا کہ حامد کو لکھنے پڑھنے کے کام میں کسی دشواری کا

سامنا نہ کرنا پڑے۔ وہ میڈم لطیفہ کیلئے دھواں دھار اور آتش بیاں تقریریں لکھنے کی مہم میں جت گیا اور دو ماہ بعد بالآخر لطیفہ ہی کی بلائی ہوئی پولیس نے اسے کوارٹر سے گرفتار کرلیا۔ اس پر میڈم کے ایک قیمتی طلائی جڑاؤ نیکلس کی چوری کا الزام تھا۔

حامد نے ان دو ماہ کے واقعات کی جو تفصیل مجھے سنائی میں نے دانستہ اس میں سے چند باتیں آپ سے چھپا لی ہیں۔ ان کا ذکر مناسب موقع پر عدالتی کارروائی کے دوران میں آئے گا۔ ایسا میں نے اس لیے کیا ہے کہ آپ کے جذبہ تجسس کو ہوا ملے اور عدالتی کارروائی کی ساعت آپ کا لطف دوبالا کر دے۔

حامد کو اس روز اپنے دفتر سے رخصت کرنے سے پہلے میں نے چند ضروری ہدایات دے دی تھیں۔ ان ہدایات کا تعلق مختلف قسم کی معلومات اکٹھا کرنے سے تھا۔ ضمانت پر رہا ہونے کے بعد وہ فارغ تھا اور یہ کام بہت سہولت سے کر سکتا تھا۔ اگر وہ سیاست داں نجم فاروق' میڈم لطیفہ' پستہ قامت چور اور چند دیگر افراد کے بارے میں میری مطلوبہ معلومات حاصل کرنے میں کامیاب ہو جاتا تو یہ اس کیلئے خوش قسمتی کی بات ہوتی۔

آئندہ پیشی میں ابھی کافی دن باقی تھے لہٰذا مجھے تسلی سے کیس فائل کے مطالعے کا موقع مل گیا۔ اس دوران میں رؤف مدنی بھی گاہے بہ گاہے مجھ سے رابطے میں رہا۔ حامد محمود نامی میرا موکل ان دنوں اسی کے پاس تھا اور اس کی ہر ممکنہ مدد بھی کر رہا تھا۔ بہرحال آئندہ چند روز میں حامد نے اچھی خاصی مفید اور کارآمد معلومات جمع کر لیں۔ وہ خاصا فعال ثابت ہوا تھا۔

☆......☆......☆

ابتدائی چند پیشیوں پر کوئی قابل ذکر کارروائی نہ ہوئی۔ ضابطے کی تکنیکی کارروائیوں کو بیان کر کے میں آپ کو بور کرنا چاہتا ہوں اور نہ ہی ناول کے قیمتی صفحات کو ضائع۔ لگ بھگ ایک ماہ بعد کیس کی باقاعدہ ساعت کا آغاز ہوا۔ مجسٹریٹ نے میرے موکل پر عائد الزامات کی وضاحت کی۔ ملزم حامد محمود نے صحت جرم سے انکار کر دیا۔ اس کے بعد مجسٹریٹ کی اجازت سے استغاثہ کے گواہوں کا سلسلہ شروع ہوا۔ میں یہاں پر صرف اہم گواہوں کے بیانات اور ان پر ہونے والی جرح کا احوال بیان کروں گا۔

سب سے پہلے اس مقدمے کا انکوائری افسر گواہی کیلئے حاضر ہوا۔ آئی او ایک سب انسپکٹر تھا۔ اس نے مختصر الفاظ میں اپنا بیان ریکارڈ کروایا۔ پھر وکیل استغاثہ جرح کیلئے آگے بڑھا۔ یہ جرح برائے نام اور خانہ پری کے انداز کی تھی۔ چند سوالات کے بعد جب وکیل استغاثہ نے جرح ختم کی تو میں آگے بڑھا۔

"آئی او صاحب!" میں نے وکیل صفائی کی حیثیت سے تفتیشی افسر کو مخاطب کرتے ہوئے

کہا۔ ''آپ کو یہ اطلاع کب اور کس تاریخ کو دی گئی کہ کوئی قیمتی نیکلس چوری ہو گیا ہے؟''

اس نے کھنکار کر گلا صاف کیا اور جواب دیا۔ ''تھانے کے روزنامچے کے مطابق یہ اطلاع اکتیس تاریخ کو صبح آٹھ بجے دی گئی تھی۔''

''کس ماہ کی اکتیس تاریخ!'' میں نے زور دیتے ہوئے پوچھا۔ ''عیسوی کیلنڈر میں تو سات مہینے اکتیس کے ہوتے ہیں؟''

''میرا مطلب ہے، جنوری کی اکتیس تاریخ، صبح آٹھ بجے ہمیں اطلاع دی گئی تھی۔'' وہ وضاحت کرتے ہوئے بولا۔

میں نے اگلا سوال کیا۔ ''انکوائری افسر صاحب! چوری کی اطلاع کس طرح دی گئی تھی؟''

''بذریعہ فون۔'' اس نے بتایا۔ ''ہمیں تھانے میں اس چوری کے بارے میں فون کال موصول ہوئی تھی۔''

''اطلاع دینے والا کون تھا؟''

''فون کرنے والے نے اپنا نام اسد ناظمی بتایا تھا۔''

''آپ جائے وقوعہ پر کب پہنچے تھے؟''

''تقریباً پونے دس بجے۔''

''آپ کی آمد میں اتنی تاخیر کیوں جبکہ اس واردات کی اطلاع تو آپ کو پونے دو گھنٹے پہلے مل گئی تھی؟''

وہ جزبز ہوتے ہوئے بولا۔ ''دراصل چوری ایک معمولی نوعیت کا جرم ہے اس لیے ہم نے فوری بھاگ دوڑ کی کوشش نہیں کی۔''

''آپ کس قسم کے جرائم کے سلسلے میں فوری بھاگ دوڑ کرتے ہیں؟'' میں نے طنزیہ لہجے میں پوچھا۔

وہ میرے طنز کو سمجھ نہ سکا اور عام سے لہجے میں بولا۔ ''قتل وغیرہ کی اطلاع پر ہم ایک لمحے کی تاخیر نہیں کرتے پھر نیکلس کی چوری کا معاملہ قدرے مختلف بھی تھا اس لیے ہم آرام سے جائے وقوعہ پر پہنچے تھے۔''

''یہ معاملہ قدرے مختلف کیوں تھا؟'' میں نے اسے تیز نظر سے گھورا۔

اس نے بتایا۔ ''اطلاع دینے والے اسد ناظمی نامی شخص نے بتایا تھا کہ مذکورہ چور بنگلے کے ملازمین ہی میں سے ہے اور اس وقت جائے وقوعہ پر موجود ہے۔ چور کے فرار کا امکان نہیں تھا اس لیے بھی ہمیں وہاں پہنچنے کی جلدی نہیں ہوئی۔''

میں نے جرح کے سلسلے کو آگے بڑھاتے ہوئے کہا۔ ''آپ نے میرے موکل کو میڈم لطیفہ

کے بنگلے سے کتنے بجے گرفتار کیا تھا؟''

''دس بجے ٹھیک۔'' اس نے جواب دیا۔

''آپ تو جائے وقوعہ پر پونے دس بجے پہنچ گئے تھے پھر پندرہ منٹ کی تاخیر کس سلسلے میں ہوئی؟'' میں نے قدرے سخت لہجے میں دریافت کیا۔

وہ جواباً بولا۔ ''یہ پندرہ منٹ میں نے میڈم لطیفہ اور اسد ناظمی کے ساتھ بات چیت میں گزارے تھے۔ انہوں نے مجھے طلائی نیکلس کی چوری کے بارے میں تفصیلاً بتایا۔ وہیں پر مجھے یہ بھی پتا چلا کہ ملزم اس وقت اپنے کوارٹر میں موجود ہے لہٰذا لطیفہ کے پاس سے اٹھ کر میں سیدھا ملزم کے کوارٹر پر پہنچا اور اسے حراست میں لے لیا۔''

''آپ اکیلے ملزم کے کوارٹر میں پہنچے تھے یا بنگلے والوں میں سے بھی کوئی آپ کے ساتھ وہاں گیا تھا؟''

''میڈم لطیفہ، اسد ناظمی اور دیگر ملازمین میں سے ایک دو بھی میرے ساتھ وہاں پہنچے تھے۔''

''آپ نے ملزم کو حراست میں لینے کے بعد پہلا کام کیا کیا تھا؟'' میں نے استفسار کیا۔

''میں نے فوری طور پر اس کی جامہ تلاشی لی تھی۔''

''کیا آپ نے اس جامہ تلاشی کے نتیجے میں مبینہ نیکلس برآمد کر لیا تھا؟'' میں نے پوچھا۔

اس نے نفی میں گردن ہلائی اور بولا۔ ''نہیں ملزم کے لباس میں وہ نیکلس نہیں مل سکا۔ اس کے بعد میں نے اس کے کوارٹر کی تفصیلی تلاشی بھی لی لیکن قیمتی نیکلس تک رسائی حاصل نہ ہو سکی۔''

''مجھے پتا چلا ہے ملزم اور اس کے کوارٹر کی تلاش میں ناکامی کے بعد آپ نے میڈم لطیفہ کے بنگلے کا کونا کونا جھانک ڈالا تھا۔'' میں نے کہا۔ ''لیکن اس تلاش کا نتیجہ صفر کے برابر برآمد ہوا؟''

وہ اثبات میں سر ہلاتے ہوئے بولا۔ ''آپ کو بالکل ٹھیک پتا چلا ہے۔ ہم نے بنگلے کی تفصیلی تلاشی بھی لی تھی، ہمیں شبہ تھا کہ ملزم نے اپنی پوزیشن صاف رکھنے کیلئے وہ نیکلس کسی اور جگہ چھپا دیا ہو گا۔''

میں نے انکوائری افسر کی آنکھوں میں جھانکا اور سوال کیا۔ ''اس تلاشی کے بعد تو آپ کا شبہ رفع ہو گیا ہو گا؟''

''شبہ رفع نہیں ہوا بلکہ اس کی شکل بدل گئی تھی۔'' اس نے مجسٹریٹ کی طرف دیکھنے کے بعد مجھے بتایا۔

میں نے کہا۔ ''کہیں آپ یہ تو نہیں کہنا چاہ رہے کہ شبہ رفع نہیں ہوا بلکہ دفع ہو گیا تھا۔ رفع دفع کے بارے میں تو آپ نے سن رکھا ہے نا۔''

میں نے یہ بات ازراہ مذاق کہی تھی۔ وہ سنجیدگی سے بولا۔ ''ایسی بات نہیں ہے جناب! شبہ

کی شکل بدلنے سے میری یہ مراد تھی کہ جب ہمیں بنگلے کے کسی بھی حصے میں سے وہ قیمتی طلائی نیکلس نہ مل سکا تو ہم یہ سوچنے پر مجبور ہو گئے کہ ملزم نے مسروقہ نیکلس کہیں ٹھکانے لگا دیا ہے۔ اس نے یا تو بنگلے کے باہر کسی جگہ نیکلس چھپایا ہے یا پھر اسے فروخت کر دیا ہے۔''

''آپ بڑی حیرت انگیز بات بتا رہے ہیں تفتیشی افسر صاحب۔'' میں نے حالات سے پوری طرح باخبر ہونے کے باوجود سادگی سے کہا۔ ''آٹھ بجے صبح آپ کو ایک قیمتی طلائی نیکلس کی چوری کی اطلاع ملتی ہے۔ دس بجے آپ جائے وقوعہ پر پہنچ کر ملزم کو حراست میں لے لیتے ہیں۔ جامہ اور خانہ تلاشی پر جب آپ مذکورہ نیکلس برآمد نہیں کر پائے تو یہ فتویٰ جاری کر دیتے ہیں کہ ملزم نے مسروقہ نیکلس بازار میں کہیں بیچ ڈالا ہوگا۔'' میں نے ایک لمحے کے توقف کے بعد اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔ ''آپ مجھے یہ بتائیں' کراچی کا ایسا کونسا صراف ہے جو آٹھ سے دس بجے کے درمیان دکان کھولے ملزم کا انتظار کر رہا تھا کہ وہ آئے اور مسروقہ نیکلس اس کے حوالے کر دے جبکہ میں ثابت کر سکتا ہوں' میرا موکل یہ تمام وقت بنگلے سے باہر نہیں گیا۔''

''فار یور کائنڈ انفارمیشن۔'' وکیل استغاثہ کی برداشت جواب دے گئی۔ وہ مداخلت کے بغیر نہ رہ سکا۔ ''میرے فاضل دوست! آپ کو بتا تا چلوں کہ چوری کی واردات اکتیس جنوری کو نہیں ہوئی بلکہ یہ واقعہ چند روز پہلے کا ہے۔ اکتیس جنوری کو گرفتاری عمل میں آئی ہے۔ چوری اور گرفتاری کے درمیان حائل یہ چند روز مال مسروقہ کو ٹھکانے لگانے کیلئے بہت کافی ہیں۔''

مجھے یہ بات اچھی طرح معلوم تھی' میڈم لطیفہ کے مطابق مذکورہ نیکلس اٹھائیس جنوری کو غائب ہوا تھا۔ میں نے تو وکیل استغاثہ کے چٹکی لینے کی غرض سے انکوائری افسر سے وہ سوال کیا تھا اور میں اپنے مقصد میں پوری طرح کامیاب بھی رہا۔ وہ اپنی خاموشی کو توڑ کر پھریری لینے پر مجبور ہو گیا تھا۔

میں نے وکیل استغاثہ کو ممنون نظر سے دیکھا اور کہا۔ ''تھینک یو فار دیز کائنڈ انفارمیشنز؟''

پھر میں تفتیشی افسر کی طرف متوجہ ہو گیا۔ ''آئی او صاحب! جس وقت آپ نے ملزم کو حراست میں لیا' اس کا ردعمل کیا تھا؟'' پھر میں نے اپنی بات کی وضاحت میں کہا۔ ''میرا مطلب ہے' اس نے کسی قسم کی مزاحمت پیش کی؟''

تفتیشی افسر نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔ ''اس نے اپنی گرفتاری پر حیرت کا اظہار کیا تھا جیسے اسے توقع نہ ہو کہ وہ پکڑا جائے گا۔''

''یہ حیرت کا اظہار اس لیے بھی تو ہو سکتا ہے کہ اسے ایک ایسے کام پر گرفتار کیا جا رہا تھا جو اس نے کیا ہی نہ ہو۔'' میں نے چبھتے ہوئے لہجے میں کہا۔ ''یہ ناممکن تو نہیں کہ آپ کو سمجھنے میں غلطی لگی ہو؟''

تفتیشی افسر پہلو بدل کر رہ گیا۔ تاہم منہ سے کچھ نہیں بولا۔

میں نے پوچھا۔ ''گرفتاری کے وقت میرے موکل نے اپنے کوارٹر سے فرار ہونے کی کوشش تو نہیں کی تھی؟''

''نہیں۔'' وہ قطعیت سے بولا۔

میں نے جرح ختم کر دی۔ اگلا گواہ میڈم لطیفہ تھی لیکن عدالت کا وقت ختم ہونے میں سات منٹ بچے تھے چنانچہ مجسٹریٹ نے ایک ہفتہ کی تاریخ دے کر عدالت برخاست کر دی۔

☆......☆......☆

منظر اسی عدالت کا تھا اور گواہوں والے کٹہرے میں میڈم لطیفہ بہ نفس نفیس موجود تھی۔ اس نے پنک ساری بڑے سلیقے سے باندھ رکھی تھی جو اس کی گوری رنگت پر بہت پھب رہی تھی۔ میں نے بھرپور نظر سے اس کے سراپا کا جائزہ لیا۔ وہ مجھے کہیں سے بھی پینتالیس کی دکھائی نہ دی۔ وہ تیس سے زیادہ کی نہیں لگتی تھی۔ اس نے سیاہ ریشمی زلفیں شانوں پر گرا رکھی تھیں۔ اس کے چہرے پر سنجیدگی اور آنکھوں میں اعتماد کی جھلک تھی۔

میڈم لطیفہ نے عدالت کے دستور کے مطابق حلف اٹھانے کے بعد سچ بولنے کا وعدہ کیا اور اپنا بیان ریکارڈ کروا دیا۔ وکیل استغاثہ نے اس سے چند سوالات کیے جن کے ذریعے اس نے میرے موکل حامد محمود کو ایک ماہر پیشہ ور چور ثابت کرنے کی کوشش کی۔ جب وکیل استغاثہ نے اپنی جرح موقوف کر دی تو سوالات کی گیند میری کورٹ میں آن گری۔

میں اپنی جگہ سے اٹھا اور لطیفہ والے کٹہرے کے پاس آ گیا۔ میں نے اپنی جرح کا آغاز ہلکے پھلکے انداز میں کیا۔ ''میڈم لطیفہ!'' میں نے گواہ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ ''آپ کی الیکشن کمپین کیسی چل رہی ہے؟''

''اللہ کا شکر ہے سب ٹھیک ٹھاک ہے۔'' وہ متانت سے بولی۔

میں نے پوچھا۔ ''آپ کے بنگلے واقع پی ای سی ایچ سوسائٹی میں کتنے افراد رہتے ہیں۔ مالکان اور ملازمین سمیت؟''

''مالک میں صرف اکیلی ہوں۔ باقی ملازمین ہیں۔''

''ان ملازمین کی تعداد اور کام بتائیں گی؟''

اس نے بتایا۔ ''چوکیدار باقر علی' باورچی اسلام حسین تو مستقل طور پر بنگلے پر ہی رہتے ہیں جبکہ مالی فخرو اور کل وقتی ملازمہ شمع اپنا کام ختم کر کے چلے جاتے ہیں۔ البتہ ملزم بھی گرفتاری سے پہلے مستقل طور پر میرے بنگلے ہی میں رہائش پذیر تھا۔''

''آپ کی اپنی فیملی کے دیگر افراد نہیں ہیں؟''

"جی نہیں۔" اس نے نفی میں گردن ہلائی۔ "چند سال پہلے میرے شوہر اور معروف سیاست کار نعمت الٰہی کو قتل کر دیا گیا تھا۔ چونکہ ہمارے یہاں اولاد کوئی نہیں تھی اس لیے میں اس وقت اپنی فیملی کی واحد ممبر ہوں۔"

میں نے اپنے لہجے میں ہمدردی سموتے ہوئے کہا۔ "مجھے آپ کے شوہر کے قتل کا افسوس ہے۔ مجھے پتا چلا ہے نعمت الٰہی کو آپ کے کسی دیرینہ دشمن نے ایک سازش کے تحت قتل کروایا تھا مگر قاتل ابھی تک قانون کی گرفت میں نہیں آسکا؟"

"آپ کی معلومات درست ہیں۔" وہ سنجیدگی سے بولی۔ "میں آپ کو مشورہ دوں گی کہ میرے شوہر کے قتل پر افسوس کرنے کے بجائے آپ اپنے قانون کا ماتم کریں جو آج تک نعمت اللہ کے قاتل کو سزا تو کیا دیتا' اسے تلاش تک نہیں کر سکا۔"

میں نے تیز لہجے میں پوچھا۔ "آپ نے اس سلسلے میں قانون کی مدد لینے کی کوشش کی تھی؟"

"ہاں' کی تھی لیکن اس کوشش میں مجھے ناکامی ہوئی۔" اس نے زہر خند لہجے میں کہا۔

میں نے فلسفیانہ انداز میں کہا۔ "میڈم! تالی دو ہاتھ سے بجتی ہے۔ ہم سب قانون کی مدد حاصل کرنا چاہتے ہیں لیکن قانون سے تعاون کرنے کو تیار نہیں ہوتے اس لیے اصل مسئلہ بیچ میں لٹک کر رہ جاتا ہے اور قانون خواہ مخواہ بدنامی سمیٹتا ہے۔ کیا میں غلط کہہ رہا ہوں؟"

"آبجیکشن یور آنر۔" وکیل استغاثہ نے مداخلت کرتے ہوئے کہا۔ "اس وقت عدالت میں میڈم کے قیمتی نیکلس کی چوری کا مقدمہ زیر سماعت ہے اور میرے فاضل دوست مدعی کے شوہر کے قتل کا قصہ لے بیٹھے ہیں جو کہ غیر متعلق اور غیر ضروری ہے۔"

میں نے مجسٹریٹ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "جناب عالی! مذکورہ قصہ غیر ضروری ہے اور نہ ہی غیر متعلق۔ میں آگے چل کر اپنی بات کو ثابت کر دوں گا لہٰذا وکیل استغاثہ کو کارروائی میں رکاوٹ ڈالنے سے باز رکھا جائے۔"

وکیل استغاثہ چیخ کر بولا۔ "آپ خواہ مخواہ عدالت کا قیمتی وقت برباد کرنا چاہتے ہیں۔"

میں نے مجسٹریٹ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ "جناب عالی! وکیل استغاثہ کا خیال بالکل غلط ہے کہ میں عدالت کا وقت ضائع کر رہا ہوں۔ البتہ اگر گواہ میرے سوال کا جواب نہیں دینا چاہتیں تو دوسری بات ہے۔"

لطیفہ جلدی سے بولی۔ "میں آپ کا سوال ہی نہیں سمجھ سکی جواب کیا دوں گی؟"

میں نے فخریہ انداز میں پہلے وکیل استغاثہ اور پھر مجسٹریٹ کو دیکھا۔ گواہ کی بات سے ظاہر ہوتا تھا اگر میں اپنا سوال سمجھا دوں تو وہ ضرور اس کا جواب دے گی۔ میں گواہ کی جانب متوجہ ہو گیا۔

"لطیفہ صاحبہ! میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ آپ نے اپنے شوہر کے قاتل کو کیفر کردار تک

پہنچانے کیلئے اگر قانون سے بھرپور تعاون کیا ہوتا تو شاید صورت حالات مختلف ہوتی جبکہ آپ کا دعویٰ ہے' آپ قاتل کو بخوبی جانتی ہیں۔ نہ صرف جانتی ہیں بلکہ اسے تباہ و برباد کرنے کا عزم بھی رکھتی ہیں۔"

میں نے نجم فاروق کا نام لیے بغیر یہ مسئلہ اٹھایا تھا اور آئندہ بھی عدالتی کارروائی کے دوران میں' میں اس شخص کیلئے "آپ کا دشمن" اور "آپ کے شوہر کا قاتل" جیسے الفاظ ہی استعمال کرتا۔ کیونکہ نجم فاروق کا معاملہ بہت نازک تھا' میں خواہ مخواہ کسی مصیبت میں نہیں پڑنا چاہتا تھا۔

میرے سوالات نے عدالت میں سنسنی سی پھیلا دی۔ لطیفہ پاؤں پٹختے ہوئے بولی۔ "میں نے کب یہ دعویٰ کیا ہے کہ میں نعمت الٰہی کے قاتل کو جانتی ہوں اور...... اور آپ سے کس نے یہ کہہ دیا کہ میں ایسے کسی شخص کو تباہ و برباد کرنے کی پلاننگ کر رہی ہوں۔" اس کی آواز میں لرزش نمایاں تھی۔ میں نے اس کی دکھتی ہوئی رگ کو چھیڑ دیا تھا۔ وہ بات ختم کر کے میرے موکل حامد محمود کو کینہ توز نظر سے دیکھنے لگی۔

میں نے اس کی نگاہ کا مطلب سمجھتے ہوئے کہا۔ "لطیفہ صاحبہ اگر ضرورت پڑی تو میں آپ کے سوالات کے جواب دوں گا اور انہیں ثابت بھی کر دکھاؤں گا۔ فی الحال آپ ہاں یا نہ میں جواب دیں۔"

"میں آپ کی ان فضول باتوں کا "نہ" میں جواب دیتی ہوں۔" وہ سٹپٹا کر بولی۔

میں اپنے مقصد میں کامیاب رہا تھا' وہ پُراعتمادی کا دامن ہاتھ سے چھوڑ کر غصے میں آ گئی تھی۔ میں نے جرح کے سلسلے کو آگے بڑھاتے ہوئے کہا۔ "کیا یہ غلط ہے کہ آپ نے اپنے دشمن کو تباہ کرنے کیلئے ایک نہایت ہی خطرناک فائل تیار کی ہے۔ وہی دشمن جو آپ کی دانست میں نعمت الٰہی کا قاتل بھی ہے؟"

"مجھے سخت اعتراض ہے جناب عالی!" وکیل استغاثہ فوراً گواہ کی مدد کو دوڑا۔ "وکیل صفائی سراسر زیادتی کر رہے ہیں۔ وہ معزز گواہ کی ذاتی زندگی کو زیر بحث لا کر اسے جذباتی ٹھیس پہنچانے کے مرتکب ہو رہے ہیں۔ گواہ کے شوہر نعمت الٰہی کب اور کیوں قتل ہوئے' انہیں کس نے قتل کیا ان معاملات کا مسروقہ نیکلس سے دور کا بھی واسطہ نہیں۔ میں لرنڈ کورٹ سے اپیل کروں گا کہ میرے فاضل دوست کو ایسی حرکات سے باز رکھا جائے۔"

مجسٹریٹ نے میری طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔ "بیگ صاحب! آپ کے حالیہ سوالات کا مسروقہ نیکلس سے کیا تعلق ہے؟"

"جناب عالی!" میں نے فلسفیانہ انداز میں کہا۔ "جس طرح خوبصورتی اور گردن کے درمیان کوئی نیکلس حائل ہوتا ہے' بالکل اسی طرح مسروقہ قیمتی طلائی جڑاؤ نیکلس اور ملزم کے

درمیان وہ خطرناک فائل حائل ہے جس کا میں نے ابھی تھوڑی دیر پہلے ذکر کیا ہے۔ اگر گردن سے نیکلس ہٹا دیا جائے تو اس کی خوبصورتی میں کمی واقع ہو جاتی ہے' بالکل اسی طرح اگر خطرناک فائل اور نعمت الٰہی کے قاتل کا ذکر ملزم اور مال مسروقہ کے درمیان سے ہٹا دیا جائے تو زیر سماعت مقدمہ پھیکا ہو جائے گا۔"

"آپ کی اس تشریح سے معاملہ اور الجھ گیا ہے۔" لطیفہ نے طنزیہ لہجے میں کہا۔ "میرے تو کچھ پلے نہیں پڑا۔"

وکیل استغاثہ نے مجسٹریٹ سے کہا۔ "سر! بیگ صاحب کو پیری میسن بننے کا بہت شوق ہے اس لیے یہ ہر کیس کو الجھانے کی کوشش میں لگے رہتے ہیں۔"

"پیری میسن ایک افسانوی کردار ہے۔" میں نے ترکی بہ ترکی کہا۔ "اور میں آپ کے سامنے جیتا جاگتا کھڑا ہوں۔ میں اس کیس کو الجھانے کی نہیں سلجھانے کی کوشش کر رہا ہوں۔"

مجسٹریٹ نے مجھے ہدایت کی۔ "بیگ صاحب! اگر مدعی کے شوہر کے معاملات کو ایک طرف رکھ کر عدالتی کارروائی کو آگے بڑھایا جائے تو زیادہ بہتر ہوگا۔ آپ اپنے موکل اور مسروقہ نیکلس تک محدود رہنے کی کوشش کریں۔"

"اوکے یور آنر۔" میں نے اپنے سر کو تعظیمی جنبش دی اور کہا۔ "اگر میرے موکل اور مسروقہ نیکلس کے ذیل میں خطرناک فائل کا تذکرہ ضروری ہوا تو میں اسے ضرور چھیڑوں گا ورنہ کسی بھی مرحلے پر میں نعمت الٰہی کو ٹچ نہیں کروں گا۔"

"آپ کو عدالت اس بات کی اجازت دیتی ہے۔" مجسٹریٹ نے سنجیدگی سے کہا۔

میں لطیفہ کی جانب متوجہ ہو گیا۔ "میڈم! ملزم آپ کے پاس کتنے عرصے سے کام کر رہا تھا؟"

"لگ بھگ دو ماہ تک وہ کام کرتا رہا۔" اس نے جواب دیا۔

"کیا یہ صحیح ہے کہ آپ نے اسے تقریریں لکھنے کیلئے ملازم رکھا تھا؟" میں نے کہا۔ "آپ آئندہ الیکشن میں بھرپور حصہ لینے کا ارادہ رکھتی ہیں؟"

"ہاں' یہ صحیح ہے۔" وہ سنجیدگی سے بولی۔ "مجھے ملزم کی اسی صلاحیت نے متاثر کیا تھا۔ بلاشبہ اس کے قلم میں بڑی کاٹ ہے۔ یہ شخص شعلہ فشاں تحریریں لکھنے کا ماہر ہے۔"

میں نے کہا۔ "مجھے پتا چلا ہے' آپ ملزم کی دو صلاحیتوں سے متاثر بلکہ مرعوب تھیں۔ ایک کا آپ نے اعتراف کر لیا' اگر اجازت ہو تو دوسری کا ذکر میں کر دیتا ہوں؟"

وہ تامل کرتے ہوئے بولی۔ "آپ کو مجھ سے اجازت لینے کی کیا ضرورت ہے۔ آپ نے ابھی تک جن باتوں کا ذکر کیا ہے' اس کیلئے تو مجھ سے نہیں پوچھا۔"

"لیکن یہ بات بہت اہم ہے اس لیے آپ سے پوچھ رہا ہوں۔"

"کہیں' آپ کیا کہنا چاہتے ہیں۔" وہ بے دلی سے بولی۔

وکیل استغاثہ نے لطیفہ کے اس جملے پر گھور کر اسے دیکھا' اس کی نگاہ میں سرزنش نما ہدایت پوشیدہ تھی۔

میں نے وکیل مخالف کی پروا کیے بغیر گواہ کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہا۔ "ملزم کی جس صلاحیت نے خاص طور پر آپ کو متاثر کیا وہ اس کی ایمان داری تھی۔ کیا میں غلط کہہ رہا ہوں؟"

"آپ درست کہہ رہے ہیں۔" وہ ٹھہرے ہوئے لہجے میں بولی۔ "پہلی ملاقات میں یہ شخص مجھے نہایت ہی سچا اور دیانت دار نظر آیا تھا لیکن مجھے کیا معلوم تھا' یہ آگے چل کر میرے دشمن سے مل جائے گا اور جب میں اس سے باز پرس کروں گی تو یہ میرا قیمتی نیکلس غائب کر دے گا۔"

میں نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔ "دشمن سے الحاق اور نیکلس کی چوری کا ذکر ہم بعد میں کریں گے' اس سے پہلے ایک نہایت ہی اہم امر پر بات ہو جائے۔" وہ سوالیہ نظر سے مجھے تکنے لگی۔ میں نے گفتگو کو آگے بڑھاتے ہوئے کہا۔ "آپ نے تھوڑی دیر پہلے معزز عدالت کے سامنے بیان کیا ہے کہ پہلی ملاقات میں میرا موکل آپ کو ایک سچا اور دیانت دار شخص نظر آیا تھا۔ اب آپ سے میرا سوال یہ ہے کہ اس پہلی ملاقات کی کچھ وضاحت کریں۔"

"اٹ از ٹو مچ یور آنر۔" وکیل استغاثہ بلبلا اٹھا۔ "وکیل صفائی اپنے مخصوص ہتھکنڈوں پر اتر آئے ہیں جس کا صرف اور صرف یہ مقصد ہے کہ عدالت کا زیادہ سے زیادہ قیمتی وقت برباد کیا جائے۔ میرے فاضل دوست کو ایسے حربوں سے باز رہنے کی تلقین کی جائے۔ خدا کی پناہ گواہ اور ملزم کی پہلی ملاقات کا نیکلس کی چوری سے کیا تعلق۔"

مجسٹریٹ نے استفساریہ نظر سے مجھے دیکھا۔ "بیگ صاحب! آپ کے خیال میں کوئی خاص تعلق ہے؟"

"صد فیصد تعلق ہے جناب!" میں نے ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے کہا۔

"اس تعلق کی وضاحت ضروری ہے۔" مجسٹریٹ نے کہا۔

"اوکے یور آنر!" میں نے سر کو اثباتی جنبش دی اور وضاحت میں کہا۔ "جناب عالی! جہاں تک تعلق کی بات ہے تو وہ گواہ کے جملوں سے پوری طرح عیاں ہے۔ گواہ نے تھوڑی دیر پہلے معزز عدالت کے روبرو بتایا ہے کہ...... پہلی ملاقات میں یہ شخص مجھے نہایت ہی سچا اور دیانت دار نظر آیا تھا لیکن مجھے کیا معلوم تھا' یہ آگے چل کر میرے دشمن سے مل جائے گا اور جب میں اس سے باز پرس کروں گی تو یہ میرا قیمتی نیکلس غائب کر دے گا۔"

میں نے سانس لینے کیلئے تھوڑا توقف کیا پھر اپنی بات کو آگے بڑھاتے ہوئے کہا۔ "جناب

عالی! گواہ کی اس بات میں ملزم سے پہلی ملاقات، نیکلس اور دشمن تینوں موجود ہیں۔ گواہ کے بیان کے مطابق ملزم کا اس کے دشمن سے مل جانا اور اس کا قیمتی نیکلس چرا لینا اس بات کا متقاضی ہے کہ ان میں سے کسی بھی شے کو نظر انداز نہیں کیا جائے۔ یہ بات بھی اہم ہے کہ پہلی ہی ملاقات میں گواہ ملزم سے اتنا متاثر ہوئیں کہ اسے اپنے بنگلے کا حصہ بنا لیا اور پھر دو ماہ بعد اس پر قیمتی نیکلس کی چوری کا الزام عائد کر کے اسے پولیس کے حوالے کر دیا۔ یہ پہلی ملاقات......'' میں نے یہاں پر ڈرامائی انداز میں رک کر تھوڑا وقفہ کیا پھر سنجیدگی سے کہا۔ ''یا وہ پہلی ملاقات کسی بھی طور نظر انداز نہیں کی جا سکتی۔''

مجسٹریٹ نے گواہ سے پوچھا۔ ''آپ اس سلسلے میں کیا کہنا چاہتی ہیں؟''

''میں ابھی تک یہ نہیں سمجھ سکی کہ وکیل صفائی جاننا کیا چاہتے ہیں؟''

مجسٹریٹ نے مجھ سے کہا۔ ''بیگ صاحب! آپ جو کچھ معلوم کرنا چاہتے ہیں اسے سوال کی شکل دیں۔''

مجسٹریٹ کی ہدایت پر میں کٹہرے میں کھڑی استغاثہ کی گواہ اور اس کیس کی مدعی میڈم لطیفہ کی طرف متوجہ ہوا اور سوال کیا۔ ''میڈم! آپ معزز عدالت کو یہ بتائیں کہ ملزم سے آپ کی پہلی ملاقات کب اور کن حالات میں ہوئی تھی؟''

لطیفہ نے دزدیدہ نگاہ سے وکیل استغاثہ کو دیکھا اور متامل لہجے میں میرے سوال کا تفصیلی جواب دے دیا۔ اس تفصیل میں اس نے کسی قسم کی دروغ گوئی کا سہارا نہیں لیا تھا۔ اس کی بات ختم ہونے پر میں نے کہا۔

''اس روز طارق روڈ پر شاپنگ کرنے کے دوران میں جو دراز قامت شخص آپ کے ساتھ تھا اور جسے آپ نے اپنا سیاسی مشیر بتایا ہے اس کا نام غالباً ناظمی ہے۔ میں غلط تو نہیں کہہ رہا؟''

''آپ بالکل ٹھیک کہہ رہے ہیں۔'' وہ تائید کرتے ہوئے بولی۔ ''اس کا پورا نام اسد ناظمی ہے اور وہ محمود آباد میں رہتا ہے۔''

''شکریہ اس مفصل جواب کا۔'' میں نے خوشگوار انداز میں کہا پھر یک دم گہری سنجیدگی سے پوچھا۔ ''پچھلی پیشی پر اس کیس کے انکوائری افسر نے معزز عدالت کو بتایا تھا کہ انہیں قیمتی نیکلس کی چوری کی اطلاع اکتیس جنوری کی صبح آٹھ بجے فون کے ذریعے دی گئی اور اطلاع دینے والا کوئی اسد ناظمی تھا۔ کیا یہ دونوں اسد نظامی ایک ہی شخصیت کے نام ہیں؟''

''جی ہاں، یہ وہی اسد ناظمی ہے۔'' لطیفہ نے کہا۔ ''میرا مشیر خاص۔''

میں نے اگلا سوال کیا۔ ''لطیفہ صاحبہ! طارق روڈ والے واقعہ میں ملزم کی دیانت داری نے آپ کو اتنا متاثر کیا کہ آپ نے اسے دگنی تنخواہ پر فوراً اپنے یہاں پر ملازم رکھ لیا۔ اخبار میں پروف ریڈنگ کے اسے پانچ سو روپے ماہانہ ملتے تھے۔ آپ کی پیشکش ایک ہزار روپے کی تھی۔ کھانا اور

رہائش اس کے علاوہ۔'' میں نے تھوڑا توقف کیا اور وکیل استغاثہ پر ایک اچٹتی سی نگاہ ڈال کر دوبارہ لطیفہ کی جانب متوجہ ہو گیا۔ ''یہ مہربانی آپ نے صرف اسی وجہ سے کی کہ ملزم نے آپ کی ایک نہایت ہی اہم فائل چوری ہونے سے بچائی تھی۔ کیا میں غلط کہہ رہا ہوں؟''

''آپ صحیح کہہ رہے ہیں۔'' اس نے تصدیق کی۔ ''لیکن ملزم کو یہ معلوم نہیں تھا کہ بے خبری میں اس نے کتنی قیمتی شے کی حفاظت کی تھی۔ وہ تو شاپنگ بیگ کو بچا کر لایا تھا۔''

میں نے سرسری لہجے میں کہا۔ ''اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ اصل بات یہ ہے کہ آپ کا نقصان ہونے سے بچ گیا اور اس کیلئے آپ نے میرے مؤکل کا شکریہ بھی ادا کیا تھا غالباً آپ نے احسان مندی کے جذبات کا اظہار بھی کیا تھا۔''

''ہاں، میں نے کیا تھا ایسا اظہار۔'' وہ ٹھہرے ہوئے لہجے میں بولی۔ ''یہ بات تسلیم کرنے میں کوئی عار محسوس نہیں کرتی۔''

''یہ سب کچھ اس لیے تھا کہ وہ فائل آپ کیلئے بے پناہ اہمت کی حامل تھی۔'' میں نے ٹھوس انداز اختیار کرتے ہوئے کہا۔ ''اس خطرناک فائل میں آپ کے دشمن کے خلاف بہت سا مواد موجود ہے۔ تصویری اور تحریری دونوں صورت میں۔ آپ آئندہ الیکشن میں اس مواد کو اپنے حریف کے خلاف استعمال کرنے کا ارادہ رکھتی ہیں۔ آپ کے خیال کے مطابق وہ حریف آپ کے شوہر کا قاتل ہے یعنی اسی شخص کے ایما پر آپ کے شوہر نعمت الٰہی کو بے دردی سے موت کے گھاٹ اتار دیا گیا تھا؟''

''آ......آپ......کو...... یہ ساری باتیں...... کس نے بتائی؟'' وہ اپنی پیشانی کو ہاتھ کی پشت سے پونچھتے ہوئے بولی۔

یہ اس کا ایک اضطراری عمل تھا ورنہ اس کی پیشانی پر پسینے کے آثار یا اثرات نظر نہیں آرہے تھے۔ وہ اس وقت بے حد نروس نظر آنے لگی تھی۔ میرے نزدیک لوہا گرم ہو چکا تھا۔ اب تاخیر سے کام لینا مناسب نہیں تھا۔

میں نے سخت لہجے میں کہا۔ ''آپ اس فکر میں نہ پڑیں کہ یہ معلومات مجھ تک کیسے پہنچی ہیں...... اور یہ کہ اس کے علاوہ اور کیا کیا جانتا ہوں۔ آپ صرف میرے سوال کا جواب دیں؟''

''مم...... میں آپ کے کسی بھی غیر ضروری سوال کا جواب دینے کی پابند نہیں ہوں۔'' وہ بگڑے ہوئے لہجے میں بولی۔

وکیل استغاثہ نے اپنے گواہ کی حمایت کرتے ہوئے کہا۔ ''یور آنر! وکیل صفائی حد سے بڑھ رہے ہیں۔ یہ عدالت اس وقت نیکلس کی چوری کے مقدمے میں مصروف ہے۔ گواہ کا سیاسی دشمن اور اس کے خلاف ثبوت، اس فائل کا موجودہ کیس سے کوئی تعلق نہیں لہٰذا ہمیں اپنے موضوع تک

محدود رہنا چاہیے۔"

مجسٹریٹ نے مجھ سے مخاطب ہوتے ہوئے کہا۔" بیگ صاحب! آپ گواہ کے سیاسی دشمن اور مذکورہ خطرناک فائل کے بارے میں جو کچھ بھی جاننا چاہتے ہیں وہ ایک سوال میں پوچھ لیں۔ اس کے بعد قیمتی طلائی نیکلس اور مبینہ چوری کی طرف آ جائیں۔"

"تھینک یو یور آنر!" میں نے سر تسلیم خم کرتے ہوئے کہا۔ درحقیقت میں جو باتیں مجسٹریٹ کے علم میں لانا چاہتا تھا اس میں مجھے کامیابی حاصل ہو گئی تھی اگر ایسا نہ ہوتا تو وہ مجھے ایک سوال کی اجازت بھی نہ دیتا۔ میں نے دوبارہ استغاثہ کی گواہ اور اس کیس کی مدعی کی طرف متوجہ ہوتے ہوئے کہا۔ میں نے ایک سوال کی رعایت کا فائدہ اٹھاتے ہوئے ایک ہی سانس میں متعدد سوالات کر ڈالے۔

"میڈم لطیفہ! یہ بھی تو ممکن ہے آپ کی گاڑی میں سے شاپنگ بیگ اور خطرناک فائل چرانے والا وہ پستہ قامت چور آپ کے دشمن کا کوئی بندہ ہو۔ آپ کے دشمن نے اپنے خلاف ثبوت کو اڑانے کی کوشش کی ہو۔ میرے موکل نے آپ کو اس چور کا مکمل حلیہ بتایا تھا لیکن آپ نے چور کی شناخت سے معذوری ظاہر کی تھی۔ چور کا حلیہ آپ کے ذہن میں نقش ہو گا۔ میں اب آپ کو اس شخص کا نام اور مقام رہائش کے بارے میں بتاتا ہوں۔ ذرا سوچ کر جواب دیں' کیا آپ جبار نامی کسی پستہ قامت آوارہ نوجوان سے واقف ہیں جو اس شہر کے ایک علاقے منظور کالونی کا رہائشی ہے۔ واضح رہے کہ میں اسی شخص کا ذکر کر رہا ہوں جس نے اس روز طارق روڈ پر آپ کی فورڈ کی عقبی نشست سے شاپنگ بیگ اور خطرناک فائل چوری کی تھی؟"

"واہ واہ سبحان اللہ۔" وکیل استغاثہ نے استہزائیہ لہجے میں کہا۔" میرے فاضل دوست بہت دور کی کوڑی لائے ہیں۔ لگتا ہے' آپ نے اس پستہ قامت فائل چور کی تلاش میں اس شہر کا کوئی کنواں نہیں چھوڑا اور مجھے امید ہے' بانس والوں کے سارے بانس بھی فروخت ہو چکے ہوں گے۔"

میں نے اس کی چوٹ کو خندہ پیشانی سے برداشت کیا اور نہایت ہی سلجھے ہوئے الفاظ میں کاؤنٹر اٹیک کر دیا۔" میرے فاضل دوست! بانس اور بانس والوں کے بزنس کو آپ ہی اچھی طرح جانتے ہوں گے۔ میں نے تو صرف اتنا دیکھا ہے' ہر کنویں میں اکا دکا مینڈک ٹرا رہے تھے۔"

وکیل مخالف نے کھا جانے والی نظروں سے مجھے دیکھا اور دانت کچکچا کر رہ گیا۔

میں نے گواہ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔" لطیفہ صاحبہ! مجسٹریٹ صاحب کی ہدایت کے مطابق آپ میرے اس سوال کا جواب دینے کی پابند ہیں۔ بتائیں آپ مبینہ شخص یعنی میرے بیان کردہ جبار کو جانتی ہیں یا نہیں؟"

"میں ایسے کسی شخص کے نام اور رہائش سے واقف نہیں۔" وہ دو ٹوک لہجے میں بولی۔

"تھینک یو لطیفہ صاحبہ!" میں نے سر کو جنبش دیتے ہوئے کہا۔

جبار کے بارے میں تمام تر معلومات مجھے میرے موکل نے اکٹھا کر کے دی تھیں۔ رؤف مدنی نے سکندر نامی اپنا ایک خاص بندہ جبار کی نگرانی پر مقرر کر رکھا تھا۔ بوقت ضرورت اس شخص کو پکڑ کر عدالت میں بھی پیش کیا جا سکتا تھا۔ اس کے علاوہ بھی حامد نے مجھے بہت سی اہم باتیں بتائی تھیں جن کا ذکر آئندہ کارروائی کے دوران وقفے وقفے سے ہوتا رہے گا۔

مجسٹریٹ ایک دو مرتبہ دیوار گیر کلاک کی طرف نگاہ اٹھا کر دیکھ چکا تھا۔ عدالت کا مقررہ وقت ختم ہونے میں صرف آدھا گھنٹہ باقی تھا۔ میں نے استغاثہ کی گواہ کو مخاطب کرتے ہوئے اپنی جرح کو آگے بڑھایا۔

"لطیفہ صاحبہ! کیا آپ معزز عدالت کو یہ بتانا پسند کریں گی کہ آپ کے مسروقہ طلائی جڑاؤ نیکلس کی مالیت کیا تھی؟"

وہ چند لمحے سوچنے کے بعد بولی۔" لگ بھگ چالیس ہزار روپے!"

یہ رقم آج کل کے دو لاکھ سے بھی زیادہ ہی ہو گی۔ اس سے نیکلس کے قیمتی ہونے کا اندازہ بخوبی لگایا جا سکتا ہے۔

"لطیفہ صاحبہ! مجھے معلوم ہوا ہے' اس نیکلس سے آپ کا جذباتی لگاؤ بھی تھا؟"

وہ بھرائی ہوئی آواز میں بولی۔" مذکورہ نیکلس میرے مرحوم شوہر کی نشانی تھا جو نعمت الٰہی نے بڑے چاؤ سے مجھے بنوا کر دیا تھا۔"

"آپ اپنے اس قیمتی زیور کو کہاں رکھتی تھیں؟" میں نے پوچھا۔

"اپنی الماری میں۔" اس نے جواب دیا۔

"کیا مذکورہ نیکلس الماری میں سے چوری ہوا تھا؟"

"نہیں۔" وہ نفی میں گردن ہلاتے ہوئے بولی۔" میں نے استعمال کیلئے وہ نیکلس الماری سے نکالا تھا اور اسے ڈریسنگ کی دراز میں رکھ دیا تھا۔ شام کو مجھے ایک جلسے میں جانا تھا۔ میں وہ نیکلس پہن کر جانے والی تھی لیکن عین وقت پر معلوم ہوا کہ نیکلس ڈریسنگ کی دراز سے غائب ہے۔"

"یہ غالباً انتیس جنوری کی شام کا ذکر ہے؟"

"غالباً نہیں یقیناً۔" وہ قطعیت سے بولی۔" اسی شام مجھے ایک اہم جلسے سے خطاب کرنا تھا۔ میں اس شام کو کبھی نہیں بھول سکتی۔"

میں نے پوچھا۔" کیا آپ نے وہ نیکلس انتیس جنوری ہی کو ڈریسنگ کی دراز میں رکھا تھا؟"

''نہیں۔'' اس نے نفی میں گردن ہلائی۔ ''میں نے اٹھائیس جنوری کی صبح کو نیکلس الماری سے نکال کر ڈریسنگ کی دراز میں رکھا دیا تھا۔''

''اس کا مطلب یہ ہوا نیکلس اٹھائیس جنوری کو آپ کے ڈریسنگ سے غائب ہوا تھا۔'' میں نے اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہا۔ ''کیونکہ استغاثہ کے مطابق چوری اٹھائیس جنوری کو بتائی گئی ہے۔ استغاثہ کا مطلب ہے' آپ کی رپورٹ کے مطابق تفتیشی افسر کا بھی یہی کہنا ہے۔''

وہ تصدیقی انداز میں گردن ہلاتے ہوئے بولی۔ ''بالکل یہی بات ہے۔''

میں نے پوچھا۔ ''آپ کو انتیس جنوری کی شام معلوم ہوا کہ ڈریسنگ کی دراز میں نیکلس موجود نہیں جبکہ اٹھائیس جنوری کی صبح آپ نے وہ نیکلس وہاں رکھا تھا پھر آپ اتنے وثوق سے کس طرح کہہ سکتی ہیں کہ وہ نیکلس اٹھائیس تاریخ کو چوری ہوا۔ یہ واردات انتیس جنوری کو بھی تو ہو سکتی ہے۔ آپ کو تو عین انتیس جنوری کی شام اس کے غیب کا علم ہوا تھا؟''

وہ چند لمحے سوچنے کے بعد بولی۔ ''اگرچہ میں نے انتیس جنوری ہی کو نیکلس نکالنے کی کوشش کی تھی لیکن یہ بات سچ ہے کہ وہ اٹھائیس جنوری کو وہاں سے اڑا لیا گیا تھا۔''

''میں آپ کے وثوق کی وجہ جاننا چاہتا ہوں۔'' میں نے کہا۔ ''اس کے ساتھ ہی آپ کو یہ بھی بتانا ہوگا کہ آپ نے نیکلس کے غیاب کے سلسلے میں میرے موکل ہی کو چور کیوں نامزد کر دیا حالانکہ آپ کا چوکیدار اور باورچی بھی اسی بنگلے میں رہتے ہیں اور مالی و ملازمہ کا بھی آنا جانا ہے۔ آپ کو کسی اور پر کیوں شک نہ ہوا؟''

''اس کی ایک خاص وجہ ہے۔'' وہ وکیل استغاثہ کی طرف دیکھتے ہوئے بولی۔ ''ملزم کو اٹھائیس جنوری کو سہ پہر میرے بیڈروم میں دیکھا گیا تھا۔ وہ ڈریسنگ کے قریب کھڑا تھا۔ میرے بیڈروم میں اس کی موجودگی کسی خاص مقصد کے تحت ہی ہو سکتی ہے۔''

''کیا آپ اس وقت اپنے بیڈروم میں موجود تھیں؟'' میں نے پوچھا۔

''اگر میں موجود ہوتی تو وہ چوری کے ارادے سے وہاں کیسے گھس سکتا تھا۔'' لطیفہ نے سنجیدہ لہجے میں بتایا۔ ''میں اس سہ پہر بنگلے سے باہر ایک ضروری کام سے گئی ہوئی تھی۔''

''پھر آپ کو کیسے معلوم ہوا کہ اٹھائیس جنوری کی سہ پہر میرا موکل آپ کے ڈریسنگ کے نزدیک' بیڈروم میں موجود تھا؟'' میں نے استفسار کیا۔

''مجھے یہ بات ناظمی نے بتائی تھی۔''

''یعنی اسد نظامی نے؟''

''جی ہاں' میرے ملنے والوں میں صرف ایک ہی ناظمی ہے...... اسد ناظمی! اور یہ بات میں آپ کو پہلے بھی بتا چکی ہوں۔'' وہ خفگی آمیز لہجے میں بولی۔

''ٹھیک ہے میڈم! اب میں اس بات کو یاد رکھوں گا۔'' میں نے معذرت آمیز انداز میں کہا پھر پوچھا۔ ''اسد نظامی اس وقت آپ کے بنگلے میں کیا کر رہا تھا' خصوصاً آپ کے بیڈروم میں اسے جھانکنے کا موقع کیسے ملا جبکہ آپ اس وقت بنگلے ہی میں موجود نہیں تھیں؟''

وہ ناراض نظر سے مجھے دیکھتے ہوئے بولی۔ ''اسد ناظمی میرا سیاسی مشیر ہے اور میرے شوہر کے اچھے ساتھیوں میں اس کا شمار رہا ہے۔ وہ کسی وقت بھی میرے بنگلے میں آ جا سکتا ہے۔'' وہ ذرا متوقف ہوئی پھر بولی۔ ''اور جہاں تک اس بات کا سوال ہے کہ اس نے میرے بیڈروم میں کیوں جھانکا' اس کیلئے آپ کو پریشانی میں دبلا ہونے کی ضرورت نہیں۔ ضروری نہیں ہے میں آپ کو اپنے گھریلو معاملات میں بھی شریک کروں۔''

''ہاں' یہ قطعاً ضروری نہیں۔'' میں نے کہا۔ ''لیکن آپ کا قیمتی نیکلس چونکہ آپ کے بنگلے سے چوری ہوا ہے اس لیے یہ ایک گھریلو معاملہ ہے۔ اس کیس کے تمام کردار گھریلو سے ہو کر رہ گئے ہیں۔ ویسے میں نے اڑتی اڑتی سنی ہے۔'' میں نے خاموش ہو کر لطیفہ کے چہرے کا جائزہ لیا اور اپنی بات کو مکمل کرتے ہوئے کہا۔ ''اسد ناظمی آپ میں بہت گہری دلچسپی لے رہا ہے۔ شاید اس الیکشن کے بعد آپ دونوں شادی کا ارادہ رکھتے ہیں؟''

''یہ بکواس ہے...... سب افواہ سازی ہے۔ اس میں ذرا بھر حقیقت نہیں۔'' وہ جھنجلاہٹ آمیز لہجے میں بولی۔ ''میرے مخالفین مجھے بدنام کرنے کیلئے اس قسم کی غلط باتیں مشہور کر رہے ہیں۔ الیکشن کے سیزن میں اس قسم کی بدمزگیوں کو برداشت کرنا پڑتا ہے۔ میں ان حالات سے بے خبر نہیں ہوں۔''

میں نے سنسناتے ہوئے لہجے میں کہا۔ ''اس تناظر میں تو آپ کے بارے میں بھی اسی قسم کے خیالات کا اظہار کیا جا سکتا ہے۔ آپ بھی تو ایک خطرناک فائل کے ذریعے اپنے حریف کا دھڑن تختہ کرنے والی ہیں؟''

وکیل استغاثہ نے ایک لمبی چھلانگ لگائی اور معترض لہجے میں چیخا۔ ''آبجیکشن یور آنر! یہ بات پہلے ہی طے ہو چکی ہے کہ اس فائل اور گواہ کے شوہر کا ذکر نہیں کیا جائے گا۔''

مجسٹریٹ نے سرزنش بھری نگاہ مجھ پر ڈالی۔ میں نے فوراً معذرت پیش کر دی۔ ''سوری یور آنر! میں آئندہ اس بات کا خیال رکھوں گا۔ بس روانی اور واقعات کے تسلسل میں میرے منہ سے نکل گیا۔ میں اپنے الفاظ واپس لیتا ہوں۔ آئی ایم اگین رئیلی سوری۔''

میں جو بات سامنے لانا چاہتا تھا وہ مقصد پورا ہو گیا۔ مجسٹریٹ کو میں نے بڑے معنی خیز انداز میں گردن ہلاتے دیکھا۔ میں دیوار گیر کلاک پر نظر ڈالنے کے بعد دوبارہ لطیفہ کی جانب متوجہ ہو گیا۔

"ٹھیک ہے میڈم! مجھے اس بات سے کوئی غرض نہیں کہ اسد ناظمی کے ساتھ آپ کے کتنے گہرے گھریلو مراسم ہیں اور میں یہ بھی نہیں پوچھوں گا کہ اکتیس جنوری کی صبح آٹھ بجے وہ شخص آپ کے بنگلے پر کیا کر رہا تھا۔ اسد ناظمی ہی نے ٹیلی فون کر کے تھانے میں چوری کی اطلاع دی تھی جس پر کارروائی ہوئی اور اسی روز دس بجے میرے موکل حامد محمود کو اس کے کوارٹر واقع آپ کے بنگلے سے گرفتار کر لیا گیا۔" وہ خاموش کھڑی بیزاری سے میری تقریر سنتی رہی۔ "کیا آپ نے ناظمی کی بات کی تصدیق بھی کی تھی؟"

"ہاں' میرے باورچی اسلام حسین نے بھی اٹھائیس جنوری کی سہ پہر ملزم کو میرے بیڈ روم کی طرف جاتے دیکھا تھا۔" وہ وضاحت کرتے ہوئے بولی۔

میں نے کہا۔ "شاید آپ میرا سوال نہیں سمجھیں۔" وہ استفساریہ نظر سے مجھے دیکھنے لگی۔ میں نے وضاحت کرتے ہوئے کہا۔ "تصدیق سے میری مراد یہ تھی کہ آیا آپ نے اس سلسلے میں میرے موکل سے بات کی تھی؟"

"ہاں' کی تھی میں نے اس سے تفصیلی بات۔" وہ بولی۔ "لیکن اس نے صاف انکار کر دیا۔ میں نے نیکلس کی چوری کے سلسلے میں ملزم سے تیس جنوری کو پوچھ گچھ کی تھی اس نے جب مجھے کوئی تسلی بخش جواب نہ دیا تو مجبوراً اکتیس جنوری کو میں نے اسے پولیس کے حوالے کر دیا۔" ایک لمحے کو رک کر اس نے وضاحت کی۔ "اسد ناظمی نے میرے ہی ایما پر تھانے فون کیا تھا اور اس رپورٹ میں اس کا مشورہ بھی شامل تھا۔ وہ میرا سیاسی ہی نہیں' معاشرتی مشیر بھی ہے۔ میں اکثر خانگی مسائل میں بھی اس سے ضرور مشورہ کرتی ہوں۔"

آخری دو جملے اس نے بڑے فخریہ انداز میں ادا کیے تھے جیسے وہ میری ان باتوں کا منہ توڑ جواب دے رہی ہو جو تھوڑی دیر پہلے میں نے اسد ناظمی کے حوالے سے کی تھیں۔ میری ان تند باتوں نے اسے جھنجھوڑ کر رکھ دیا تھا۔ شاید میں نے اس کی دکھتی ہوئی رگ پر نشتر آزما ڈالا تھا۔

میں نے جرح کے سلسلے کو سمیٹتے ہوئے اس سے سوال کیا۔ "لطیفہ صاحب! آپ نے میری جرح کے آغاز میں ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے بتایا تھا' آپ کو معلوم نہیں تھا دیانت دار اور سچا نظر آنے والا میرا موکل آپ کے دشمن سے جا ملے گا اور ازاں بعد آپ کا قیمتی طلائی جڑاؤ نیکلس چوری کر لے گا۔ نیکلس کی چوری پر تو سیر حاصل جرح ہو گئی۔ اس وقت آپ سے میرا صرف اتنا سا سوال ہے کہ معزز عدالت کو بتائیں' ملزم آپ کے کس دشمن سے مل گیا تھا؟"

وہ جلدی سے بولی۔ "اس وقت میرا سب سے بڑا دشمن میرا سیاسی حریف ہی ہے۔"

"آپ کو یہ بات کیسے معلوم ہوئی کہ ملزم آپ کے حریف کے ساتھ پینگیں بڑھا رہا ہے؟" میں نے تیز لہجے میں دریافت کیا۔

اس نے بتایا۔ "یہ اطلاع مجھ تک ناظمی کے ذریعے پہنچی تھی۔"

"یعنی اگین ناظمی!" میں نے کندھے اچکاتے ہوئے کہا۔ پھر پوچھا۔ "کیا آپ کو یہ بات نیکلس کی چوری سے پہلے معلوم ہو چکی تھی کہ ملزم مخالف کیمپ میں جا چکا ہے؟"

وہ اثبات میں سر ہلاتے ہوئے بولی۔ "دشمن سے ملاقات والی بات مجھے پچیس جنوری کو پتا چلی تھی جب کہ نیکلس اٹھائیس جنوری کو چوری ہوا۔"

"حیرت ہے' آپ نیکلس کی چوری سے پہلے ملزم کے بارے میں ایک نہایت ہی سنگین اطلاع پا چکی تھیں لیکن آپ نے اسے اپنے بنگلے میں سے بے دخل نہ کیا۔" میں نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔ "بلکہ نیکلس کی چوری کے بعد بھی آپ نے دو روز تک ملزم کو اپنے ہی بنگلے میں رہنے دیا۔ یہ کچھ عجیب سی بات نہیں؟"

"آپ کیلئے ہوگی؟" وہ اکتاہٹ آمیز لہجے میں بولی۔ "پچیس جنوری کو جب ناظمی نے مجھے دشمن والی بات بتائی تو اگلے ہی روز میں نے اس بارے میں ملزم سے استفسار کیا تھا لیکن اس نے صاف انکار کر دیا۔ اس نے مجھ سے پوچھا کہ مجھے یہ بات کس نے بتائی ہے؟ لیکن میں نے ناظمی کا نام ظاہر نہیں کیا۔ اس کے بعد ملزم مجھ سے اکھڑا اکھڑا رہنے لگا۔ اصولی طور پر تو مجھے اسی وقت اسے بنگلے سے نکال باہر کرنا چاہیے تھا لیکن میں نے ملزم کے سابق ریکارڈ کی بدولت نرمی دکھائی اور ناظمی سے کہہ دیا کہ وہ خفیہ طور پر اس کی نگرانی کرتا رہے۔ میری اس نرمی کا ملزم نے ناجائز فائدہ اٹھایا اور نیکلس پر ہاتھ صاف کر دیا۔" وہ چند لمحات تک سانس درست کرنے کی خاطر رکی پھر بات جاری رکھتے ہوئے بولی۔ "نیکلس کی چوری کا علم ہونے کے بعد دوسرے روز یعنی تیس جنوری کو میں نے ملزم سے پھر تفصیلی بات کی لیکن اس نے چوری تسلیم نہیں کی۔ میں اس کی ڈھٹائی اور دیدہ دلیری پر بہت تلملائی پھر ناظمی کے مشورے پر میں نے اسے پولیس کے حوالے کر دیا۔ ناظمی میرا برسوں کا آزمایا ہوا ہے۔ ملزم کی بہ نسبت وہ میرے لیے زیادہ قابل بھروسہ ہے۔" وہ اچانک خاموش ہوئی پھر سوالیہ نظر سے مجھے دیکھتے ہوئے بولی۔

"بس...... یا کچھ اور بھی پوچھنا ہے آپ کو؟"

"مجھے اور کچھ نہیں پوچھنا۔" میں نے دھیمے لہجے میں کہا اور جرح ختم کر دی۔

مجسٹریٹ نے دس روز بعد کی تاریخ دے کر عدالت برخاست کر دی۔

☆......☆......☆

آئندہ پیشی سے قبل میں نے حامد کو اپنے دفتر میں بلا کر چند مزید ہدایات دیں۔ ایک دو مرتبہ رؤف مدنی سے بھی ٹیلی فونک رابطہ ہوا۔ کیس تسلی بخش رفتار سے آگے بڑھ رہا تھا اس لیے مجھے کسی قسم کی کوئی فکر نہیں تھی۔

دس روز گزرنے کے بعد ہم ایک مرتبہ پھر اسی مجسٹریٹ کی عدالت میں موجود تھے جہاں یہ کیس مہینوں پہلے لگا تھا۔ استغاثہ کا آخری گواہ اسد ناظمی گواہوں والے کٹہرے میں ہشاش بشاش کھڑا تھا۔ میں نے جن گواہوں کا ذکر کیا ہے ان کے بیچ بیچ بھی استغاثہ کی جانب سے چند گواہ پیش ہوئے تھے۔ مثلاً لطیفہ کا باورچی' چوکی دار وغیرہ لیکن ان پر ہونے والی جرح میں کوئی اہم اور قابل ذکر بات نہیں تھی اس لیے میں ان کی تفصیل میں نہیں گیا۔

اسد ناظمی کی عمر لگ بھگ پچاس سال رہی ہوگی۔ وہ ایک دراز قامت اور پرکشش شخصیت کا مالک شخص تھا۔ اس کے سر کے بیشتر بال کھوپڑی کا ساتھ چھوڑ چکے تھے اور کانوں کے پاس ایک مخصوص قسم کی جھالر نمودار ہو چکی تھی۔ اس وقت وہ ایک شاندار سوٹ میں ملبوس تھا۔ اسد ناظمی کی صورت ایک معروف ٹی وی آرٹسٹ سے بڑی حد تک ملتی تھی۔ مذکورہ آرٹسٹ ٹی وی ڈراموں میں ولین کا رول ادا کرتا ہے یا پھر منفی رول۔

وکیل استغاثہ نے اسد ناظمی کو فارغ کیا تو میں اس کے کٹہرے کے پاس آن کھڑا ہوا۔

''ناظمی صاحب!'' میں نے اسے مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ ''آپ کی رہائش محمود آباد میں ہے؟''

''کہہ سکتے ہیں۔'' اس نے مبہم سا جواب دیا۔

''کہہ سکتے ہیں' کیا مطلب؟''

اس نے بتایا۔ ''میں دراصل گرین بیلٹ کے علاقے میں رہتا ہوں۔ یہ محمود آباد اور پی ای سی ایچ ایس کے درمیان واقع ہے۔ اکثر لوگ اسے محمود آباد میں شمار کر لیتے ہیں۔''

''اچھی بات ہے۔'' میں نے کہا۔ ''آپ کو میڈم لطیفہ کے ساتھ کام کرتے ہوئے کتنا عرصہ ہوا ہے؟''

''میڈم کے ساتھ تو میں پچھلے چند سال سے ہوں۔'' اس نے جواب دیا۔ ''البتہ نعمت الٰہی کے ساتھ میں نے ایک طویل عرصہ گزارا ہے۔''

میں نے پوچھا۔ ''کیا یہ درست ہے کہ آپ کی حیثیت مشیر خاص ایسی ہے؟''

''ہاں' یہ درست ہے اور یہ سب کچھ میڈم کی مہربانی سے ہے۔''

''مجھے پتا چلا ہے' وہ آپ پر بہت اعتماد کرتی ہیں۔'' میں نے کہا۔ ''اور آپ کے مشوروں کو بہت اہمیت دیتی ہیں۔''

وہ فخریہ لہجے میں بولا۔ ''میں ان کا مشیر خاص ہوں۔ وہ میرے مشوروں کو اہمیت تو دیں گی ہی۔''

میں نے پوچھا۔ ''استغاثہ کے مطابق اکتیس جنوری کی صبح آٹھ بجے آپ ہی نے لطیفہ کے

بنگلے سے تھانے فون کیا تھا تاکہ ملزم کو گرفتار کروایا جا سکے۔''

''ہاں' یہ بات درست ہے اور ریکارڈ پر بھی موجود ہے۔'' وہ تائیدی انداز میں بولا۔ ''اس لیے انکار کی گنجائش نہیں۔ ویسے آپ کی اطلاع کیلئے عرض کروں کہ میں نے وہ فون میڈم لطیفہ کے حکم پر ہی کیا تھا۔''

میں نے کہا۔ ''آپ کی میڈم لطیفہ چونکہ آپ پر بہت بھروسہ کرتی ہیں اس لیے پوچھ رہا ہوں۔ آپ نے اپنی میڈم کو پچیس جنوری کو بتایا تھا کہ ملزم ان کے دشمن حریف سے جا ملا ہے۔ میڈم نے آپ کی بات پر یقین کرتے ہوئے ملزم سے باز پرس بھی کی۔ آپ کو کیسے معلوم ہوا کہ میرا موکل مخالف کیمپ میں جا بیٹھا ہے؟''

''میں نے اسے ایک ایسے آدمی سے دو تین مرتبہ ملتے ہوئے دیکھا ہے جو ہمارے حریف سیاست دان کیلئے کام کرتا ہے۔'' ناظمی نے بتایا۔ ''اس بات کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔''

میں نے کہا۔ ''میرے موکل نے صرف دو ماہ تک میڈم لطیفہ کے یہاں ملازمت کی تھی۔ اتنے قلیل عرصے میں آپ نے انہیں دشمنوں سے میل ملاپ بڑھاتے دیکھ لیا۔ یہ کچھ عجیب سی بات نہیں؟''

''کوئی عجیب بات نہیں۔'' وہ کندھے اچکاتے ہوئے بولا۔ ''بعض چالاک لوگ برسوں کا کام دنوں میں کر لیتے ہیں ملزم کی طرح۔'' اس نے ملزم کی جانب اشارہ کیا۔

میں نے کہا۔ ''ناظمی صاحب! اگر آپ نے ایسی کوئی بات دیکھی تھی تو آپ کا فرض بنتا تھا پہلے ہی مرحلے پر ملزم کو ٹوک دیتے' شاید اس طرح وہ راہ راست پر آ جاتا۔''

''ہم سیاسی لوگوں کا کام کرنے کا اپنا ایک طریقہ کار ہوتا ہے۔'' وہ مدبرانہ انداز میں بولا۔ ''میں نے جب تک اپنی تسلی نہیں کر لی میڈیم سے بات نہیں کی۔ انہوں نے مجھے ملزم پر نگاہ رکھنے کو کہا تھا۔ اگر یہ نیکلس چوری کر کے بنگلے سے خارج نہ کر دیا جاتا تو پتا نہیں' کس قسم کے گل کھلاتا۔''

میں نے طنزیہ لہجے میں کہا۔ ''خیر یہ بات تو رہنے دیں ناظمی صاحب! آپ کے ہوتے ہوئے کوئی گل کھلا سکتا ہے اور نہ ہی گل چھرے اڑا سکتا ہے۔ ویسے بھی آپ نے ملزم پر عقابی نظر رکھی ہوئی تھی۔''

وہ خاموش رہا۔ میں نے سوالات کے سلسلے کو آگے بڑھاتے ہوئے کہا۔ ''آپ نے ملزم کو مخالف کیمپ کے جس بندے سے دو تین مرتبہ ملتے جلتے دیکھا تھا' اس کے بارے میں کچھ بتائیں گے۔ اب یہ نہ کہیے گا' آپ اسے جانتے نہیں؟''

''میں اس شخص کے بارے میں صرف اتنا جانتا ہوں کہ وہ ہمارے حریف کا وفادار ہے۔'' وہ چالاکی کا مظاہرہ کرتے ہوئے بولا۔ ''اس شخص کا نام و پتا مجھے معلوم نہیں۔''

''معلوم نہیں یا بتانا نہیں چاہتے؟''

''واقعی مجھے معلوم نہیں۔''

''چلیں، آپ کی مرضی۔'' میں نے کہا۔ ''میں اس کے لیے زور نہیں دوں گا۔'' میں نے ذرا توقف دیا اور اگلا سوال کیا۔ ''آپ کی میڈم لطیفہ کے مطابق یہ بات بھی آپ ہی نے انہیں بتائی تھی کہ ملزم اٹھائیس جنوری کی سہ پہران کے بیڈروم میں ڈریسنگ کے پاس کھڑا پایا گیا تھا جس سے پہلے آپ اور بعد میں میڈم لطیفہ اس نتیجے پر پہنچیں کہ وہ قیمتی نیکلس میرے موکل ہی نے چرایا ہوگا۔ کیا میں غلط کہہ رہا ہوں۔''

''نہیں، آپ بالکل درست کہہ رہے ہیں۔'' وہ تائیدی انداز میں بولا۔ ''ہم دونوں باہمی مشورے سے واقعی اس نتیجے پر پہنچے کہ نیکلس کی چوری میں ملزم حامد کے سوا اور کسی کا ہاتھ نہیں ہو سکتا۔''

میں نے یک دم سنجیدہ ہوتے ہوئے گمبھیر آواز میں دریافت کیا۔ ''ناظمی صاحب! ایک بات سچ سچ بتائیں آپ کو میرے موکل سے کیا دشمنی ہے؟''

''یہ کیا کہہ رہے ہیں آپ؟'' وہ بدک کر بولا۔ ''میں بھلا اس حقیر آدمی سے کیوں دشمنی کرنے لگا؟''

میں نے جارحانہ انداز میں پوچھا۔ ''آپ نے میرے موکل کو حقیر آدمی کیوں کہا ہے؟''

''انسان اپنی حرکتوں سے حقیر اور اعلیٰ بنتا ہے۔'' وہ پرعزم لہجے میں بولا۔ ''ملزم نے میڈم کے بنگلے پر مختصر قیام کے دوران میں جو حرکات فرمائی ہیں وہ کسی معقول اور اچھے انسان کو زیب نہیں دیتیں۔''

''اور آپ کا اپنے بارے میں کیا خیال ہے؟'' میں نے اسے کاسٹک سودا سے دھوتے ہوئے کہا۔ ''آپ نے جو حرکات فرمائی ہیں وہ کس خانے میں فٹ ہوں گی؟''

''آپ کہنا کیا چاہتے ہیں؟'' وہ اچھل کر بولا۔

میں نے کہا۔ ''آپ سننا چاہتے ہیں تو میں کچھ عرض کروں؟''

''آپ کون سا انکشاف کرنا چاہتے ہیں میرے فاضل دوست؟'' وکیل استغاثہ نے اپنی موجودگی کو ظاہر کرتے ہوئے کہا۔ ''آپ سارے سانپ تو نکال چکے ہیں، اب کون سا باقی ہے۔''

میں نے اس کی بات کا ترکی بہ ترکی جواب دیتے ہوئے کہا۔ ''مائی ڈیئر کونسلر! ایک بہت ہی زہریلا ناگ میرے پٹارے میں ابھی بھی موجود ہے۔ میں اس کی رونمائی کرنے والا ہوں۔ ذرا دل تھام کر کھڑے ہونا۔''

مجسٹریٹ ہماری نوک جھوک کو دیکھتے ہوئے مجھ سے مخاطب کیا۔ ''بیگ صاحب! آپ گواہ

سے جو کچھ کہنا چاہتے ہیں، واضح الفاظ میں کہیں۔''

میں نے واشگاف الفاظ میں کہا۔ ''مسٹر اسد ناظمی! سچ تو یہ ہے کہ ایک بار میرے موکل نے آپ کو میڈم کے حریف امیدوار کے ایک بندے سے گفتگو کرتے دیکھ لیا تھا۔'' میں نے حامد سے حاصل شدہ معلومات کی روشنی میں کہنا شروع کیا۔ ''آپ نے اپنے راز کو چھپانے کیلئے الٹا میرے موکل پر الزام دھر دیا۔ میرے موکل سے بے وقوفی یہ ہوئی کہ اس نے میڈم سے آپ کی ملاقات کا ذکر نہیں کیا۔ آپ نے اس موقع سے فائدہ اٹھایا اور میرے موکل کو لطیفہ کی نظر میں گرانے کیلئے اوچھی حرکت کر ڈالی۔ پھر چند روز بعد آپ نے اس پر ردا چڑھایا اور نیکلس کی چوری کا ڈرامہ رچا کر میرے موکل کو بنگلے سے نکلوا دیا اور وہ بھی اس طرح کہ اس پر چوری کا الزام آ گیا۔ آپ نہیں چاہتے تھے کہ یہ شخص بنگلے میں یا میڈم لطیفہ کے قریب رہے۔''

میں ایک لمحے کو سانس لینے کی خاطر رکا۔ حاضرین عدالت سناٹے کی سی کیفیت میں مجھے سن رہے تھے۔ میں نے اپنی بات کو آگے بڑھاتے ہوئے کہا۔ ''مسٹر اسد ناظمی! دراصل آپ ہی وہ شخص ہیں جو میڈم کے دشمن سیاسی امیدوار کے ہاتھ مضبوط کر رہا ہے۔ میڈم کے اندھے اعتماد نے آپ کو ایک آڑ مہیا کر رکھی ہے لیکن آج کے بعد یہ آڑ ہٹ جائے گی اور آپ کے چہرے کا نقاب اتر جائے گا۔ میں آپ کو اتنا معزز اور مشیر خاص نہیں رہنے دوں گا۔''

ناظمی کے چہرے پر گھبراہٹ کے تاثرات نمودار ہوئے تاہم وہ ہمت کرتے ہوئے بولا۔ ''آپ نے ابھی جو کچھ بیان کیا ہے اس کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں۔ آپ نے دعویٰ کیا ہے کہ آپ کے موکل نے مجھے دشمن حریف کے کسی بندے سے بات چیت کرتے دیکھا تھا، کیا آپ بتا سکتے ہیں کہ وہ دشمن بندہ کون تھا؟''

وہ از خود میرے پھیلائے ہوئے جال میں قدم رکھ چکا تھا لہٰذا میں نے اس مقدمے کے ڈراپ سین کی طرف آتے ہوئے کہا۔ ''تو گویا آپ اس بندے اور اس سے اپنی ملاقات سے انکاری ہیں؟''

''میں واضح طور پر انکار کر چکا ہوں۔'' وہ پراعتماد نظر آنے کی کوشش کر رہا تھا تاہم میں نے دیکھا کہ اس کے چہرے پر ہوائیاں اڑنا شروع ہو گئی تھیں۔

میں نے نہایت سنگین انداز میں کہا۔ ''اس شخص کا نام جبار ہے اور وہ منظور کالونی میں رہتا ہے۔ منظور کالونی اور محمود آباد کا علاقہ اس طرح آپس میں جڑا ہوا ہے جیسے آپ میڈم لطیفہ کے حریف دشمن کے ساتھ۔''

بات ختم کرتے ہی میں نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں گاڑ دیں۔ اس نے بے چینی سے ایک پاؤں کا بوجھ دوسرے پر منتقل کیا اور جھنجلاہٹ آمیز لہجے میں بولا۔ ''میں جبار نامی اس شخص کو

بالکل نہیں جانتا۔''

میں نے بدستور اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہا۔ ''آپ کی میڈم لطیفہ بھی اس شخص کی شناخت اور پہچان سے انکار کر چکی ہیں مگر یہ سچ ہے کہ وہ اس پستہ قامت شخص کو واقعی نہیں جانتیں لیکن تم بخوبی جانتے ہو مسٹر اسد ناظمی!''

مجسٹریٹ بڑی توجہ سے اس دلچسپ صورتحال کا جائزہ لے رہا تھا۔ اس نے مجھ سے مخاطب ہوتے ہوئے کہا۔ ''بیگ صاحب! آپ کو اس شخص مذکور کے بارے میں کیسے علم ہوا؟''

''جناب عالی! مجھے میرے موکل نے ساری تفصیل بتائی ہے۔''

عدالت کے کمرے میں موجود لطیفہ نے اچانک کھڑے ہوتے ہوئے کہا۔ ''سر! میں وکیل صفائی سے کچھ پوچھنا چاہتی ہوں۔'' اس کا روئے سخن مجسٹریٹ کی طرف تھا۔

وکیل استغاثہ اور گواہ اسد ناظمی نے بیک وقت میڈم لطیفہ کو الجھن زدہ نظر سے دیکھا۔ جج نے مدعی کو اس کے حسب منشا اجازت دے دی۔

لطیفہ نے میری جانب متوجہ ہوتے ہوئے سوال کیا۔ ''وکیل صاحب! کسی پستہ قامت جبار نامی شخص کی شناخت اور پہچان سے متعلق آپ نے مجھ سے بھی سوال کیا تھا اور اب ناظمی سے بھی پوچھ رہے ہیں۔ کیا منظور کالونی جیسے پسماندہ علاقے میں رہنے والا شخص اتنا ہی زیادہ اہم ہے؟'

''خاص طور پر آپ کیلئے وہ بہت اہمیت رکھتا ہے۔ کیونکہ وہ آپ کے دشمن حریف کا آلہ کار ہے۔'' میں نے گمبھیر آواز میں کہا۔ ''وہ حریف جسے تباہ و برباد کرنے کیلئے آپ نے ایک سنگین فائل مرتب کر رکھی ہے اگر وہ فائل چوری ہو کر آپ کے دشمن تک پہنچ جاتی تو آپ کے ہاتھوں کے طوطے اڑ جاتے۔ پھر آپ کے پاس ہاتھ ملنے کے سوا کوئی چارہ نہ رہتا لیکن......'' میں نے دانستہ تھوڑا سا توقف دیا پھر حاضرین پر طائرانہ نگاہ دوڑانے کے بعد دوبارہ میڈم لطیفہ کی جانب متوجہ ہو گیا۔

''لیکن افسوس کا مقام یہ ہے کہ جس شریف اور ایماندار شخص نے آپ کی قیمتی اور خطرناک فائل چوری ہونے سے بچائی ہے' آپ نے عظیم الشان اور بے مثال صلے کے طور پر اسے نیکلس کی چوری کے الزام میں حوالہ پولیس کر دیا۔ یہ زیادتی نہیں ہے؟''

''کک...... کیا...... آپ اس واقعے...... کا ذکر کر رہے ہیں۔'' میری بات ختم ہوئی تو لطیفہ نے لکنت زدہ لہجے میں کہنا شروع کیا۔ ''جب میری گاڑی میں سے شاپنگ بیگ اور فائل چرانے کی کوشش کی گئی تھی اور ملزم نے اپنی تگ و دو سے اس کوشش کو ناکام بنا دیا تھا۔ چوری کرنے والا وہ شخص بھی تو پستہ قامت ہی تھا۔'' وہ چند لمحات کیلئے رکی پھر گویا ہوئی۔ ''ابھی آپ نے جس جبار نامی شخص کا ذکر کیا ہے' کیا یہ وہی پستہ قامت چور ہے؟''

''بالکل میڈم! پستہ قامت فائل چور اور جبار ایک ہی شخص ہے۔'' میں نے اپنی فائلوں پر

ہاتھ مارتے ہوئے کہا۔ ''اور جبار نامی یہ شخص آپ کے دشمن نجم فاروق کا آلہ کار ہے۔'' بہ حالت مجبوری اور موقع محل کی ضرورت کے تحت میں نے لطیفہ کے حریف کا نام ظاہر کر دیا۔ ''نجم فاروق کے کسی آلہ کار سے آپ کے مشیر خاص کا ربط ضبط کیا معنی رکھتا ہے' اس بات کا اندازہ آپ بخوبی لگا سکتی ہیں۔''

لطیفہ نے غصیلی نظر سے اسد ناظمی کو دیکھا اور میری جانب متوجہ ہوتے ہوئے بولی۔ ''تو آپ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ اس روز طارق روڈ پر پیش آنے والے واقعے میں ناظمی کا ہاتھ ہے۔ اسی نے وہ خطرناک فائل شاپنگ بیگ میں رکھی تھی اور چور کو وہ فائل اڑانے کا موقع فراہم کیا تھا؟''

''جی ہاں' میں یہی کہنا چاہتا ہوں۔'' میں نے وکیل استغاثہ کی جانب فاتحانہ نظر سے دیکھا۔

''میرا موکل اس بات کا گواہ ہے کہ جب اسد ناظمی شاپنگ کرنے والے دو بھرے ہوئے بیگ آپ کی فورڈ کی عقبی نشست پر رکھ کر واپس گیا تو اس نے گاڑی کا دروازہ لاک نہیں کیا تھا تا کہ جبار کو اپنا کام کرنے میں کوئی دشواری پیش نہ آئے۔ آپ اسے چوری اور اٹھائی گیری کی ایک واردات سمجھتیں اور وہ فائل بڑی صفائی سے آپ کے دشمن امیدوار نجم فاروق تک پہنچ جاتی۔ اس کے بعد آپ کے پاس سر پیٹنے کے سوا کوئی چارہ نہ رہتا اور افسوس ناک بات یہ ہوتی کہ آپ ہنوز اسد ناظمی کو اپنا وفادار اور مخلص مشیر ہی سمجھتی رہتیں۔''

لطیفہ نے قہر آلود نظر سے اسد ناظمی کو دیکھا۔ وہ یقینی طور پر اس کے خلاف سوچ رہی تھی۔ گواہ ناظمی نے اپنی حمایت میں گلا پھاڑ کر کہا۔ ''یہ سب جھوٹ ہے' بکواس ہے۔'' اس کی آواز میں بڑی واضح لرزش تھی۔ ''مم...... میں ... کسی پستہ قامت جبار کو جانتا ہوں...... اور نہ ہی کبھی میڈم کی فائل چوری کروانے کے بارے میں سوچا ہے...... یہ مجھ پر الزام ہے...... بہتان ہے...... میں اس کے خلاف سخت احتجاج کرتا ہوں۔''

گواہ کے احتجاج کو عملی شکل دینے کیلئے عدالت میں وکیل استغاثہ موجود تھا۔ اس نے اپنی روزی حلال کرنے کی کوشش کی اور معترض لہجے میں کہا۔

''مجھے سخت اعتراض ہے جناب عالی!'' اس کا روئے سخن مجسٹریٹ کی طرف تھا۔ ''وکیل صفائی بڑی دیدہ دلیری سے استغاثہ کے معزز گواہ کو الزامات کا نشانہ بنا رہے ہیں۔ انہیں سختی سے تاکید کی جائے کہ یہ اپنے دعوے کو عدالت میں ثابت کر کے دکھائیں۔''

مجسٹریٹ نے مجھ سے پوچھا۔ ''بیگ صاحب! کیا آپ اپنے کہے کا ثبوت فراہم کر سکتے ہیں؟''

''ضرور جناب عالی!'' میں نے احتراماً سر جھکا کر کہا۔ ''جب سے میرے موکل نے مجھے بتایا ہے کہ جبار نامی وہ شخص اسد ناظمی سے میل جول رکھتا ہے جو اس روز لطیفہ کی گاڑی سے شاپنگ بیگ

کے ساتھ ایک اہم فائل بھی اڑانے کی کوشش میں ملوث پایا گیا تھا میں نے اپنی رسائی استعمال کر کے جبار کی نگرانی کروائی ہے۔ میں آپ کو منظور کالونی میں واقع ایک گھر کا ایڈریس مہیا کر سکتا ہوں لیکن یہ بھی آپ کو بتا دوں کہ آج کل وہ حیدرآباد گیا ہوا ہے۔ وہ وہاں لطیف آباد میں رکا ہوا ہے۔ اس کے گھر کا ایڈریس بھی آپ کو بتا سکتا ہوں۔'' ایک لمحے کے توقف کے بعد میں نے کہا۔ '' جبار نامی اس پستہ قامت شخص کو کس طرح عدالت تک لایا جائے گا' یہ دردِ سر پولیس کا ہے۔ اس سلسلے میں' میں کوئی تعاون یا مدد نہیں کر سکتا۔''

پھر میں نے مجسٹریٹ کی ہدایت پر جبار کے منظور کالونی (کراچی) اور لطیف آباد (حیدر آباد) کے مکمل ایڈریس متعلقہ عدالتی عملے کو نوٹ کرا دیئے۔ مجسٹریٹ نے جبار کو فی الفور عدالت میں حاضر کرنے کے احکام صادر کر دیئے۔ حامد محمود کی کوشش اور رؤف کے متعین کردہ نگران سکندر نے مجھے جو معلومات فراہم کی تھیں وہ اس وقت بہت کام آ رہی تھیں۔

اچانک وکیل استغاثہ نے تیز آواز میں ایک اہم سوال اٹھایا۔ '' یور آنر! اس وقت معزز عدالت میں نیکلس کی چوری کا مقدمہ زیرِ ساعت ہے مگر وکیل صفائی اپنے موکل کو بے گناہ ثابت کرنے کے بجائے فائل اور مدعی کے دشمن سیاست داں میں الجھ گئے ہیں اور...... اب تو یہ جبار نامی پستہ قامت شخص بھی سامنے آ گیا ہے۔''

میں نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔ '' جناب عالی! یہ تمام معاملات ایک ہی زنجیر کی کڑیاں ہیں۔ میڈم لطیفہ دروغ گوئی نہیں کر رہیں۔ ان کا قیمتی نیکلس تو ضرور چوری ہوا ہے۔ میرا موکل کسی بھی طور پر اس چوری میں ملوث نہیں۔ اب آ جا کر یہ تان اسد ناظمی پر ہی ٹوٹتی ہے۔ میرا خیال ہے' اگر پولیس ناظمی کے گھر اور دفتر کی مکمل تلاشی لے تو مذکورہ نیکلس برآمد ہو سکتا ہے اور......''

'' کوئی میرے گھر میں قدم رکھنے کی جرأت نہ کرے......'' بے ساختہ اسد ناظمی نے چیخ سے مشابہ آواز میں کہا۔ '' مم...... مم...... میں......''

وہ لایعنی جملہ ادھورا چھوڑ کر ہکا بکا نظر سے ایک ایک کے چہرے کو تکنے لگا۔

میں نے گرم لوہے پر ایک بھرپور چوٹ لگائی۔ '' مسٹر اسد ناظمی! یہ کیا آپ نے بکری کی طرح '' میں میں'' شروع کر دی ہے۔ اللہ نے آپ کو اشرف المخلوقات بنایا ہے۔ کوئی بات نہیں' اگر آپ کے پاس الفاظ کی کمی پڑ رہی ہے تو آپ کی یہ کمی میں پوری کر دیتا ہوں۔ آخر انسان ہی انسان کے کام آتا ہے۔'' میں نے ذرا توقف کیا پھر کہا۔ '' غالباً آپ یہ کہنا چاہتے ہیں...... کوئی میرے گھر میں قدم رکھنے کی جرأت نہ کرے ورنہ میں اس کی ٹانگیں توڑ دوں گا...... مم' میں جب تک نیکلس کو کہیں اور منتقل نہ کر دوں کوئی مجھے ہاتھ نہ لگائے۔ مسٹر اسد ناظمی! آپ نے اس سرزنش اور تنبیہ میں اپنے دفتر کا کوئی ذکر نہیں کیا۔ صرف گھر کا نام لیا ہے۔ اس سے تو یہی ظاہر ہوتا ہے' لطیفہ کا چوری

ہونے والا وہ طلائی جڑاؤ نیکلس آپ نے اپنے گھر میں کہیں چھپایا ہوا ہے۔ کیا میں غلط کہہ رہا ہوں۔''

'' او یو چیٹ......'' وہ ایک دم آپے سے باہر ہو گیا۔ '' مسٹر بیگ! میں تمہیں نہیں چھوڑوں گا۔'' غصے کی شدت سے اس کا پورا بدن کپکپا رہا تھا۔

میرے پے در پے حملوں نے اس کے سوچنے سمجھنے کی صلاحیت کو مفلوج کر دیا تھا۔ غصے میں انسان اپنے ہوش و حواس کھو بیٹھتا ہے۔ شاید اسی لیے غصے کو حرام قرار دیا گیا ہے لیکن یہاں اسد ناظمی کا غصہ میرے لیے بہت کارآمد ثابت ہوا تھا۔ میں نے مجسٹریٹ کی طرف دیکھتے ہوئے نہایت ہی سنجیدگی سے کہا۔

'' جناب عالی! معزز عدالت سے میں پرزور اپیل کرتا ہوں کہ استغاثہ کے گواہ اسد ناظمی نے بھری عدالت میں میرے لیے جن الفاظ کا استعمال کیا ہے اس دھمکی کو خاص طور پر عدالتی ریکارڈ میں محفوظ کیا جائے......'' میں نے جملہ ادھورا چھوڑ کر ایک نظر وکیل استغاثہ کو دیکھا پھر دوبارہ مجسٹریٹ کی طرف مڑتے ہوئے کہا۔

'' یور آنر! اس لمحے کے بعد اگر مجھے کسی قسم کا جانی' مالی یا اخلاقی نقصان پہنچا تو اس کا ذمے دار صرف اور صرف اسد ناظمی ہوگا۔ اس شخص نے بڑے واضح الفاظ میں معزز عدالت کے روبرو مجھے دھمکی دی ہے کہ یہ مجھے نہیں چھوڑے گا۔''

جب اسد ناظمی کو اپنی غلطی کا احساس ہوا تو بجائے سنبھلنے کے اور بگڑ گیا۔ پھر اس نے مجھے اور میرے موکل کو بے نقط سنائیں۔ وہ یہ بھی فراموش کر بیٹھا کہ اس وقت کہاں اور کس کے سامنے کھڑا ہے۔ میں نے اس کے کالے کرتوتوں کا بھانڈا پھوڑ ڈالا تھا۔ اپنی ناکامی اور غصے کی شدت نے اسے جنونی کیفیت میں مبتلا کر دیا۔ اسے قابو میں کرنے کیلئے مجبوراً پولیس کی مدد لینا پڑی۔

مجسٹریٹ نے فوری طور پر متعلقہ عدالتی عملے کو ہنگامی احکام صادر کر دیئے جن میں اسد ناظمی کے گھر اور دفتر کی مکمل تلاشی اور حیدرآباد سے جبار کو بلانے کے احکامات سرِفہرست تھے۔ اس کے بعد مجسٹریٹ نے عدالت برخاست کر دی۔

☆......☆......☆

آئندہ پیشی پر حسبِ توقع کارروائی ہوئی اور عدالت نے میرے موکل کو باعزت بری کر دیا۔

اسد ناظمی نے پولیس کی تحویل میں آنے کے بعد اپنے جرائم کا اقرار کر لیا پھر جبار کی گواہی نے بھی اس کے تابوت میں آخری کیل ٹھونک دی تھی۔ پولیس نے جبار کو لطیف آباد (حیدرآباد) کے اسی گھر سے اٹھایا تھا جس کی میں نے نشاندہی کی تھی۔ پولیس کی '' خاطر تواضع'' پر بڑے بڑے لب

کشائی پر مجبور ہو جاتے ہیں، جبار اور اسد ناظمی کس کھیت کی سبزی تھے۔

لطیفہ کو اس کا قیمتی اور یادگار نیکلس واپس ملا تو بہت خوش ہوئی۔ اس نے میرے موکل سے بے حد معذرت کی اور آئندہ کیلئے اسے اپنا مشیر خاص بنانے کی پیشکش بھی کر دی لیکن حامد محمود نے حیرت انگیز طور پر اس مفید پیشکش کو ٹھکرا دیا۔ وہ دونوں اس وقت میرے دفتر ہی میں بیٹھے تھے۔

''میڈم! میں اس معاشرے میں مس فٹ ہوں۔ مجھے رہنے ہی دیں۔'' اس نے شکستہ لہجے میں کہا۔

لطیفہ نے سنجیدگی سے کہا۔'' حامد! تم مس فٹ نہیں بلکہ مسٹر فٹ ہو۔''

''یہ سب کہنے کی باتیں ہیں۔'' اس کی بے دلی میں کوئی فرق نہیں آیا۔

''انشاء اللہ! میں بہت جلد اپنا اخبار نکالوں گی۔'' لطیفہ نے آخری کوشش کرتے ہوئے کہا۔ ''تم مجھے چھوڑ کر نہ جاؤ۔ ہم مل کر اس معاشرے کی صورت بدل کر رکھ دیں گے۔ مجھے قدم قدم پر تمہاری مدد کی ضرورت پڑے گی۔''

وہ خلا میں گھورتے ہوئے بولا۔'' جب آپ کا اخبار منظر عام پر آ جائے گا تو میں اس بارے میں سوچوں گا۔ بہ شرط یہ کہ میں اس وقت کسی جیل میں پڑا سڑ نہ رہا ہوں۔ مجھے جس آکسیجن کی ضرورت ہے وہ اس معاشرے سے روز بروز کم ہوتی جا رہی ہے۔''

پھر اس نے اٹھ کر مجھ سے بھرپور مصافحہ کیا، لطیفہ کو سر کی جنبش سے تعظیم دی اور'' خدا حافظ'' کہہ کر میرے دفتر سے نکل گیا۔

میں اور لطیفہ ایک دوسرے کو معنی خیز اور حیران نظروں سے دیکھتے رہ گئے۔ ہماری زبان سے ایک لفظ نہیں پھسلا۔ لفظوں کا جادوگر ہماری گویائی پر مہر ثبت کر گیا تھا۔ ہم اس کے بارے میں کیا لب کشائی کرتے۔

کاش ہمارا معاشرہ اس قابل ہو جائے کہ مس فٹ افراد اس میں فٹ ہو سکیں۔ ہم سب کا فرض ہے کہ اس سلسلے میں دعاؤں کے ساتھ ساتھ عملی کوشش بھی کریں۔

☆......☆......☆